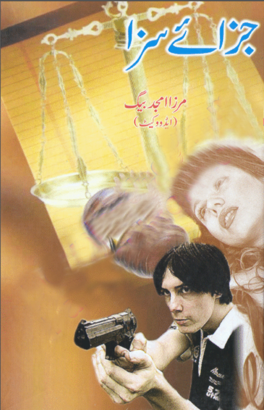
جزائے سزا
مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)

قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات
زن، زر اور زمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات

جزائے سزا

مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)

تحریر

حسام بٹ

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546, 37668958
www.alquraish.com email: info@alquraish.com

فہرست

پس منظر..............................5

دائمی نجات..............................60

جزائے سزا..............................93

میٹھا زہر..............................1[illegible]

مرچ مسالا..............................210

پس منظر

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ پیش منظر کہلاتا ہے۔ اس منظر نامے کے عقب میں بھی بہت کچھ پوشیدہ ہوتا ہے' جہاں تک انسانی آنکھ کی رسائی ممکن نہیں۔ اس چھپے ہوئے راز کو منظر عام پر لانے کے لئے بینائی کے ساتھ دانائی کو بھی استعمال کرنا پڑتا ہے' پھر بصارت اور بصیرت کا یہ باہمی ملاپ تحقیق و تفتیش کی گاڑی کو کسی حتمی منزل تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔ اس تمہید کے بعد اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

ایک روز میں عدالت سے نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کسی نے عقب سے مجھے پکارا۔ اپنے نام کی پکار سن کر مجھے رکنا پڑا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک ہینڈسم نوجوان کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے پایا۔ میں رک کر سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا۔

ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ اگلے ہی لمحے مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں عدالت کے کمرے سے نکل کر راہ داری سے گزر رہا تھا یہی نوجوان ایک وکیل کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا' بعد میں پتا چلا کہ وہ مذکورہ وکیل سے میرے ہی بارے میں پوچھ رہا تھا۔

مذکورہ نوجوان میرے قریب پہنچ کر اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''السلام علیکم بیگ صاحب......''

''وعلیکم السلام۔'' میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے مصافحے کے لئے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

''آپ مجھے نہیں جانتے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن شیرازی صاحب کے توسط سے میں آپ سے غائبانہ متعارف ہوں اور آج ملاقات بھی ہو گئی ہے......''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پوچھا۔ "آپ کن شیرازی صاحب کا ذکر کر رہے ہیں؟"

میرے جاننے والوں میں شیرازی نام کے تین افراد شامل تھے۔ فیصل شیرازی کا تعلق شوبزنس سے تھا۔ نجم شیرازی مشیر انکم ٹیکس تھے اور فرید شیرازی ایک فلاحی تنظیم کے روح رواں تھے۔ اس اسمارٹ نوجوان نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

"میں نجم شیرازی کی بات کر رہا ہوں جناب! وہ جو انکم ٹیکس وغیرہ کے وکیل ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر کو اثباتی جنبش دی' پھر استفسار کیا۔ "آپ کی تعریف؟"

"اوہ...... آئی ایم رئیلی ویری سوری بیگ صاحب!"

وہ ندامت آمیز لہجے میں جلدی سے بولا۔ "میں پریشانی میں اپنا تعارف تو کرانا بھول ہی گیا۔ میرا نام ہاشم ہے...... ہاشم انور۔"

"آپ نے اپنے پریشان ہونے کا ذکر کیا ہے؟" میں نے تنقیدی نظر سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اسی سلسلے میں آپ میرے پاس آئے ہیں؟"

"جی ہاں' بالکل یہی معاملہ ہے۔" وہ اضطراری لہجے میں بولا۔

"میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے آپ ٹھیک ایک گھنٹے بعد میرے آفس آجائیں۔ پھر وہیں پر آپ سے تفصیلی بات ہو جائے گی۔"

اس وقت دن کا ڈیڑھ بجا تھا اور اس وقت میں لنچ پر جاتا تھا۔ لنچ کرنے میں آدھا پونا گھنٹہ لگ جاتا۔ تاہم میں نے ہاشم انور کو احتیاطاً ایک گھنٹے کا ٹائم دیا تھا۔ اڑھائی بجے تک تو میں یقیناً اپنے آفس میں پہنچ ہی جاتا۔ میں ایک مخصوص ریسٹورنٹ میں دن کا کھانا کھایا کرتا تھا' جو سٹی کورٹ کی عمارت اور میرے آفس کے تقریباً وسط میں واقع تھا۔

ہاشم نے پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ کا آفس کہاں پر ہے؟"

"یہاں سے واکنگ ڈسٹینس پر ہے۔" میں نے کہا۔ پھر اس کثیر المنزلہ عمارت کا نام بھی بتا دیا' جس کے اندر میرا دفتر تھا۔

مذکورہ عمارت میں زیادہ تر وکلا ہی کے دفاتر واقع تھے۔ ہاشم نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا۔ "ٹھیک ہے بیگ صاحب! میں اتنی دیر میں لنچ کر لیتا ہوں۔"

"لنچ......" میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔ "آپ کہاں لنچ کریں گے؟"

"کہیں بھی۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "ایکچوئیلی مجھے تو ایک گھنٹہ گزارنا ہے۔ اسی دوران میں پیٹ پوجا بھی ہو جائے گی۔"

"اگر کوئی پرابلم نہ ہو تو آج لنچ میرے ساتھ ہی کر لیں۔" میں نے ایک اندرونی جذبے کے تحت اسے پیشکش کر دی۔ "میں اس وقت لنچ کے لئے ہی ایک قریبی ریسٹورنٹ میں جا رہا تھا۔" تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے میری پیشکش قبول کر لی۔

ہاشم کی عمر میرے اندازے کے مطابق پچیس اور چھبیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک دراز قامت اور صحت مند نوجوان تھا۔ رنگ گورا اور چہرے کے نقوش سے وجاہت جھلکتی تھی۔ اس نے جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ یہ لباس اس پر بہت سج رہا تھا۔ بازوؤں کی مچھلیوں اور کاٹھی سے اندازہ ہوتا تھا کہ باقاعدگی سے کسرت کرتا ہوگا۔ اس کا بدن سپورٹس مین والا تھا اور حرکات و سکنات میں بڑی منظم مستعدی پائی جاتی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر ایک خوب صورت فریم والا نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ وہ خاصا سلجھا ہوا نوجوان تھا۔ بات چیت کا انداز انتہائی مہذب اور شائستہ تھا۔

مجھے صحت مند' خوش مزاج اور چاق و چوبند نوجوان بہت اچھے لگتے ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میں نے بے ساختہ ہاشم کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے دی تھی۔ وہ پہلی ہی نظر میں مجھے اچھا لگا تھا اور اس پیشکش میں بھی میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔

ہم ریسٹورنٹ میں آکر بیٹھے تو ہمارے درمیان بات چیت بھی ہونے لگی۔ ہاشم میرے ساتھ بیٹھ کر ذرا سا بھی نروس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ایک پُراعتماد نوجوان تھا' تاہم جو پریشانی اسے کھینچ کر میرے پاس لائی تھی اس کے آثار ہاشم کی آنکھوں اور چہرے پر دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ کسی ذہنی الجھن کا شکار دکھائی دیتا تھا۔

اس نے آرڈر وغیرہ کا معاملہ مجھی پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے تھوڑے غور و خوض کے بعد دو ایسی ڈشز آرڈر کر دیں جو ہم دونوں بآسانی کھا سکتے تھے۔ آرڈر پلیس ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ لہٰذا میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے سامنے بیٹھے ہاشم سے پوچھا۔

"ہاشم! آپ جانتے ہیں دنیا میں سب سے قیمتی چیز کیا ہے؟"

"آئی تھنک...... انسانی زندگی۔"

"اور انسانی زندگی میں سب سے قیمتی شے؟"

"اوں......" اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "ٹائم۔"

"ویری گڈ۔" میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کے دونوں جواب مجھے پسند آئے ہیں۔"

"تھینک یو بیگ صاحب۔" وہ ممنونیت بھرے انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے تو ہم بھی وقت کا پورا پورا استعمال کریں گے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کھانا بھی چلے گا اور اس دوران میں ہماری گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" اس نے تائیدی انداز میں کہا۔

"بس تو پھر سب سے پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں تفصیلاً بتائیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

وہ بتانے لگا۔ "جناب! میرا نام تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔ میں گارڈن ویسٹ کے علاقے میں رہتا ہوں۔ ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں میری رہائش ہے۔ ایک سال پہلے شادی بھی کر چکا ہوں۔ مین سولجر بازار میں میری چشموں کی دکان ہے جہاں میں دن بھر موجود ہوتا ہوں۔ میری دکان پر ہر کوالٹی اور ہر دام کے چشمے موجود ہیں۔ میں اپنے پاس آنے والوں کی نظر بھی ٹیسٹ کرتا ہوں اور ان کی پسند اور ضرورت کے مطابق چشمے بھی بنا کر دیتا ہوں۔"

"اوہ...... لگتا ہے' آپ اپنے کام میں بڑے ماہر ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"جناب! یہ تو آپ کو تجربے کے بعد ہی صحیح طور پر اندازہ ہوگا کہ میں اپنے پیشے میں کتنا ماہر ہوں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر موقع ملے تو آپ ایک مرتبہ ضرور میری شاپ پر تشریف لائیں۔"

"آپ کی سیلز مین شپ کا تو اس دعوت ہی سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور جہاں تک آپ کی دکان پر تشریف لے جانے کا تعلق ہے تو جناب' میرے ساتھ قریب یا دور' کسی بھی نوعیت کی ضعف نظری والا معاملہ تو ہے نہیں' البتہ سن گلاسز کا مجھے ضرور شوق رہا ہے' بلکہ شوق ہے۔" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی شاپ پر اچھے سن گلاسز بھی ہوں گے؟"

"بالکل ہیں جناب۔" وہ بڑے وثوقی انداز میں سر کو حرکت دیتے ہوئے بولا۔ "میرے

پاس لوکل سن گلاسز بھی ہیں اور آپ جیسے باذوق لوگوں کے لئے میں نے برانڈڈ گلاسز بھی رکھے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' پھر تو آپ کی دکان کا ایک آدھ چکر لگانا ہی پڑے گا۔" میں نے کہا۔

وہ تشکرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "مجھے بہت خوشی ہوگی بیگ صاحب۔"

میں نے فوراً اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "ہاشم صاحب! میں پچھلے پندرہ منٹ سے آپ کے ساتھ ہوں' لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آپ خاصے اطمینان کے ساتھ مجھے کمپنی دے رہے ہیں' جس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی سنگین نوعیت کا معاملہ نہیں ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟"

واضح رہے کہ اس دوران میں ہمارا آرڈر پلیس کر دیا گیا تھا اور ہم نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے میرے استفسار کے جواب میں کہا۔ "آپ کسی حد تک درست فرما رہے ہیں۔"

"کسی حد تک...... کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ......" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تو ٹھیک ہے میں مطمئن نظر آتا ہوں۔ میرے چہرے سے وہ پریشانی اور گھبراہٹ ظاہر نہیں ہو رہی' جتنا کہ معاملہ سنگین ہے اور اس تضاد کا بھی ایک سبب ہے بیگ صاحب۔" وہ چند لمحات کے لئے متوقف ہوا' ایک نوالہ منہ میں رکھا اور پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ "بیگ صاحب! دراصل میرے ساتھ ایز یچ کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"پھر......؟" میں نے حیرت بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں اپنے ایک دوست کی پرابلم لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"میرا دوست عاطف ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

"اوہ......!" میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ ہاشم اپنے کسی مسئلے کے لیے مجھ سے ملنے آیا تھا۔ یہ تو کوئی دوسرا ہی معاملہ نکل آیا تھا۔ اصل میں ہمارے درمیان گفتگو کی نوعیت کچھ ایسی رہی تھی کہ میں اندازہ نہیں کر پایا تھا' مسئلہ اس کا ہے یا کسی اور کا۔

"آپ کا دوست عاطف کس قسم کی مصیبت کا شکار ہو گیا ہے؟" میں نے تشویش بھرے انداز میں استفسار کیا۔

"پولیس نے عاطف کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"عاطف نے کس کو قتل کر دیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے...... اس پر کس کے قتل کا الزام ہے؟"

"اس کی بیوی ہما کے قتل کا الزام۔"

"اوہ......!" میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"میں جانتا ہوں' عاطف ایسا انسان نہیں ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "ہما کے قتل میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ اسے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس مصیبت میں پھنسایا گیا ہے۔"

"تو آپ کے خیال میں' آپ کا عاطف بے گناہ ہے؟"

"جی ہاں' مجھے اس کی بے گناہی کا سو فیصد یقین ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"اس یقین کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے آپ کے پاس؟"

"نہیں جناب! یہ میرے دل کی گواہی ہے۔"

"عدالت دل کی گواہی اور اس قسم کے جذباتی معاملات کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہاشم صاحب۔" میں نے اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں پر ہمیں اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے واقعاتی شہادتیں اور گواہوں کو پیش کرنا پڑتا ہے' جب جا کر کہیں بات بنتی ہے۔"

"جناب! عدالتی معاملات کا تو آپ ہی کو زیادہ پتا ہوگا۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ "میں عاطف کو پچھلے پندرہ سال سے جانتا ہوں' جب وہ ہماری اپارٹمنٹس بلڈنگ کے قریب ہی ایک بستی میں رہتا تھا۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے' جیسا اسے اس کیس میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔ وہ ہما کو کوئی معمولی سی تکلیف بھی پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا' چہ جائے کہ قتل......"

● "آپ نے بتایا کہ ملزم عاطف پہلے آپ کے گھر کے نزدیک ہی کسی بستی میں رہتا تھا۔" میں نے کھانے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ "کیا اب وہ کہیں اور شفٹ ہو چکا ہے؟"

"جی ہاں' وہ شادی کے بعد سولجر بازار کے علاقے میں منتقل ہو گیا تھا۔"

"آپ کے دوست کی شادی کتنا عرصہ پہلے ہوئی تھی؟"

"لگ بھگ ایک سال پہلے۔"

"ہما کے قتل والا واقعہ کہاں پیش آیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کے فلیٹ پر۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "سولجر بازار والے فلیٹ پر۔"

"اوہ......!" میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا' پھر پوچھا۔ "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"دو دن پہلے کا۔"

"دو دن......" میں نے زبانی حساب لگاتے ہوئے کہا۔ "آج انیس اگست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہما کو سترہ اگست کو قتل کیا گیا ہے؟"

"جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اور اس کا ایک مطلب یہ بھی کہ......" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہ اس وقت آپ کا دوست عاطف عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہوگا۔"

"جی ہاں۔" اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں گردن ہلائی اور بتانے لگا۔ "سترہ اگست کی دوپہر میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اسی روز پولیس نے اسے گرفتار بھی کر لیا تھا۔ اگلے روز یعنی گزشتہ کل پولیس نے عاطف کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کر لیا تھا اور اب وہ تھانے میں بند ہے۔"

"کون سے تھانے میں؟" میرے سوال کے جواب میں اس نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

"پولیس نے کتنے دن کا ریمانڈ حاصل کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ "سات دن کا۔"

"ملزم عاطف کے کوئی بچے وغیرہ......؟"

"نہیں بیگ صاحب!" اس نے بتایا۔ "ابھی تک ان کی اولاد نہیں ہوئی تھی۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے اپنی الجھن کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

"عاطف کے ورثا میں سے کوئی آپ کے ساتھ نظر نہیں آ رہا۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی' اس کی خاص وجہ ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں جب ویٹر کو بل کی رقم مع اس کی ٹپ کے ادا کرنے لگا تو ہاشم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا

اور جلدی سے اپنا والٹ نکالتے ہوئے بولا۔ ''آپ نہیں بیگ صاحب! کھانے کے پیسے میں دوں گا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاشم صاحب!'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''پلیز بیگ صاحب!'' وہ والٹ کھول کر اس میں سے رقم نکالنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''ہاشم! اس ریسٹورنٹ میں آپ میرے ساتھ آئے ہیں یا میں آپ کے ساتھ آیا ہوں؟''

''ظاہر ہے' آپ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

''کھانے کی پیشکش میں نے آپ کو کی تھی یا آپ نے مجھے؟''

''یہ آفر آپ ہی نے دی تھی۔''

''بس تو پھر ثابت ہو گیا کہ اس لنچ پر میں آپ کا میزبان اور آپ میرے مہمان تھے۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لہٰذا کھانے کا بل بھی میں ہی دوں گا۔''

اس وضاحت کے بعد ہاشم نے کوئی مزاحمت نہ کی اور ہم مذکورہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ملزم کے ہمدرد دوست ہاشم کے ساتھ اپنے چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا۔

''وہاں ریسٹورنٹ میں' میں نے آپ سے ملزم کے ورثا کے حوالے سے ایک سوال کیا تھا'' میں نے گفتگو کے منقطع سلسلے کو بحال کرتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ مجھے کوئی خاص وجہ بتانے والے تھے؟''

''جی بیگ صاحب!'' وہ بڑی رسان سے بولا۔

''عاطف کا کوئی عزیز رشتے دار آپ کو اس لیے میرے ساتھ نظر نہیں آ رہا کہ وہ اس دنیا میں بالکل اکیلا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں چونک اٹھا۔

''عاطف چار پانچ سال کا تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس کی والدہ نے ماں اور باپ بن کر اسے پالا ہے۔ جب وہ جوان ہوا تو اس کی والدہ بھی چل بسیں۔ وہ کسی دماغی مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ ایک ڈیڑھ سال زیرعلاج رہنے کے بعد ہسپتال ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اب اس بات کو بھی کم و بیش پانچ سال کا عرصہ

گزر چکا ہے۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''دور کا کوئی عزیز رشتے دار اس دنیا میں موجود ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔ عاطف کی زبانی کبھی میں نے ایسا کوئی ذکر نہیں سنا۔''

میں نے ایک سفاک حقیقت کی جانب توجہ دلاتے ہوئے ہاشم سے کہا۔ ''آپ کا دوست قتل کے ایک مقدمے میں بطور ملزم نامزد ہو چکا ہے۔ آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے کہ اس کیس کی عدالتی کارروائی کے دوران میں کتنے اخراجات ہو سکتے ہیں؟''

''میں کسی اکاؤنٹ کا درست اندازہ تو قائم نہیں کر سکتا بیگ صاحب۔'' ہاشم نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن مجھے یہ ضرور پتا ہے کہ آپ کی فیس کے علاوہ دیگر عدالتی اخراجات بھی ہوں گے۔''

''اور یہ تمام تر اخراجات کون برداشت کرے گا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''بہ قول آپ کے ملزم کے آگے پیچھے تو کوئی ہے ہی نہیں۔ کہیں آپ کے ذہن میں یہ تو نہیں ہے کہ اس سلسلے میں ملزم کی سسرال والے اس کی مالی اور اخلاقی مدد کریں گے؟''

''نہیں جناب! اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ لوگ تو اس کیس میں مخالف پارٹی ہیں۔ ہما کی ماں کا جھکاؤ استغاثہ کی جانب ہے اور وہ بھی عاطف ہی کو ہما کا قاتل سمجھتی ہیں۔''

''تو پھر......؟''

''جناب بیگ صاحب! آپ اپنی فیس اور دیگر عدالتی اخراجات کی بالکل فکر نہ کریں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''منصور صاحب نے اس سلسلے میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے' بلکہ اس واقعے کے بارے میں بھی مجھے انہوں نے ہی بتایا تھا۔''

''یہ منصور کون صاحب ہیں؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''منصور صاحب دراصل عاطف کے باس ہیں بیگ صاحب!'' ہاشم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''منصور ٹریولز کے مالک۔''

''اچھا تو آپ کا دوست کسی ٹریول کمپنی میں کام کرتا ہے؟''

"جی بیگ صاحب!" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"وہ ٹکٹنگ کے شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ منصور ٹریولز کا آفس میکلوڈ روڈ پر واقع ہے۔"

"چلیں ایک مسئلہ تو حل ہوا۔" میں نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب ایک اور بڑا مسئلہ باقی ہے۔"

"کون سا مسئلہ بیگ صاحب؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

"ہاشم صاحب!" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس عدالت میں چالان پیش کر دے گی۔ اس موقع پر مجھے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم کی درخواست ضمانت بھی عدالت میں دائر کرنا ہوگی۔" میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا اس سلسلے میں آپ نے کوئی بندوبست کر رکھا ہے؟"

"بندوبست؟" اس کی آنکھوں میں تذبذب کی پرچھائیں لہرائی۔ "ذرا وضاحت فرمائیں گے؟"

"ضرور۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "جب ملزم کو چالان کے ساتھ پولیس حوالہ عدالت کر دیتی ہے تو ڈیفنس کی جانب سے ملزم کے لیے ضمانت یا ضمانتی کا انتظام کرنا پڑتا ہے تاکہ اسے جیل کسٹڈی سے بچایا جا سکے۔ یہ بات بھی طے ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت تقریباً ناممکن ہوتی ہے' تاہم اس سلسلے میں کوشش ضرور کی جاتی ہے۔" میں سانس لینے کے لئے متوقف ہوا' پھر اپنی وضاحت مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"شخصی ضمانت کو ضمانتی یا ضامن بھی کہتے ہیں' جو یقیناً کسی نہایت ہی معزز اور معاشی طور پر خوش حال شہری کی صورت میں عدالت کے لیے قابل قبول ہوتی ہے اور اگر ملزم کی ضمانت کے لیے ایسی کوئی معتبر سماجی شخصیت میسر نہ ہو تو پھر سکہ رائج الوقت کام آتا ہے۔ ضمانت کے ضمن میں عدالت ایک بھاری مالیت کا بانڈ بھرواتی ہے۔ آپ اسے ذاتی مچلکہ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"مجھے اس بارے میں آج سے پہلے کوئی آئیڈیا نہیں تھا بیگ صاحب!" وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا منصور ٹریولز والے منصور صاحب آپ کے دوست کے لیے شخصی

ضمانت دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟"

"میں سمجھتا ہوں انہیں انکار تو نہیں کرنا چاہیے۔" اس نے کہا۔ "لیکن پھر بھی میں ان سے بات کرنے کے بعد ہی کنفرم کر سکتا ہوں۔"

"آپ ایسا کریں کل اسی وقت منصور صاحب کو اپنے ساتھ میرے آفس لے آئیں۔" میں نے کہا۔ "میں خود ہی براہ راست ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جناب! میں لے آؤں گا انہیں۔"

"اس واقعے کے بارے میں آپ کو اگر مزید کچھ پتا ہو تو مجھے تفصیل سے بتائیں۔" میں نے ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیگ صاحب! مجھے تو کل رات ہی اس واقعے کی اطلاع ملی تھی۔" اس نے بتایا۔ "اور وہ بھی منصور صاحب کے فون کے ذریعے۔ میں رات کو اپنی شاپ بند کرنے ہی والا تھا کہ فون آ گیا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ عاطف ایک ناگہانی میں پھنس گیا ہے۔ میری عاطف سے ملاقات ہوئے ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ عاطف نے منصور صاحب کو میرے بارے میں بتایا تھا کہ مشکل کی اس گھڑی میں ایک میں ہی ہوں جو اس کے لیے بھاگ دوڑ کر سکتا ہوں۔ منصور صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ مالی محاذ پر وہ بھرپور تعاون کریں گے اور عملی میدان میں مجھے پاؤں اور زبان کو زحمت دینا ہوگی۔ لہٰذا آج صبح میں پہلے ان کے دفتر گیا۔ انہوں نے مجھے ابتدائی اخراجات کے لیے کچھ رقم بھی دی ہے۔ شیرازی صاحب سے میں نے رات ہی بات کر لی تھی اور اب آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔" وہ رکا' ایک طویل سانس خارج کی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا بیگ صاحب!"

"کیا آپ عاطف کو دیکھنے تھانے گئے تھے؟"

"ابھی تک تو نہیں گیا۔" اس نے جواب دیا۔ "آپ کے پاس سے فارغ ہونے کے بعد اس طرف جاؤں گا۔ آج کے دن کے لیے میں نے اپنی شاپ بند رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "رات کو میں بھی تھانے جا کر اس سے ایک بھرپور ملاقات کروں گا۔ چند ضروری کاغذات پر اس کے دستخط بھی کروانا ہوں گے۔"

"بیگ صاحب!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "شیرازی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ

آپ اپنی فیس ایڈوانس میں لیتے ہیں۔ یہ کام بھی ہو ہی جائے تو اچھا ہے تاکہ میں آپ کے آفس سے اطمینان کے ساتھ رخصت ہوں کہ آپ نے میرے دوست کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

بات ختم کر کے وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ اپنا پرس بات شروع کرنے سے پہلے ہی نکال چکا تھا۔ اس کی سوالیہ نظر کا ایک ہی مطلب تھا کہ میں اسے اپنی فیس کے اکاؤنٹ کے بارے میں بتاؤں۔ میں نے یہ کہتے ہوئے اس کی خواہش پوری کر دی۔

"شیرازی صاحب نے آپ کو بالکل ٹھیک بتایا ہے۔ میں اپنی فیس ایڈوانس ہی میں وصول کرتا ہوں۔"

اس نے میری فیس کے برابر مالیت کے نوٹ گن کر رقم میری جانب بڑھا دی۔ میں نے رقم گن کر اپنی میز کی دراز میں ڈالی اور بدلے میں اسے فیس کی وصولی کی رسید بنا کر دے دی۔

جب وہ میرے دفتر سے رخصت ہونے لگا تو میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ "ایک بات آپ پر واضح کر دوں ہاشم صاحب!"

وہ رک کر ٹھٹکی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "میں نے اپنی فیس کھری کر کے یہ کیس تو ہاتھ میں لے لیا ہے' لیکن ملزم سے ملاقات کے بعد یا کیس کی سٹڈی کے دوران میں اگر کسی مرحلے پر مجھے یہ احساس ہوا کہ آپ کا دوست کسی بھی زاویے سے اپنی بیوی کے قتل میں ملوث ہے تو اسی لمحے یہ کیس چھوڑ دوں گا' پھر آپ مجھ سے کوئی شکایت نہیں کیجئے گا۔"

"آپ اس عمل میں حق بجانب ہوں گے بیگ صاحب۔" اس نے بھی بڑے واضح انداز میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے' ایسی کوئی بھی صورتحال پیش نہیں آئے گی۔"

"اللہ کرے' ایسا ہی ہو۔" میں نے مثبت طرزِ فکر کا اظہار کیا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا' بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا' پھر آئندہ روز آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

میں نے اسی رات دفتری مصروفیات سے نمٹنے کے بعد اپنی گاڑی کو متعلقہ تھانے پہنچا کر ملزم عاطف سے ایک بھرپور ملاقات کر لی اور مجھے جن قانونی کاغذات پر اس کے دستخط کی ضرورت تھی وہ بھی کروا لیے۔ ان کاغذات میں سرفہرست تو میرا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت تھی۔

اس بات کا پہلے بھی درجنوں بار کبھی مختصر اور کبھی تفصیلاً احوال بیان کیا جا چکا ہے کہ عدالتی ریمانڈ پر پولیس کی کسٹڈی میں ملزم سے ملاقات ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال کبھی قائدِ عوام' بانیٔ پاکستان اور کبھی دھونس دھمکی کی جھلک دکھا کر یہ کام بھی کر ہی لیا جاتا ہے۔ سو اس رات بھی میں نے کسی نہ کسی طرح ملزم عاطف سے ایک تسلی بخش ملاقات کر لی تھی۔

کہانی کے واقعات کو آگے بڑھانے اور اس کیس کو عدالت میں لے جانے سے پہلے میں آپ کو وقوعہ کے پس منظر سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں کسی مرحلے پر آپ کا ذہن الجھن کا شکار نہ ہو۔ ان میں سے بیشتر باتیں تو مجھے ملزم جو کہ اب میرے مؤکل کی حیثیت اختیار کر چکا تھا' کی زبانی پتا چلی تھیں اور کچھ اہم باتیں میں نے اپنی ریسرچ اور ہاشم انور کے تعاون سے بعد میں معلوم کر لی تھیں۔ میں کسی تفصیل میں جائے بغیر سوائے چند اہم باتوں کے' اس کا تمام خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

◇◇◇

ملزم عاطف اس دنیا میں اکیلا تھا' جیسا کہ پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد عاطف کی والدہ نے اسے بڑی محبت اور توجہ سے پالا تھا۔ اس کی والدہ ایک معروف فارماسیوٹیکل کمپنی میں کسی نچلی پوسٹ پر کام کرتی تھیں۔ عمر کے آخری حصے میں وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں اور پھر ہسپتال ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ہاشم نے اپنی اپارٹمنٹس بلڈنگ کے نزدیک کسی بستی کے بارے میں بتایا تھا' وہاں عاطف کا ذاتی ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس کا والد بس یہی ایک مکان ترکے میں چھوڑ کر گیا تھا' پھر جب اس کی والدہ بھی چل بسیں تو وہ اس دنیا میں تنہا رہ گیا۔ والدہ کی محنت سے اس نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔ جب گھر کا واحد ذریعہ آمدنی بھی زمین اوڑھ کر سو گیا تو عاطف روزگار کے سلسلے میں سرگرم عمل ہو گیا۔

اس کی والدہ بڑی دانش مند خاتون تھیں۔ گاہے بہ گاہے جو بھی بچت ہو جاتی وہ اس کے سرٹیفکیٹ خرید لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب وہ اس دنیا سے اٹھی تو کم و بیش دو لاکھ روپے کے سیونگ سرٹیفکیٹس اس کے گھر میں رکھے تھے' جن کے حوالے سے اس نے اپنی موت کے بعد عاطف ہی کو ان کا مالک نامزد کر رکھا تھا۔ عاطف نے وہ سرٹیفکیٹس اپنے نام پر تو ٹرانسفر کروا لیے تھے' تاہم انہیں کیش کرانے کی حماقت نہیں کی۔ رقم ہاتھ میں آ جائے تو خرچ کرنے کی ہزاروں جگہیں نکل آتی ہیں۔ وہ مذکورہ رقم کو سیونگ سرٹیفکیٹس کی صورت محفوظ رکھ کر ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

انسان اگر خلوص نیت سے کسی کام کی کوشش کرے تو جلد یا بدیر اسے اپنے مقصد میں کامیابی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ عاطف کی بھی یہ سعی رائیگاں نہیں گئی اور مختلف دفتروں کے دھکے کھانے کے بعد بالآخر ایک ماہ کے خاتمے پر اسے منصور ٹریولز میں جاب مل گئی تھی۔ یہ اس

کی پہلی نوکری تھی اور اپنی گرفتاری تک وہ بڑی ثابت قدمی سے اسی ملازمت پر جما ہوا تھا۔

کسی بھی ادارے میں کام کرنے کے لیے باہمی موافقت بہت ضروری ہوتی ہے۔ عاطف اور منصور کے درمیان ابتدا ہی میں میوچل انڈرسٹینڈنگ پیدا ہو گئی تھی۔ عاطف ایک محنتی اور ایماندار شخص تھا اور منصور ایک مہربان اور قدر داں انسان لہٰذا آج تک کسی نے کسی کو چھوڑنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جب عاطف کی شادی کا معاملہ سامنے آیا تو اس مرحلے پر بھی منصور صاحب نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔

ہما (مقتولہ) کا باپ خاور حمید (مرحوم) عاطف کا گھر دیکھ کر فوراً بدک گیا تھا۔ اس نے دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے' میں ہما کی ضد کی وجہ سے اس شادی کے لیے تیار ہو گیا ہوں' لیکن میری بچی بیاہ کر اس جھگی میں نہیں آئے گی۔''

چند ماہ پہلے تک خاور حمید زندہ تھا' لیکن اب پیوند خاک ہو چکا تھا۔ وہ ایک آسودہ حال بزنس مین تھا لہٰذا عاطف کے گھر کے حوالے سے اس کا اعتراض بڑا جائز نظر آتا تھا۔ ہما نے ایک بنگلے میں آنکھ کھولی تھی اور ساری زندگی بڑے آرام و آسائش میں گزری تھی۔ ان کی رہائش گرومندر کے نزدیک ایک پوش علاقے میں تھی۔ خاور حمید کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ کا کام کرتا تھا۔ اس کا آفس ٹاور کے نزدیک آئی آئی چندریگر روڈ پر واقع تھا۔ خاور حمید اور منصور چونکہ ایک ہی علاقے میں بزنس کرتے تھے اور کبھی کبھار ایک دوسرے سے واسطہ بھی پڑ جاتا تھا' لہٰذا وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔

ہما اور عاطف کے سوشل اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق تھا' لیکن محبت کی کشش انہیں اتنا قریب لے آئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا اور ان کے بیچ محبت کا یہ رشتہ کس طرح استوار ہوا تھا۔ آپ صرف یہ جان لیں کہ ہما اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اور خصوصاً خاور حمید کی بے حد لاڈلی بھی۔ ہما کی تمام تر ضدوں اور من مانیوں کے لیے اس کی ماں رئیسہ بیگم' خاور حمید ہی کو ذمے دار ٹھہراتی تھی۔ اس کے خیال میں خاور حمید کے حد سے بڑھے ہوئے لاڈ پیار اور آزادی نے ہما کو خودسر اور سرکش بنا دیا تھا۔ جب عاطف کے حوالے سے گھر میں ہما کی شادی کی بات چلی تو سب سے زیادہ مخالفت رئیسہ بیگم ہی نے کی تھی۔

"میں کسی قیمت پر یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔" اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

خاور حمید کو ہما نے اس شادی کے لیے آمادہ کرلیا تھا۔ وہ اپنے باپ کی پدرانہ کمزوریوں سے اچھی طرح واقف تھی' لہٰذا کسی بھی معاملے میں خاور کی رائے کو ہموار کرنے میں اسے دقت پیش نہیں آئی تھی' پھر یہ بھی تھا کہ خاور حمید ایک زندہ دل انسان تھا۔ اپنی اکلوتی بیٹی سے بے پناہ محبت کرنے والا۔ وہ جیو اور جینے دو کا حامی تھا۔ لہٰذا جب ہما نے بڑے واشگاف الفاظ میں اسے اپنی محبت سے نہ صرف یہ کہ آگاہ کیا' بلکہ یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اگر عاطف اسے نہ ملا تو وہ اپنی جان دے دے گی تو باپ کا دل پگھل گیا۔ وہ دل' جس میں بیٹی کی محبت بدرجہا موجود تھی بلکہ وہ ہما کی محبت کی آنچ ہی سے زندہ تھا۔

خاور حمید نے بیوی کا اعلان ساعت کیا تو پوچھا۔ "کیوں بھئی' آپ اس شادی کو رکوانے کا بیڑا کیوں اٹھا رہی ہیں؟"

"میں ماں ہوں۔" وہ شوہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہما کا اچھا برا جانتی ہوں۔ کچھ سوچ کر ہی تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں۔" خاور حمید نے کہا۔ "آخر تم نے سوچ کیا رکھا ہے؟"

"یہ لڑکا مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔" وہ گول مول انداز میں بولی۔

"اچھا۔" خاور نے اسے سوالیہ نظر سے گھورا۔ "آخر کیا خرابی ہے لڑکے میں؟"

"کوئی ایک خرابی ہو تو بتاؤں بھی۔" اس کا انداز اس بار بھی ٹالنے والا تھا۔

"اگر ایک سے زیادہ خرابیاں ہیں اس نوجوان میں تو ......" خاور نے تفریح لینے والے انداز میں کہا۔ "تو پھر کوئی سی بھی دس خرابیاں بیان کردو۔"

"تمہیں تو مذاق کی سوجھ رہی ہے اور میں پریشان ہوں ہما کے لیے۔"

"ہما کو کیا ہو رہا ہے بھئی؟"

"اس نے نادانی میں جو فیصلہ کیا ہے اور تم بھی اس معاملے میں اس کی مدد کر رہے ہو۔ یاد رکھو خاور......" اس کا انداز تنبیہی ہو گیا۔ "یہ نا سمجھ بہت نقصان اٹھائے گی اور تم بھی بیٹھ کر روگے اس کے کیے کو۔"

"یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں رئیسہ۔" خاور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اب تو جو فیصلہ ہو گیا سو ہو گیا۔ کچھ بھی ہے' ہما کی خوشی کی خاطر یہ قدم تو اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"میں نے سنا ہے اس لڑکے کا تو کوئی آگے پیچھے بھی نہیں ہے۔"

"تم نے ٹھیک ہی سنا ہے...... پھر؟"

"میں رشتے داروں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "کوئی پوچھے گا کہ لڑکا کون ہے؟ اس کے ماں باپ کون ہیں؟ خاندان کون سا ہے تو...... تو میں کیا جواب دوں گی انہیں؟"

"وہی جواب جو برسوں پہلے تمہارے والدین نے اپنے خاندان والوں کو دیا تھا۔" خاور نے معنی خیز نظر سے رئیسہ کی جانب دیکھا۔

خاور کی بات اس کی سمجھ میں ٹھیک طرح سے بیٹھ نہ سکی تو وہ الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

"بھئی برسوں پہلے میں پاکستان کے ایک دور دراز علاقے سے کراچی آیا تھا۔ روزگار کے سلسلے میں۔" خاور پُرسوچ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"میرا بھی کوئی قریبی عزیز رشتے دار نہیں تھا۔ دور کے رشتے داروں کو میں بہت دور چھوڑ آیا تھا۔ گویا اس وقت میرے بھی کوئی آگے پیچھے نہیں تھا۔ جیسا کہ آج عاطف کے ساتھ ہے۔ ہماری بھی تو شادی ہو ہی گئی تھی نا۔" وہ لمحے بھر کے لیے تھما' ایک ہموار سانس لی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"نہ صرف ہماری شادی ہو گئی تھی' بلکہ میں نے دن رات سر توڑ محنت کی اور اپنا نام بنا لیا۔ آج میرے پاس سب کچھ ہے۔ عزت' دولت' شہرت' بزنس۔ جب میری شادی ہوئی اس وقت تو میں عاطف سے بھی گیا گزرا تھا۔ مجھے امید ہے آگے چل کر عاطف بھی بہت ترقی کرے گا۔ تمہاری قسمت سے میں بن گیا تھا اور ہما کی قسمت سے عاطف بھی ان شاء اللہ ضرور کچھ بن کر دکھائے گا۔"

"یہ کوئی فارمولا تو نہیں ہے۔" رئیسہ بیگم برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "میں تو یہ جانتی ہوں کہ ہماری ہما کے لیے خاندان ہی میں ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ موجود ہے۔ پھر اپنوں کو چھوڑ کر باہر جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ باہر جھانکنے والا معاملہ نہ تو تم نے کیا ہے اور نہ ہی اس میں میرا کوئی ہاتھ ہے۔" خاور نے بڑے واضح انداز میں کہا۔ "یہ ہما کا ذاتی فیصلہ ہے۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی

عاطف کا انتخاب کیا ہے۔"

"لڑکیوں کو اتنی زیادہ آزادی بھی نہیں دینی چاہئے کہ وہ والدین کی خواہشات کو پھلانگ کر اپنی مرضی کے فیصلے کرنے لگیں۔" رئیسہ کے معنی خیز جملے نے خاور کو یہ سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔

"رئیسہ! تم اپنے خاندان کا اور رشتوں کا کچھ زیادہ ہی ذکر کر رہی ہو۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری نظر میں ہما کے لیے خاندان میں کون سا رشتہ سب سے زیادہ مناسب ہے؟"

"میری نظر تو چاروں طرف گھوم پھر کر ایک ہی رشتے پر ٹکتی ہے۔"

"کس پر؟" خاور سوالیہ نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"نوید پر...... نوید صدیقی پر۔" اس نے جواب دیا۔ "میں سمجھتی ہوں نوید ہما کی بہت قدر کرے گا۔ اسے ایسا فرماں بردار شوہر پوری دنیا میں نہیں ملے گا۔"

"تم بیٹی کے لیے شوہر ڈھونڈ رہی ہو یا شوفر؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں نوید صدیقی ہما کو حد سے زیادہ پسند کرتا ہے۔" وہ نوید صدیقی کی وکالت کرتے ہوئے بولی۔

"نفیسہ آپا نے اشاروں کنایوں میں دو تین مرتبہ مجھ سے بات بھی کی ہے۔"

"نوید یقیناً ہما کو پسند کرتا ہوگا' لیکن ہما اس گینڈے کو سخت ناپسند کرتی ہے۔" خاور نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔ "اب ان باتوں کو چھیڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے ہما کی پسند کی تائید کا فیصلہ کر لیا ہے...... بس!"

جب خاور حمید بس کہہ دیا کرتا تو پھر بحث و تکرار کے سارے دروازے بند ہو جایا کرتے تھے۔ رئیسہ کو اس بات کا برسوں سے تجربہ تھا' لہٰذا ان کے بیچ میں گفتگو کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

رئیسہ بیگم نے جس نوید صدیقی کا ذکر کیا تھا وہ رئیسہ کی بڑی بہن نفیسہ کا بیٹا تھا۔ نوید صدیقی ایک سست الوجود گینڈا نما انسان تھا۔ وہ زبان کا بہت خراب اور غصے کا بھی خاصا تیز تھا۔ ہما اس کی بدمزاجی کے باعث ہی اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔ نفیسہ کا شوہر فواد صدیقی گارمنٹس کا ایکسپورٹر تھا اور اس کی خاور حمید سے نہیں بنتی تھی' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خاور حمید کی اس سے کبھی نہیں بنی تھی' حالانکہ فواد تو خاور کے قریب ہونے کا موقع ہاتھ سے نہیں

جانے دیتا تھا' لیکن خاور اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ ابتدا میں فواد نے خاور کے توسط سے ایکسپورٹ کے ایک دو کام کروائے تھے اور خاور نے اس کی بے ایمانی پکڑ لی تھی۔ خاور کی نظر میں فواد ایک دھوکے باز اور چرب زبان شخص تھا اور اس قماش کے لوگوں سے خاور سوگز دور ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

خاور نے ہما کی شادی سے پہلے عاطف کے چھوٹے سے مکان کو دیکھ کر جو نقطۂ اعتراض اٹھایا تھا' اس پر عاطف بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ اگلے روز اس نے اپنے باس منصور کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ "تم فکر نہ کرو میں کرتا ہوں کچھ۔"

"آپ کیا کریں گے سر!؟" عاطف نے سوالیہ نظر سے اپنے باس کی طرف دیکھا۔

"میں خاور حمید سے اس سلسلے میں خود بات کروں گا۔" منصور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے امید ہے تمہارے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔" عاطف اپنے باس کی تسلی سے مطمئن ہو گیا۔

دو روز بعد منصور نے خاور کے دفتر جا کر اس مسئلے پر بات کی۔ خاور نے کہا۔ "میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہا ہوں۔ آپ خود بتائیں منصور صاحب! میری بیٹی اس بستی کے جھونپڑا نما مکان میں کیسے رہے گی؟"

"میں آپ کے مؤقف سے اتفاق کرتا ہوں خاور صاحب!" منصور نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ شادی کے بعد ہما عاطف کے بستی والے مکان میں نہ جائے۔"

"تو پھر......؟" خاور نے سوالیہ نظر سے منصور کو دیکھا۔

"پھر یہ کہ اس شادی سے پہلے ہی عاطف کی رہائش تبدیل ہو جانی چاہئے۔" منصور نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"خاور نے استعجابیہ نظر سے منصور کو دیکھا اور بولا۔ "وہ کیسے؟"

"میرے پاس اس کام کو ممکن بنانے کے لئے دو آئیڈیاز ہیں۔" منصور نے بدستور سنجیدہ انداز میں کہا۔ "ایک آئیڈیا کا تعلق آپ سے اور دوسرے کا مجھ سے ہے۔"

"پلیز وضاحت کریں۔" یہ کہہ کر خاور ہمہ تن گوش ہو گیا۔

منصور نے کھنکار کر گلا صاف کیا' پھر بتانے لگا۔

"دیکھیں خاور صاحب! آپ اپنی اکلوتی بیٹی کو عاطف کے نکاح میں دینے جا رہے ہیں۔ یعنی آپ اسے اپنی فرزندی میں لینے والے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں۔" خاور نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اصولی طور پر تو یہ آپ کا فرض بنتا ہے کہ اپنی اکلوتی بیٹی کے آرام و آسائش کے لئے تھوڑی بہت انویسٹ منٹ کر ڈالیں۔" منصور نے بڑے ڈھنگ سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کے پاس کسی شے کی کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر نعمت اور ہر دولت سے نواز رکھا ہے۔ اگر آپ کسی مناسب سے علاقے میں ہما کے نام سے ہی کوئی فلیٹ خرید لیں تو آپ کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اس طرح ان لوگوں کی رہائش کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ تو ہے آپ کے لئے آئیڈیا۔"

منصور اتنا بتانے کے بعد خاموش ہوا تو خاور نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اور آپ کے حصے کا آئیڈیا کون سا ہے؟"

"میرے آئیڈیا کی باری اس وقت آئے گی جب آپ اپنے حصے کے آئیڈیا پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے۔" منصور نے کہا۔ "بہرحال میں وہ بھی بتا ہی دیتا ہوں۔"

"ارشاد" خاور نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کی جانب سے انکار آتا ہے تو پھر میں عاطف کی شادی سے پہلے ہی کسی معقول علاقے میں رہائش کا بندوبست کر دوں گا۔" منصور ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرنے لگا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ میں اسے کوئی فلیٹ خرید کر نہیں دے سکتا البتہ کرائے پر ضرور دلوا سکتا ہوں اور وہ اس طرح کہ......" وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"فلیٹ کرائے پر لینے کے لئے ایڈوانس کی جو رقم فلیٹ کے مالک کو دینا ہوگی وہ میں اپنی جیب سے ادا کر دوں گا اور یہ رقم عاطف ہی کی ملکیت ہو جائے گی۔ اب جہاں تک فلیٹ کے ماہانہ کرائے کی ادائیگی کا سوال ہے تو میں اس سلسلے میں عاطف سے دو ٹوک بات کر لوں گا۔ وہ بستی والے اپنے مکان کو کرائے پر اٹھا دے گا اور وہاں سے ملنے والے کرائے میں مزید رقم ملا کر وہ ہر ماہ فلیٹ کا کرایہ بھرتا رہے گا اور یہ مزید رقم اس کے لئے کوئی اضافی بوجھ ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ میں اس کی تنخواہ میں کم و بیش اتنا ہی اضافہ کر دوں گا۔" اس نے ایک

مرتبہ پھر لمحاتی توقف کیا' پھر ان الفاظ میں اپنی بات مکمل کر دی۔

"خاور صاحب! میں جو کر سکتا ہوں وہ آپ کو بتا دیا ہے۔"

"میں آپ کے پُرخلوص جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ آپ عاطف کے سچے خیر خواہ ہیں۔" خاور نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گا بلکہ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اصولی طور پر مجھے اپنی بیٹی کے سکھ اور آرام کے لئے تھوڑی بہت انویسٹ منٹ کر لینا چاہیے تو مجھے آپ کی اصولی بات سے پوری طرح اتفاق ہے اور میں اس نیک کام کے لیے تیار بھی ہوں لیکن......"

"لیکن کیا خاور صاحب؟" خاور کے نامکمل جملے پر منصور نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

"لیکن یہ کہ......" خاور نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اس کارِ خیر میں آپ کی طرف سے بھی حصہ شامل ہو جائے۔"

"آپ حکم کریں۔" منصور نے جلدی سے کہا۔ "میں اپنی بساط کے مطابق ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ صرف عاطف کی سیلری میں خاطر خواہ اضافہ کر دیں۔" خاور حمید نے بڑی رسان سے کہا۔ "باقی کے تمام معاملات میں دیکھ لوں گا۔"

"ڈن!" منصور نے فیصلہ کن انداز میں اعلان کر دیا۔

وہ دونوں مزید آدھے گھنٹے تک عاطف اور ہما کی شادی کے حوالے سے بات چیت کرتے رہے' پھر یہ محفل برخاست ہو گئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ عاطف کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں تھا' لیکن اس کا باس اس کے لیے ایک سرپرست کا کردار ادا کر رہا تھا۔ یہ منصور کا بڑا پن اور عاطف کی خوش قسمتی تھی۔

اس اہم میٹنگ کے دو ماہ کے بعد عاطف اور ہما کی شادی ہو گئی اور اس شادی سے ایک ماہ پہلے خاور حمید نے سولجر بازار کے علاقے میں ہما کے نام سے ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں مناسب سا فلیٹ بھی خرید لیا تھا۔ ہما کو بیاہ کر اسی فلیٹ میں جانا تھا' جہاں عاطف کی معیت میں اس کی نئی زندگی کا آغاز ہو جاتا۔

سب کچھ پروگرام کے مطابق عمل میں آ گیا۔ ہما اور عاطف راضی خوشی سولجر بازار کے علاقے میں رہنے لگے۔ ان کے فلیٹ کا ایک رخ نشتر پارک کی جانب تھا۔ یہ فلیٹ ہما کے

میکے سے بھی بہت قریب تھا۔ یوں سمجھیں کہ واکنگ ڈسٹینس پر۔

انسان عقل اور سوجھ بوجھ کو بروئے کار لا کر اپنی زندگی کی منصوبہ بندی کرتا ہے' لیکن اوپر بھی کوئی مہا منصوبہ ساز بیٹھا ہوا ہے' جس کے سامنے بڑے بڑوں کی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ قدرت نے ان لوگوں کے لئے اپنے طور پر کوئی اور ہی پلاننگ کر رکھی تھی لہٰذا شادی کے بعد ایک سال کے عرصے کے اندر ہی حالات میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔

خاور حمید کا انتقال ہو گیا۔ رئیسہ بیگم جائیداد' کاروبار کی بلاشرکت غیرے مالک بن گئیں۔ ان کی ناتجربہ کاری کا تمام فائدہ بہنوئی نے اٹھایا۔ خاور حمید کی زندگی میں تو فواد صدیقی کا کوئی داؤ کارگر نہیں ہوتا تھا' لہٰذا اس کی موت کے بعد اپنی بیوی نفیسہ بیگم کی مدد سے فواد نے بڑی کاری گری کے ساتھ رئیسہ بیگم کے گھر اور کاروبار میں راستہ بنا لیا۔ عاطف یہ تمام ترسیاسی بازی گری دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ اسے چونکہ اپنی سسرال سے ہمدردی تھی اس لئے وہ ہما کے توسط سے رئیسہ بیگم کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا' لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کے مخلصانہ جذبات کی ناقدری ہو رہی ہے تو اس نے خاموشی سے کنارہ کش ہو جانا بہتر سمجھا۔ رئیسہ بیگم چونکہ عاطف سے ہما کی شادی کی مخالف رہی تھی اس لئے وہ عاطف کو اپنے سامنے کچھ بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اس کی باتوں کو کیا اہمیت دیتی۔ اس اثنا میں رئیسہ بیگم کے گھر اور کاروبار پر فواد صدیقی اپنے پنجے گاڑ چکا تھا۔

حالات اپنے مزاج اور ڈگر پر گامزن تھے کہ ایک روز ہما کو اس کے فلیٹ کے اندر قتل کر دیا گیا اور کاشف کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا گیا اور اب اسی عاطف کا کیس میرے ہاتھ میں تھا' جو اس کے دوست ہاشم کے ذریعے مجھ تک پہنچا تھا۔

حسب وعدہ اگلے روز ہاشم انور مجھ سے ملنے آفس پہنچ گیا' لیکن اسے اکیلے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی جب کہ آج تو اسے منصور صاحب کو اپنے ساتھ لے کر آنا تھا۔ میں نے جب اسی حوالے سے سوال کیا تو اس نے بتایا۔

"منصور صاحب کی آج کی مصروفیات پہلے سے طے تھیں اس لیے وہ نہیں آ سکے' لیکن انہوں نے پیشی پر عدالت پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"پیشی پر!" میں نے سوالیہ نظر سے ہاشم کی طرف دیکھا۔ "آپ کا مطلب ہے جب

پولیس اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کرے گی؟"

"جی ہاں' میری یہی مراد تھی۔" ہاشم نے جواب دیا۔

"ضمانت وغیرہ کے سلسلے میں منصور صاحب سے بات ہو گئی؟"

"جی' وہ عاطف کا ضامن بننے کے لئے تیار ہیں۔" اس نے بتایا۔ "کہہ رہے تھے وکیل صاحب یعنی آپ ضمانت وغیرہ کے کاغذات تیار کروا لیں۔ جہاں جہاں ضروری ہو گا وہ آ کر دستخط کر دیں گے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے مطمئن انداز میں کہا۔ "ہاشم! اس کیس کے سلسلے بعض جگہوں پر آپ کی مدد اور تعاون کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ اس کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہیں نا؟"

"آپ مجھے ان دونوں میدانوں میں مستعد پائیں گے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔

"مجھے آپ سے یہی امید تھی۔" میں نے توصیفی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور اسے چند ابتدائی نوعیت کی ہدایات دے دیں۔

"یہ کام تو چالان پیش ہونے سے پہلے ہی میں کر دوں گا بیگ صاحب!" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "اور کوئی حکم؟"

"جب ضرورت ہو گی تو حکم نہیں بلکہ آپ کو زحمت دوں گا۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "ذرا کیس کی باقاعدہ سماعت تو شروع ہونے دیں۔"

بہ وقت رخصت اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور سرسری انداز میں پوچھ لیا۔ "بیگ صاحب! آپ میری شاپ پر کب تشریف لا رہے ہیں؟"

"شاپ پر۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔" اس نے پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ "آپ کو سن گلاسز دیکھنا تھے نا۔"

"اوہ ہاں۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بس' ذرا فرصت مل جائے پھر ان شاء اللہ ضرور چکر ماروں گا۔ ویسے ایک بات ہے ہاشم صاحب......" میں نے اپنی بات کے اختتام پر جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔

"کون سی بات بیگ صاحب؟"

"یہ بات کہ......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کی

شاپ پر جب جاؤں گا تب جاؤں گا ہی' لیکن آپ اٹھتے بیٹھتے مجھے خوب مارکیٹنگ سکھا رہے ہیں۔ اگر کبھی وکالت کا پیشہ چھوڑ کر مجھے دکان داری کرنا پڑی تو سیلز مین شپ میں مار نہیں کھاؤں گا۔"

میں نے تو مذاق کے انداز میں بات کی تھی۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "چلیں کوئی بات نہیں بیگ صاحب! ہم اسے ایڈجسٹ کرلیں گے۔"

"ایڈجسٹ؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہاشم صاحب! میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ویری سمپل بیگ صاحب!" وہ لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ "اگر میں واقعی آپ کو مارکیٹنگ سکھا رہا ہوں تو اس کیس کے دوران میں آپ سے بھی میں گاہے بہ گاہے وکالت سیکھتا رہوں گا' حساب برابر ہو جائے گا۔ کیا پتا......" اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں توقف کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ "کیا پتا' مستقبل بعید میں مجھے دکان داری چھوڑ کر وکالت کا خوانچہ لگانا پڑ جائے۔"

"وکالت کا خوانچہ۔" بے ساختہ میری ہنسی نکل گئی۔ "یہ کیا ہوتا ہے ہاشم صاحب؟"

"بھئی بیگ صاحب!" وہ سنجیدہ لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کی طرح کا کوئی ماہر اور تجربہ کار وکیل تو ہوں گا نہیں جو میرے کریڈٹ پر درجنوں بلکہ سیکڑوں کامیاب کیسز درج ہوں اور لوگ مزید کیس میرے ریکارڈ پر چڑھانے کے لیے بھی بے چین ہوں۔ مجھے تو روز کنواں کھود کر اپنے لیے پانی نکالنا ہوگا۔"

"لیکن اس کنوئیں اور پانی کا خوانچہ وکالت سے کیا کام؟"

"جناب! جب میری کوئی پیشہ ورانہ ساکھ نہیں ہوگی تو پھر عمدہ قسم کا دفتر سجا کر بیٹھنے سے کام نہیں چلے گا' مجھے بہ نفس نفیس مارکیٹ میں رزق کی تلاش کے لیے نکلنا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح......"

اس نے دونوں بازو پھیلا کر کچھ اس انداز کا اشارہ دیا جیسے اس نے کوئی تھال وغیرہ اٹھا رکھا ہو' پھر اپنی بات کی تکمیل کرتے ہوئے بولا۔

"میں اس طرح اپنی وکالت کا خوانچہ اٹھا کر سٹی کورٹ کے باہر اور کبھی اندر یہ صدائیں لگایا کروں گا...... اے بھائی صاحب! اللہ کے نام پر مجھ سے کوئی کیس کرالو۔ بڑی دعائیں

دوں گا۔ اے بہن' اگر شوہر سے کوئی تنازع چل رہا ہے تو لعنت بھیجو اس کی منحوس شکل پر۔ میں آخر کس مرض کی دوا ہوں مجھ سے اور میری خواجہ بہ دست وکالت سے رجوع کرو' کورٹ سے ایسا خلع دلواؤں گا کہ عمر بھر دعائیں دو گی......وغیرہ وغیرہ......" میں اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا' بے ساختہ کہا۔

"ہاشم صاحب! آپ بہت زندہ دل اور دلچسپ انسان ہیں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

پھر پوچھا۔ "آپ کو کبھی اداکاری وغیرہ کا بھی شوق رہا ہے؟"

"کبھی نہیں بیگ صاحب!" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں جو کچھ بھی بولتا ہوں اس میں کوئی تصنع' بناوٹ یا اداکاری کا دخل نہیں ہے۔ یہ سب کچھ نیچرل ہوتا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ پھر پوچھا۔ "اداکاری نہیں تو پھر لکھنے لکھانے کا شوق ضرور رہا ہوگا؟"

"پڑھنے کا بہت شوق ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "جو بھی ناول یا کتاب ہاتھ لگے' میں راتوں رات چاٹ ڈالتا ہوں۔"

"آپ کی پڑھنے کی یہ عادت بڑی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔" میں نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔ "اگر آپ ساتھ ساتھ لکھنا بھی شروع کر دیں تو مجھے یقین ہے' آپ ایک کامیاب رائٹر کے روپ میں خود کو منوا سکتے ہیں۔" میں نے مزید کہا۔ "آپ ڈائجسٹ کیوں نہیں پڑھتے؟"

"بس' ایسے ہی......" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔"

"پڑھا کریں۔" میں نے تاکیدی انداز میں کہا۔ "خصوصاً سسپنس ڈائجسٹ تو بہت ہی معیاری اور پرمغز میگزین ہے۔ یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ اس میں میری کہانی چھپتی ہے بلکہ واقعی یہ میگزین معتبر اور قابل تعریف ہے۔"

اس نے بڑے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور رخصت ہو گیا۔

◈◇◈

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد' پولیس نے اس مقدمے کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ اسی روز میں نے اپنا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت بھی دائر کر دی۔ اب

اس کیس کی سماعت کا آغاز ہو گیا تھا۔

جج نے ملزم کو فرد جرم پڑھ کر سنائی اور ملزم نے صحت جرم سے صاف انکار کر دیا۔

ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ جب پولیس کسی کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس کیس کے حوالے سے اپنی تفتیش مکمل کر لی ہے اور چالان کی اسی رپورٹ میں ملزم کا اقراری بیان بھی شامل ہوتا ہے' جو کہ ظاہر ہے' ایک جبر کے نتیجے میں وجود پاتا ہے۔ پولیس والے جب تشدد کی فضا میں ملزم کو ایک ناکردہ جرم قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو وہ جان کی امان چاہتے ہوئے اقراری بیان پر انگوٹھا یا دستخط ثبت کر دیتا ہے۔ بعد ازاں وہ عدالت کے روبرو اس بیان سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اسی لئے پولیس کی کسٹڈی میں کیے گئے ملزم کے اقبال جرم کو عدالت کوئی اہمیت نہیں دیتی۔

صحت جرم سے انکار کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا جا چکا تو میں اپنے مؤکل کی ضمانت کے لیے دلائل دینے کی غرض سے آگے بڑھا اور جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد بولنا شروع کیا۔

"جناب عالی! میرا مؤکل سراسر بے قصور ہے۔ اسے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں الجھانے کی کوشش کی گئی ہے لہٰذا معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔"

"یور آنر......" وکیل استغاثہ نے ضمانت رکوانے کی کوششوں کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "ملزم نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اس کی ضمانت قبول کرنا انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔"

"جناب عالی! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک شریف رکن ہے۔ اس کیس کی وجہ سے اس کی نیک نامی اور شرافت پر بڑے منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اسی معاشرے کا ایک معتبر شخص اس کی ضمانت دینے کو تیار ہے لہٰذا میں نہیں سمجھتا' میرے مؤکل کی ضمانت پر رہائی عدالت کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا کر سکتی ہے۔"

"ضامن کے معتبر' خوش حال اور مضبوط ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ وہ جس کی ضمانت دے رہا ہے وہ بے گناہ و بے قصور ہے۔" وکیل استغاثہ نے سلسلہ اعتراضات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ملزم نے ایک خاص پلاننگ کے تحت اپنی بیوی کو قتل کیا ہے۔ یہ

خطرناک مجرم ہے یور آنر......"

"آبجیکشن یور آنرز!" میں نے چیخ سے مشابہ احتجاجی لہجے میں کہا۔ "وکیل استغاثہ نے میرے مؤکل کے لیے انتہائی مؤکل الفاظ کا استعمال کیا ہے ......آئی آبجیکٹ' آئی آبجیکٹ......!"

"وکیل صاحب!" جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔ "آپ کو وکیل استغاثہ کے کون سے الفاظ پر اعتراض ہے؟"

"جناب عالی! آج اس کیس کی پہلی پیشی ہے۔" میں نے اپنے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "لہٰذا جب تک میرے مؤکل پر عائد کردہ جرم عدالت کے روبرو ثابت نہیں ہو جاتا' اس کے لیے "خطرناک مجرم" کے الفاظ استعمال کرنا کسی بھی طور جائز نہیں ہے۔"

جج نے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ ملزم کے لیے ان الفاظ کا استعمال نہ کرے جن پر ڈیفنس کو اعتراض ہے۔

"ٹھیک ہے جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے بادل ناخواستہ اثبات میں گردن ہلائی اور اپنی مخالفت کو ایک نئے زاویے سے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"جناب عالی! ملزم کو جائے وقوعہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ واقعات و شواہد اسے پوری طرح قاتل قرار دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں استغاثہ کے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جن کی شہادت ملزم کا کچا چٹھا سب کھول کر رکھ دے گی لہٰذا معزز عدالت سے میری پرزور اپیل ہے کہ وہ ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اس کیس کی ضمانت کو آگے بڑھانے کے لئے نئی پیشی کی تاریخ دے دے۔"

"مثلاً استغاثہ کے پاس ایسے کون سے گواہ ہیں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جو میرے مؤکل کا کچا چٹھا کھول کر رکھ سکتے ہیں۔"

"تماشا......!" میں نے حیرت بھرے انداز میں دہرایا' پھر اپنے مؤکل کی ضمانت کے سلسلے کو آگے بڑھا دیا۔

ہمارے بیچ مزید پندرہ منٹ تک ترش اور تلخ کلمات کا تبادلہ ہوتا رہا' لیکن میں اپنے مؤکل کی ضمانت کروانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ عدالت نے ملزم عاطف کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیجنے کے احکامات صادر کرنے کے بعد آئندہ پیشی کے لئے تاریخ دے دی۔

اگلی پیشی پندرہ روز بعد تھی۔

ہم عدالت سے نکلے تو ہاشم نے قدرے مایوسی سے کہا۔ "بیگ صاحب! عاطف کی ضمانت تو منظور ہی نہیں ہوئی۔ منصور صاحب کے بھی آج عدالت آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

اس وقت "منصور ٹریولز" کا مالک اور ملزم کا باس منصور بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ اس سے پہلے کہ میں ہاشم کی مایوسی پر الفاظ کا مرہم رکھتا' منصور نے یہ فریضہ سنبھالتے ہوئے ہاشم کو سمجھانا شروع کر دیا کہ قتل کے ملزم کی ضمانت میں کس نوعیت کی دشواریاں حائل ہوتی ہیں۔ اپنی بات کے اختتام پر اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیگ صاحب! میں آپ کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن ہوں۔"

"تھینک یو منصور صاحب!" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ماشاء اللہ قانونی معاملات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

"ہاشم بھی سمجھنے لگے گا۔" وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولا۔ "سنا ہے' اس نے آپ سے وکالت سیکھنے کا کوئی پروگرام ترتیب دیا ہے؟"

"پتا نہیں جناب! یہ مذاق میں کیا' کیا کچھ کہتا رہتا ہے۔" میں نے ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدہ ہوں بیگ صاحب!" وہ جلدی سے بولا۔ "آپ میری باتوں کو مذاق نہ سمجھیں۔"

"ٹھیک ہے ہاشم صاحب!" میں نے ذرا بے تکلفی سے کہا۔ "آپ اس کیس کے دوران میں صرف اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں۔ استادی شاگردی کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔"

"جناب! اس کیس میں آپ کا کردار محض ضمانتی تک محدود نہیں تھا۔" میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ "آپ تو ایک طرح سے اس کیس میں عاطف کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ آپ کا کردار اس کی زندگی میں یہ کیس کھلنے سے پہلے بھی رہا ہے اور اس کیس کے خاتمے کے بعد بھی جاری و ساری رہے گا۔"

منصور نہایت ہی ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کا مالک تھا۔ میری بات کو اس نے توجہ سے سنا اور میرے خاموش ہونے پر اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کب اس کردار کی ادائیگی سے انکار کیا ہے جناب! میں تو کچھ اور ہی کہنے والا تھا۔"

"کچھ اور کیا؟" میں نے چونکتے ہوئے انداز سے اسے دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ آئندہ پیشی پر میں ملک میں نہیں ہوں گا۔ مجھے دو تین دن کے لیے کسی ضروری کام سے تھائی لینڈ جانا ہے۔ لہٰذا آپ ہی اس کیس کو دیکھ لیجئے گا۔ میری ضمانت والا معاملہ تو ختم ہو چکا البتہ......" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"البتہ اگر آپ کو اس کیس کے سلسلے میں میرے کسی مالی تعاون کی ضرورت پیش آ جائے تو آپ میرے صاحب زادے شہزاد سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں شہزاد ہی بزنس کو سنبھالتا ہے اور میں نے اسے شہزاد کے حوالے سے تمام تر صورتحال سے آگاہ کر رکھا ہے۔"

"تھینک یو منصور صاحب!" ہاشم نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

منصور مجھ سے ہاتھ ملا کر اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔ میرے اور ہاشم کے بیچ دس منٹ تک مزید بات چیت ہوتی رہی' پھر میں نے اسے کچھ نئی ہدایات کے ساتھ رخصت کر دیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے پوسٹ مارٹم رپورٹ کا کچھ ذکر ہو جائے۔ اس رپورٹ کے مطابق مقتولہ ہما کی موت سترہ اگست کی دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اسے بتیس بور کے سائلنسر لگے ریوالور سے فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ مذکورہ آلہ قتل سے دو گولیاں فائر کی گئی تھیں جو براہ راست مقتولہ کے سینے پر لگی تھیں اور انہی میں سے ایک گولی نے اس کے دل میں گھس کر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا تھا۔

واقعات کے مطابق مقتولہ کی لاش فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں ایک صوفے کے اوپر پڑی ملی تھی۔ اسے بیٹھنے کی پوزیشن میں قتل کیا گیا تھا اور اس کی موت بھی چند سیکنڈ میں واقع ہو گئی تھی' تاہم دل پر گولی کھانے اور موت کے منہ میں جانے کے درمیان جو قلیل مدت حائل تھی اسی وقفے میں گردن کے علاوہ اس کا بدن بھی ذرا سا ایک جانب جھک گیا تھا' یعنی وہ نیم دراز والی حالت میں آ گئی تھی۔

میرے لیے اس قتل کی واردات کا جو پہلو سب سے زیادہ دلچسپی اور توجہ کا حامل تھا وہ

یہی تھا کہ اسے اپنے ہی گھر کے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور اس کی موت کا الزام اسی کے شوہر یعنی میرے مؤکل عاطف پر عائد کیا گیا تھا۔

◇◇◇

آئندہ پیشی پر جب عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا تو اس سے پہلے کہ استغاثہ کی جانب سے کسی گواہ کا بیان شروع ہوتا' میں نے جج سے درخواست کی کہ میں اس کیس کے آئی او سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

جج نے میری درخواست کو منظور کرتے ہوئے آئی او کی طرف ایک خاص انداز سے دیکھا' جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اسے وٹنس باکس میں جا کر کھڑے ہو جانا چاہئے۔ آئی او نے فوراً جج کے نگاہی احکامات کی تعمیل کی۔

اس کیس کا آئی او (تفتیشی افسر) بشارت بھٹی نامی ایک سب انسپکٹر تھا۔ آئی او کی حیثیت بھی استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں بہ نفس نفیس حاضر رہنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں' میری معلومات کے مطابق استغاثہ کی طرف سے چھ گواہوں کی فہرست دائر کی گئی تھی۔

میں وٹنس باکس کے قریب پہنچا اور انکوائری آفیسر بشارت بھٹی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آئی او صاحب! کیا میں آپ کو بھٹی صاحب کہہ کر بھی مخاطب کر سکتا ہوں؟''

''بڑے شوق سے......'' وہ کسل مندی سے بولا۔

بشارت بھٹی کی عمر پینتیس سے متجاوز تھی۔ وہ بھاری تن و توش کا مالک ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس کے چہرے سے بیزاری اور کاہلی ٹپکتی تھی اور ظاہری حالت سے بھی وہ مستند ست الوجود نظر آتا تھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں کیا جا سکتا تھا جو ہل کر پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا۔ پتا نہیں' وہ محکمہ پولیس میں کیسے سروائیو کر رہا تھا......شاید عاطف جیسے بے گناہوں کو ملزم نامزد کر کے۔''

''بھٹی صاحب!'' میں نے سوالات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو اس واقعے کی اطلاع کتنے بجے اور کس نے دی تھی؟''

''کم و بیش تین بجے سہ پہر!'' اس نے جواب دیا۔

''اور یہ اطلاع اپنے ہی گھر سے تھانے فون کر کے ملزم نے بہ قلم خود دی تھی۔''

''بہ قلم خود......'' میں نے گہری چوٹ کی۔ ''یعنی آپ کا مطلب ہے' ٹیلی فون کے ذریعہ اپنے قلم سے لکھ کر......؟''

''جناب! فون پر تو منہ سے بولا جاتا ہے۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''قلم سے تو کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔''

''میں نے تو آپ ہی کے فرمان کو دہرایا ہے بھٹی صاحب!''

''میں نے کب کہا ہے کہ......'' اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔ ''ملزم نے قلم سے کاغذ پر لکھ کر ٹیلی فون کے ذریعے اس واقعے کی اطلاع دی تھی......؟''

''اب آپ اپنے الفاظ ہی سے پھر رہے ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''یا پھر......شاید آپ کو ''بہ قلم خود'' کا مفہوم اور معنی ہی نہیں معلوم۔''

وہ یہ تو سمجھ گیا کہ اس سے گرامر کی کوئی غلطی ہو گئی ہے' تاہم اس کے دماغ میں اتنا کرنٹ موجود نہیں تھا کہ وہ قواعد کی غلطی کو بھی پکڑ پاتا لہٰذا وہ کھسیانہ سا ہو کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''گویا ملزم نے ہی آپ کو اس سانحے کی اطلاع دی تھی؟''

''جی ہاں۔'' اس نے مختصر سے جواب پر اکتفا کیا۔

''اور آپ کی نظر میں ملزم ہی اپنی بیوی کا قاتل ہے؟''

''جی ہاں' بالکل......'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''واہ وا......کیا کمال کی نظر پائی ہے۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ ''اس نظر کے طفیل جس پر بھی آپ کا کرم ہوتا ہو گا وہ خیر سے......اس نظر کرم کی تاب نہ لاتے ہوئے پتا نہیں' بغیر ویزا پاسپورٹ کون کون سے جہان کی سیر کو نکل جاتا ہو گا۔''

''پتا نہیں' آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں وکیل صاحب!''

''میں اس قسم کی باتیں کر رہا ہوں......'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ ہما کی موت سہ پہر دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ ٹھیک تین بجے ملزم نے اپنے فون سے تھانے میں اس افسوسناک واقعے کی اطلاع دی تھی۔''

"تو اس میں آپ کو کیا خرابی نظر آتی ہے وکیل صاحب!" وہ قدرے برہمی کے ساتھ مجھ سے مستفسر ہوا۔

"خرابی نہیں......خرابیاں کہیں بھٹی صاحب!" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"آپ اپنی بات کی وضاحت فرمائیں گے؟" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

"کیوں نہیں......" میں نے معتدل انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "آپ کو پتا ہے' پوسٹ مارٹم رپورٹ میں مقتولہ کی موت کا جو وقت درج کیا گیا ہے' اس کا مطلب کیا ہے؟"

"آپ ہی بتادیں۔" وہ رکھائی سے بولا۔ "لیکچر بازی کا آپ ہی کو زیادہ شوق ہے۔"

"مجھے تو اور بھی بہت سی بازیوں کا شوق ہے بھٹی صاحب!" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "جن میں شطرنج بازی' نیزہ بازی اور جیت بازی کو باقی ہر بازی پر فوقیت حاصل ہے۔"

"یہ جیت بازی کیا ہوتی ہے؟" وہ متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

"یہ وہ بازی ہے جس کے اختتام پر جیت انسان کا مقدر بنتی ہے۔"

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

میں نے کہا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ میں مقتولہ کی موت کا وقت دو بجے بتایا گیا ہے اور نہ ہی تین بجے بلکہ دو اور تین بجے سہ پہر کے الفاظ درج ہیں جن کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقتولہ کی موت دو اور تین بجے کے درمیان کسی وقت واقع ہوئی تھی اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس کا درست وقت ......سہ پہر اڑھائی بجے کا ہو......میں غلط تو نہیں کہہ رہا بھٹی صاحب!"

"آپ کا بیان بالکل درست ہے۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "پوسٹ مارٹم میں اسی طریقے سے وقت کا مارجن سیٹ کیا جاتا ہے' لیکن آپ اس بحث سے آخر ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ......" میں نے بڑی رسان سے کہا۔ "میرے مؤکل نے آپ کی تھیوری اور فلاسفی بلکہ الزام کے مطابق' اڑھائی بجے سہ پہر اپنی بیوی کے سینے میں دو گولیاں اتار کر اسے موت کی نیند سلا دیا پھر اپنے فلیٹ میں بیٹھا آدھا گھنٹا انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے پولیس اسٹیشن فون کر کے اس واقعے کی اطلاع دی اور پھر ایک مرتبہ اپنی بیوی کی لاش کے پاس بیٹھ کر پولیس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس دوران میں اسے

ایک لمحے کے لئے بھی جائے وقوعہ سے فرار ہونے کا خیال نہیں آیا......آپ اس کو کیا کہیں گے بھٹی صاحب!"

"ملزم کا شاطر پن......" وہ نفرت آمیز نظر سے ملزم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہی تو اس کی ہوشیاری اور چالاکی کا کمال ہے کہ نہ صرف یہ جائے وقوعہ پر جما بیٹھا رہا......اس نے آلۂ قتل کو بھی کہیں چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ سائلنسر لگا ریوالور ادھر اپنی بیوی کی لاش کے قریب ہی پھینک دیا تھا۔"

"میرے مؤکل کی ہوشیاری' چالاکی اور شاطرانہ پن کا تو آپ نے قصہ بیان کر دیا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو ذرا آپ کی مستعدی اور پھرتیوں کا بھی جائزہ لے لیا جائے......ہوں؟"

اس نے میرے "ہوں" کے جواب میں ایک لفظ ادا نہیں کیا بلکہ ناپسندیدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں اس کی مخاصمانہ نظر کی پروا کیے بغیر مستفسر ہوا۔

"بھٹی صاحب! آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟"

"اس وقت تین بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔"

"صرف پچیس منٹ میں۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "یہ ہوئی نا پھرتی والی بات۔ ورنہ واردات کی اطلاع کے بعد حرکت کے معاملے میں پولیس کی ہڈحرامی خاصی مشہور ہے۔"

"آبجیکشن یور آنر......!" وکیل استغاثہ نے فوراً اعتراض جڑ دیا۔

جج نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔

وہ اپنے اعتراض کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میرے فاضل دوست نے ابھی محکمہ پولیس کی کارکردگی کے لیے جو نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کسی بھی طور مناسب اور جائز نہیں ہیں۔ وکیل صفائی کو اس قسم کے طرزِ عمل سے روکنے کے لیے سرزنش کی جائے۔"

وکیل استغاثہ کا واضح اشارہ الفاظ "ہڈحرامی" کی جانب تھا۔ جج نے استغاثہ سے "ہڈحرامی" ایسے الفاظ کو خارج کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فوراً جج کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں "انتہائی غیر ذمے دار" کے الفاظ ٹانک دیئے اور جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو مقتولہ اپنی زندگی کی بازی ہار چکی تھی؟"

"جی ہاں...... سو فیصد۔" اس نے جواب دیا۔

"اور آلۂ قتل یعنی اعشاریہ تین دو کیلی بر کا سائلنسر لگا ریوالور مقتولہ کی لاش کے قریب ہی پڑا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے کہ مقتولہ کو اسی ریوالور سے قتل کیا گیا تھا؟"

"جی ہاں...... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس امر کی تصدیق کرتی ہے۔"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو بعد کی پیداوار ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تھے۔"

"مقتولہ کی لاش صوفے پر پڑی تھی۔" وہ بڑے سادہ لہجے میں بولا۔ "قریب ہی سائلنسر لگا ریوالور بھی پڑا نظر آ رہا تھا' جس کا صرف ایک ہی مطلب تھا کہ مقتول کو اسی ریوالور سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔"

"یہ مطلب آپ نے اپنی تن آسانی کے لیے اخذ کر لیا تھا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ اس سلسلے میں چھان بین بھی کی جا سکتی تھی۔"

"کیسی چھان بین......؟"

"کیا آپ نے آلۂ قتل پر سے ایف پی لینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی؟"

"ہم نے فنگر پرنٹس اٹھانے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر کیا نتیجہ برآمد ہوا؟"

"آلۂ قتل پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے۔"

"آپ کے خیال میں میرے مؤکل نے دستانے وغیرہ پہن کر فائرنگ کی ہو گی۔"

"ہاں...... یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"جی ہاں' کیوں نہیں......"

"مثلاً کیا......؟"

"مثلاً یہ کہ...... ملزم نے ریوالور پھینکنے سے پہلے اسے کسی کپڑے سے اچھی طرح صاف

کر دیا ہو۔" آئی او نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "یہ ناممکن تو نہیں ہے۔"

"واقعی یہ ناممکنات میں شمار نہیں ہوتا۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "اور آپ میرے مؤکل کو تو پہلے ہی چالاک' عیار اور شاطر قرار دے چکے ہیں۔"

وہ ٹھہری ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "جب کسی ملزم کے ایف پی اس کی شناخت یا اس کے جرم کی وقوع پذیری میں معاون ثابت نہ ہو رہے ہوں تو پھر ایک اور بھی ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔" میں نے خاص لہجے میں کہا' پھر بھولنے کی اداکاری کے ساتھ اس میں اضافہ کر دیا۔

"اس ٹیسٹ کا کوئی بھلا سا نام ہے۔ اس وقت مجھے یاد نہیں آ رہا' ذہن سے اتر گیا ہے۔"

"پیرافن ٹیسٹ......" اس نے ترت بتایا۔

"اللہ آپ کا بھلا کرے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "یاد آ گیا اس ٹیسٹ کا یہی نام ہے۔ کیا آپ نے ملزم کے ہاتھوں کا پیرافن ٹیسٹ کرایا تھا؟"

"پیرافن ٹیسٹ (Paraffin Test) ایک مخصوص قسم کا کیمیکل ٹیسٹ ہے' جس کی مدد سے فائرنگ کرنے والے شخص کے ہاتھوں پر بارود کے ذرات کا سراغ لگا لیا جاتا ہے۔"

انکوائری آفیسر نے میرے سوال کے جواب میں اپنی گردن کو نفی میں جنبش دی اور بولا۔ "جی نہیں......"

"کیوں نہیں؟"

"جب ملزم آلۂ قتل پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر سکتا ہے تو پھر وہ پولیس کی آمد سے قبل اپنے ہاتھوں کو بھی اچھی طرح دھو سکتا ہے......"

اس کا جواب نامعقولیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ میں نے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

"بھٹی صاحب! ایک بات سچ سچ بتائیں گے؟"

"جی پوچھیں۔" وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ "میں نے ابھی تک آپ سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی۔"

"یہ تو مہربانی ہے جناب کی۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "کیا مقتولہ کی

لاش سے آپ کی بات ہوئی تھی؟"

"یہ کس قسم کا سوال ہے وکیل صاحب؟" وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آپ سوال نہیں کریں' صرف جواب دیں۔" وہ معاندانہ انداز میں مجھے گھورنے لگا۔

"میں نے کہا۔"ہاں یا نہ......؟"

"بھلا کوئی لاش سے بھی گفتگو کر سکتا ہے؟"

"وضاحت نہیں......صرف جواب۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔"ہاں یا نہیں؟"

"نہیں۔" وہ سٹپٹا گیا۔

"اس کا مطلب ہے مقتولہ کی زبانی آپ کو نہیں پتا چلا تھا کہ ملزم نے اس کے سینے میں دو گولیاں اتار کر اسے ٹھنڈا ٹھار کر رہا تھا؟"

"جی' اس کا یہی مطلب ہے۔" وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا۔

"پھر ملزم نے آپ کو خود ہی بتا دیا ہوگا کہ اپنی بیوی کا قاتل بہ قلم خود وہی ہے؟" میں نے آئی او کو مزید چڑانے کے لیے بہ قلم خود کے الفاظ کا استعمال کیا تھا۔

"یہ اتنا بھی سیدھا نہیں جتنا شکل سے نظر آتا ہے۔" وہ ناپسندیدہ انداز میں ملزم کو گھورتے ہوئے بولا۔"اس نے تو آخری وقت تک اس جرم سے انکار ہی کیا تھا۔"

"تو پھر آپ نے......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"بھئی صاحب! آپ نے کس بنا پر میرے مؤکل کو اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا؟"

"ہمیں ایک ایسا عینی شاہد مل گیا تھا کہ جس کی گواہی کے بعد ملزم کے مجرم ہونے میں کسی شک وشبہے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی تھی......" آئی او نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

"عینی شاہد!" میں نے اچھا خاصا زور دے کر اس کے الفاظ دہرائے۔"آپ نے ابھی یہی کہا ہے نا؟"

"جی ہاں' "آپ نے جو سنا' میں نے وہی کہا ہے۔"

"عینی شاہد......یعنی آئی وٹنس کا مطلب تو آپ کو بہ خوبی معلوم ہوگا؟"

"بالکل معلوم ہے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

"یعنی آپ معزز عدالت کے سامنے اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس ایک ایسا گواہ بھی موجود ہے جس نے میرے مؤکل کو اپنی بیوی کا مرڈر کرتے ہوئے اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"جی ہاں......"

"کیا آپ معزز عدالت کو اس شخص کا نام بتانا پسند کریں گے؟"

"اس کا نام گواہوں کی فہرست میں شامل ہے۔"

"پھر تو ابھی اس کا نام ظاہر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی؟"

میں نے ٹٹولتی ہوئی اور کھوجتی ہوئی نظر سے اس کی طرف دیکھا تو اسے جواب دیتے ہی بنی۔

"اس شخص کا نام نور علی ہے۔"

"یہ نور علی وہی تو نہیں......" میں نے آنکھیں سکیڑ کر آئی او کو دیکھا۔"جو ملزم اور مقتول کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا ہے؟"

"جی ہاں' وہی ہے......" اس نے تصدیق کر دی۔

میں نے اپنی جرح کو موقوف کرتے ہوئے کہا۔"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔

جج نے دس دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ!"

◈◇◈

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے امتیاز نامی ایک گواہ کو پیش کیا گیا۔

امتیاز بھی "منصور ٹریولز" ہی میں ملازم تھا اور اس کی حیثیت ایک چپڑاسی ایسی تھی۔ منصور کی ٹریول ایجنسی میں لگ بھگ بارہ افراد کام کرتے تھے۔ امتیاز نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ جرح کے لیے اس کے قریب پہنچ گیا۔

امتیاز کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس کے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے تاہم بالوں کی اس سفید پوشی کو اس نے خضاب کی مدد سے کور کر رکھا تھا۔ وکیل استغاثہ نے کچھ اس انداز میں جرح کا آغاز کیا۔

"امتیاز صاحب! آپ کو منصور ٹریولز میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"لگ بھگ پانچ سال۔" گواہ نے جواب دیا۔

"اور ملزم کب سے وہاں کام کر رہا تھا؟"

"مجھے صحیح اندازہ تو نہیں جناب لیکن کہہ سکتا ہوں کہ یہ مجھ سے بھی کافی عرصہ پہلے سے اس فرم میں کام کر رہا تھا۔"

"آپ وثوق کے ساتھ اتنا تو بتا سکتے ہیں نا کہ پچھلے پانچ سال میں ملزم کے معمولات آپ کی نظروں کے سامنے تھے؟"

گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "جی ہاں' یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

"آپ کی فرم میں لنچ کا وقفہ کب سے کب تک کیا جاتا ہے؟"

وکیل استغاثہ کے اس سوال نے مجھ پر واضح کر دیا کہ وہ جرح کے رخ کو کس طرف لے کر جانا چاہتا ہے اور اسی لمحے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اس نے ملزم کے ہمدردوں کی

کبھار میں ہاتھ ڈال کر استغاثہ کا گواہ کیوں نکال لیا تھا۔ بہرحال' مجھے اس سے کوئی تشویش یا پریشانی نہیں تھی۔ میرا ہوم ورک اور ہاشم کا فیلڈ ورک مکمل تھا' لہٰذا میں بڑے اطمینان سے اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔

استغاثہ کے گواہ نے اپنے وکیل کے سوال کے جواب میں بتایا۔ "ہمارے ہاں روزانہ دو بجے سے اڑھائی بجے تک لنچ کا وقفہ کیا جاتا ہے۔"

"یہ ٹائم مقررہ ہے یا آگے پیچھے بھی ہوتا رہتا ہے؟"

"ٹائم تو مقرر ہی ہے وکیل صاحب!" گواہ نے بتایا۔ "تاہم کبھی کبھار پانچ دس منٹ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔"

"اتنا تو چلتا ہے۔" وکیل استغاثہ نے بے پروائی سے کہا' پھر پوچھا۔ "کیا ملزم لنچ آفس ہی میں کرتا تھا یا اس مقصد کے لیے باہر جایا کرتا تھا؟"

"آفس ہی میں کرتا تھا۔"

"کھانا یہ گھر سے لایا کرتا تھا یا بازار سے منگواتا تھا؟"

"بازار سے منگواتا تھا۔"

"کھانا لینے کون جاتا تھا؟"

"میں ہی سب کے لیے کھانا لایا کرتا تھا۔"

"کیا وقوعہ کے روز بھی ملزم نے آپ سے لنچ منگوایا تھا؟"

گواہ نے اثبات میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے' اس کا کھانا کھانے کا موڈ تھا؟"

"جی ہاں' جبھی تو اس نے منگوایا تھا۔"

"منگوایا تھا تو پھر کھایا کیوں نہیں......؟"

"اس بارے میں تو آپ اسی سے سوال کریں۔" گواہ بڑی سادگی سے بولا۔

"جب تک آپ کھانا لے کر واپس دفتر پہنچے تو کیا ملزم اپنی سیٹ پر موجود تھا؟"

"جی نہیں......"

"تم کتنے بجے واپس آئے تھے؟"

"اس روز مجھے تھوڑی دیر ہو گئی تھی۔" گواہ نے جواب دیا۔ "میں عموماً پونے دو بجے

کھانا لینے کے لیے دفتر سے نکل جاتا ہوں اور دو بجے واپس بھی آجاتا ہوں' لیکن وقوعہ کے روز میری واپسی دو' دس پر ہوئی تھی۔"

"دو بج کر دس منٹ پر جب تم واپس آئے تو ملزم دفتر میں موجود نہیں تھا؟" وکیل استغاثہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارے خیال میں یہ کہاں غائب تھا......؟"

"میں جب دفتر واپس آیا تو ملزم کو موجود نہ پا کر میں نے دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے پتا چلا کہ وہ تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر باہر نکلا ہے۔" گواہ امتیاز نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق وضاحت پیش کر دی۔

"لیکن پھر اگلے روز پتا چلا کہ اسے اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

وکیل استغاثہ نے غیر مطمئن نظر سے جج کو دیکھتے ہوئے سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا۔

اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ استغاثہ کے گواہ امتیاز نے ابھی تھوڑی دیر پہلے جو بیان دیا تھا اور اس کے بیان پر وکیل استغاثہ نے جس قسم کی جرح کی تھی اس کا ایک خاص زاویہ تھا اور میں اس زاویے کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وکیل استغاثہ محض عدالت کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ ملزم نے وقوعہ کے روز نہایت ہی عمدہ پلاننگ کر رکھی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو کچھ اس انداز میں قتل کرنا چاہتا تھا کہ سب کچھ انتہائی فطری نظر آئے اور کسی کو بھی اس کی ذات پر شک نہ ہو۔

میں نے گواہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی جرح کا آغاز کیا۔ "امتیاز صاحب! تھوڑی دیر پہلے آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ آپ کو "منصور ٹریڈرز" میں کام کرتے ہوئے لگ بھگ پانچ سال ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں......" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے یہی کہا ہے۔"

"پانچ سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔" میں نے اپنی جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس دوران میں کسی انسان کو سمجھنے اور پرکھنے کے ہزاروں مواقع ملتے ہیں اور پھر چونکہ ملزم آپ سے پہلے سے اس فرم میں کام کر رہا تھا لہٰذا اس کو سمجھنے کے لئے تو آپ کے پاس سٹاف کا تجربہ بھی موجود تھا' یعنی فرم میں کام کرنے والے لوگ بھی آپ کو ملزم کے بارے میں بہت

کچھ بتا سکتے تھے اور انہوں نے بتایا بھی ہو گا......اور آپ نے پوچھا ہو گا۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ملزم کی ذات' شخصیت' رویے اور کردار سے اچھی طرح واقف ہوں گے......ہوں گے یا نہیں؟"

"جی ہاں' بالکل......کیوں نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"آپ کو ذاتی طور پر ملزم سے کسی قسم کی کوئی شکایت تو نہیں؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"جی بالکل نہیں۔"

"سٹاف کے دیگر افراد کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"جی......میں سمجھا نہیں؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ ملزم کا آفس میں کام کرنے والے دیگر افراد کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟"

"ٹھیک ٹھاک تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"سابق ریکارڈ کو آپ ایک طرف رکھ دیں۔" میں نے جرح میں تیزی لاتے ہوئے کہا۔ "پچھلے پانچ سال پر آپ نگاہ دوڑائیں اور مجھے بتائیں کہ کیا اس دوران میں ملزم کا سٹاف کے کسی شخص سے کوئی جھگڑا وغیرہ ہوا؟"

"نہیں......" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "ایسا بالکل نہیں ہوا۔"

"گویا......آپ یہ بات مانتے ہیں کہ ملزم ایک صلح جو' امن پسند اور باکردار شخص ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔

"جی' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ اثبات میں سر کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "ماننے والی بات تو ماننا پڑے گی نا۔"

"امتیاز صاحب! آپ روزانہ کتنے بجے سٹاف کے لوگوں کا لنچ لینے جاتے ہیں اور کتنے بجے واپس آتے ہیں۔ یہ ایشو نہیں ہے۔" میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ وقوعہ کے روز آپ کی واپسی میں دس منٹ کی تاخیر ہو گئی تھی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب آپ لنچ لے کر واپس آئے تو ملزم اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھا۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بھی بتایا ہے نا؟"

"جی ...... جی یہی بتایا ہے اور میں نے کچھ غلط بھی نہیں کہا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اگر اس وقت ملزم آفس میں موجود ہوتا تو میں ایسی بات کیوں کرتا۔"

"تم نے کچھ غلط نہیں کہا امتیاز ......" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کے بعد گڑبڑ شروع ہوتی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ ......؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"ایسی گڑبڑ کہ ......" میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "ملزم کو آفس میں موجود نہ پا کر آپ نے سب سے اس کے بارے میں پوچھا' مگر ایک شخص کو نظرانداز کر دیا ...... آخر کیوں؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "میں نے کس شخص کو نظرانداز کیا ہے؟"

"باری صاحب کو۔" میں نے کہا۔ "میں حامد باری کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ وہ ......" وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہاں' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے باری صاحب سے نہیں پوچھا تھا۔"

"کیوں نہیں پوچھا تھا؟" میں نے تیز آواز میں سوال کیا۔ "اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"باری صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔"

"موجود نہیں تھے کیا مطلب ......؟" میں نے اسے گھورا۔ "کیا وہ اس روز آفس نہیں آئے تھے؟"

"جی ...... وہ آفس تو آئے تھے' مگر لنچ پر موجود نہیں تھے۔" اس نے بتایا۔ "باری صاحب لنچ نہیں کرتے۔"

"باری صاحب لنچ نہیں کرتے ......" میں نے اسی کے الفاظ دہرائے اور پوچھا۔ "وہ اگر لنچ پر موجود نہیں تھے تو پھر کہاں تھے؟"

"وہ نماز پڑھنے آفس سے باہر گئے ہوئے تھے۔" گواہ نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے ساتھ والی بلڈنگ کے میزانائن فلور پر باقاعدہ باجماعت نماز کا اہتمام موجود ہے۔ باری صاحب لنچ نہیں کرتے لہٰذا وہ لنچ کے ٹائم والا ایک گھنٹہ اسی "مسجد" میں گزارتے ہیں۔ اس دوران میں وہ ظہر کی نماز بھی ادا کر لیتے ہیں۔"

اس نے اپنے جواب میں لفظ "مسجد" کا استعمال کیا تھا۔ اس سے گواہ کی مراد کوئی باقاعدہ مسجد نہیں تھی۔ وہ پڑوسی بلڈنگ کے اسی میزانائن فلور کا ذکر کر رہا تھا' جہاں نماز کی ادائیگی کے لیے کوئی جگہ مختص کر دی گئی تھی۔ کمرشل علاقوں میں ایسا ہوتا ہے۔ آفس میں کام کرنے والے درجنوں' سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کی سہولت کے لیے کسی بلڈنگ میں کوئی خاص جگہ نماز کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے جہاں باقاعدہ جماعت کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ یہ ایک مستحسن عمل ہے۔

"اس کا مطلب ہے' حامد باری صاحب ایک نمازی اور پرہیزگار شخص ہیں۔" میں نے استغاثہ کے گواہ امتیاز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ جیسے انتہائی خطرناک گناہ سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہوں گے اور آفس کے سٹاف کو ان سے کم ہی شکایت رہتی ہوگی؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "باری صاحب! اپنے آپ میں مگن رہنے والے ایک نیک انسان ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو ان کی برائی کرتے نہیں دیکھا۔"

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں سمجھا نہیں وکیل صاحب!" وہ تعجب خیز نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کو بھی حامد باری سے کوئی شکایت نہیں ہے؟" میں نے اپنی بات کو واضح کرتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل ...... مجھے باری صاحب سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی۔"

میں نے پچھلے چند منٹ میں استغاثہ کے گواہ امتیاز کے ساتھ سوال جواب کرتے ہوئے حامد باری کے کردار اور شخصیت کو عدالت کی نظر میں اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور مجھے اپنے اس مقصد میں صد فیصد کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ میں دوبارہ گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"آپ کو تو باری صاحب سے کوئی شکایت نہیں' مگر باری صاحب کو آپ سے سخت شکایت ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب!" وہ بھونچکا رہ گیا۔ "باری صاحب کو بھلا مجھ سے کیا

شکایت ہے انہوں نے کبھی مجھ سے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"آپ سے نہیں کیا' مگر مجھ سے ایسا ذکر کیا ہے۔" میں نے اپنے لہجے کی معنی خیزی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"کک ...... کیا کہا ہے انہوں نے ......؟" وہ جھرجھراتی ہوئی آواز میں مستفسر ہوا۔

میں نے اپنے ڈرامے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ "باری صاحب کو آپ سے یہ شکوہ ہے کہ آپ انہیں نظرانداز کرتے ہیں۔"

"پتا نہیں' آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ سخت الجھن میں نظر آ رہا تھا۔ "میں بھلا انہیں کیوں نظرانداز کروں گا ...... انہوں نے مجھ سے تو کبھی ایسی کوئی شکایت نہیں کی ...... اگر وہ اس وقت یہاں ہوتے تو میں ان سے ضرور پوچھتا کہ انہوں نے میرے بارے میں ایسی شکایت کیوں کی۔"

"وہ اس وقت یہاں موجود ہیں امتیاز صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ "لیکن عدالت کے کمرے کے اندر نہیں بلکہ باہر کوریڈور میں۔ میں نے انہیں اس کیس میں ایک اہم گواہی کے لیے یہاں بلایا ہے' لیکن افسوس کہ آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔"

"جب وہ یہاں موجود ہیں تو پھر میری ان سے ملاقات کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"اس لیے کہ آپ کی گواہی مکمل ہونے کے بعد آپ عدالت کے کمرے سے باہر چلے جائیں گے اور اگلے ہی لمحے باری صاحب گواہی دینے اندر آئیں گے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آپ عدالت کے اندر ان سے کوئی سوال و جواب نہیں کر سکیں گے ...... اور باہر جب آپ لوگوں کو آپس میں بات کرنے کا موقع ملے گا تو اس وقت تک بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا کیونکہ جب تک میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں گا۔"

"میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا وکیل صاحب۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔ "ابھی تک تو آپ نے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں نے کب اور کہاں باری صاحب کو نظرانداز کیا ہے؟"

"کمال ہے' یہ چھوٹی سی بات بھی آپ کو میں ہی بتاؤں گا۔" میں نے مصنوعی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ لنچ لے کر لوٹے' ملزم آفس میں موجود نہیں تھا۔ آپ نے سب سے ملزم کی غیرحاضری کے بارے میں پوچھا لیکن نہیں پوچھا تو صرف حامد باری سے ...... آپ

نے انہیں نظرانداز کیا کہ نہیں؟"

"جناب! میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ جب میں لنچ لے کر واپس آیا تو باری صاحب آفس میں موجود نہیں تھے۔" وہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ "وہ لنچ کے وقفے کے دوران میں ظہر کی نماز ادا کرنے جاتے ہیں۔"

میں نے اس کی وضاحت پر توجہ نہیں دی۔ اس لیے توجہ نہیں دی کہ میں جانتا تھا' وہ غلط بیانی نہیں کر رہا تھا۔ میں نے تو یہ سارا ڈرامہ ایک خاص مقصد کے تحت رچایا تھا' لہٰذا میں اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔

"حالانکہ ......" میں نے بہ آواز بلند کہا۔ "حالانکہ اگر آپ باری صاحب سے بھی ملزم کے غیاب کے بارے میں پوچھ لیتے تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا۔"

"تو کیا باری صاحب کو پتا تھا کہ ملزم اپنے گھر گیا ہے؟" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم باری صاحب کو سب کچھ بتا کر گیا تھا؟"

"جی ...... میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

"جناب عالی! حامد باری اس وقت عدالت کے کمرے کے باہر موجود ہیں۔ میں معزز عدالت کی اجازت سے انہیں صفائی کے گواہ کی حیثیت سے اندر بلانا چاہتا ہوں لیکن ......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ میں حامد باری کو اندر بلانے سے پہلے ملزم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں تاکہ صفائی کے گواہ حامد باری کو یہاں بلانے کا جواز واضح ہو سکے اور ......" میں نے استغاثہ کے گواہ امتیاز کی طرف دیکھا اور اضافہ کیا۔ "اور امتیاز صاحب کی تشنگی بھی باقی نہ رہے ......"

اگلے ہی لمحے جج نے مجھے ملزم سے جرح کی اجازت دے دی۔

"میں اکیوزڈ باکس (ملزموں والے کٹہرے) کے پاس آیا اور ملزم کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ کے روز آپ دوپہر دو اور تین کے درمیان اپنے آفس میں موجود نہیں تھے؟"

"جی ہاں ...... یہ درست ہے۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"اور یہ کیا یہ بھی درست ہے کہ آپ ٹھیک تین بجے اپنے گھر میں موجود تھے؟"

"جی' یہ بھی درست ہے۔"

"کیا وقوعہ کے روز تین بجے آپ کا اپنے گھر میں موجود ہونا کسی خاص پروگرام کا حصہ تھا؟" میں نے اپنے مقصد کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں ...... وہ محض ایک اتفاق تھا۔"

"کیسا اتفاق؟"

"دراصل مجھے پلازا کے علاقے میں ایک شخص سے ملنا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس شخص سے ملاقات نہیں ہو سکی اور اس وقت مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی لہٰذا میں کھانا کھانے اپنے گھر چلا گیا۔"

"اور گھر پہنچ کر آپ نے کیا دیکھا؟"

"اپنی بیوی ہما کو مردہ حالت میں دیکھا ......" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بہت خوب ......" وکیل استغاثہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "ملزم کو کسی شخص سے ملاقات کرنے پلازا کے علاقے میں جانا تھا اور وہ اپنے بیان کے مطابق پلازا گیا بھی مگر اس کی مذکورہ شخص سے ملاقات نہ ہو سکی لہٰذا وہ کھانا کھانے اپنے گھر چلا گیا ......"

"تو اس میں ایسی پریشانی والی کون سی بات ہے۔ میرے فاضل دوست؟" میں نے ترکی بہ ترکی پوچھ لیا۔

"حیرانی اور پریشانی والی بات یہ ہے کہ ملزم کا کسی شخص سے ملاقات کے لیے جانا طے تھا' لیکن اس کے باوجود بھی اس نے آفس کے چپراسی سے لنچ منگوایا اور خود غائب ہو گیا ......"

"ہاں ...... تو ......؟" میں نے وکیل استغاثہ کو گھور کر دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں' آپ کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں؟"

"سیدھی سی بات ہے میرے فاضل دوست!" وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جب کسی شخص کو لنچ کے اوقات میں آفس سے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ اپنے لیے لنچ نہیں منگوایا کرتا اور اپنے مؤکل کی تو پلازا کے علاقے میں کسی شخص سے ملاقات طے تھی اور وہ ملاقات ہو بھی نہیں سکی تو پھر اسے سیدھا آفس واپس آ جانا چاہئے تھا۔ گھر جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"گھر جانے کی ضرورت کی ملزم نے وضاحت کر دی ہے۔" میں نے متحمل انداز میں کہا۔ "اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس میں ملزم کا کوئی قصور نہیں۔ بہرحال ......"

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی اور دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"وقوعہ کے روز دوپہر میں آپ کی کس شخص سے ملاقات طے تھی۔"

"امجد حسین سے۔" اس نے جواب دیا۔ "امجد حسین ایک پراپرٹی ڈیلر ہے اور پلازا کے علاقے میں اس کی اسٹیٹ ایجنسی ہے۔"

"آپ کس سلسلے میں امجد حسین پراپرٹی ایجنٹ سے ملاقات کرنے والے تھے؟"

"دراصل ہم جس بلڈنگ میں رہ رہے ہیں وہاں بھانت بھانت کے لوگ آ کر آباد ہو گئے ہیں۔" وہ معتدل انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "بلڈنگ کا ماحول فیملی والوں کے لیے مناسب نہیں رہا۔ ہم گھر تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اسی سلسلے میں امجد حسین سے میری بات چل رہی تھی۔ وہ مجھے ایک اچھا فلیٹ دکھانے والا تھا۔"

"لیکن وقوعہ کے روز امجد حسین سے آپ کی ملاقات نہیں ہو سکی۔" میں نے کہا۔ "اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی ہاں ......" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جب میں امجد حسین کی ایجنسی پر پہنچا تو پتا چلا کہ وہ کسی پارٹی کو کوئی فلیٹ دکھانے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے وہیں ایجنسی میں بیٹھ کر پانچ دس منٹ ان کا انتظار کیا' لیکن جب ان کی واپسی کی کوئی امید نظر نہ آئی تو میں ایجنسی سے یہ سوچ کر واپس آ گیا کہ یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں بعد میں کسی وقت امجد حسین سے ملاقات کر لوں گا۔"

"اور جب آپ ایجنسی سے باہر نکلے تو آپ کو بھوک نے ستایا۔" میں نے جرح کے سلسلے کو لپیٹتے ہوئے کہا۔ "اور آپ نے گھر کا رخ کیا۔"

"جی ہاں ...... میں کھانا کھانے اپنے گھر آ گیا تھا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

میں نے استغاثہ کی تکلیف دور کرنے کی غرض سے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنے مؤکل سے پوچھا۔ "ایک بات کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دیں۔"

میں نے ٹھہر ٹھہر کر' انتہائی سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔ "جب آپ کی' وقوعہ کے

روز...... امجد حسین پراپرٹی ایجنٹ سے ملاقات طے تھی اور ...... یہ ملاقات آپ نے لنچ کے وقفے ہی میں کرنا تھی ...... تو پھر آپ نے امتیاز سے اپنے لیے ...... لنچ کیوں منگوایا تھا؟''

''بات یہ ہے جناب کہ ...... لنچ تو میں روزانہ ہی منگوایا کرتا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''انسان نہایت ہی پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ جو کام کرتا چلا آ رہا ہو وہ اس کی پختہ عادت یا ''فطرت ثانی'' بن جاتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ امجد حسین سے میری ملاقات طے تھی اور مجھے آفس سے باہر ہی کہیں لنچ کرنا تھا' لیکن معمول کے مطابق جب میرا چپراسی امتیاز لنچ کا پوچھنے آیا تو میں نے روزمرہ کی عادت کے مطابق اس سے لنچ لانے کے لیے کہہ دیا' لیکن چند منٹ کے بعد مجھے یاد آیا تو میں حامد باری کو اپنے جانے کا بتا کر آفس سے نکل آیا تھا۔''

''حامد باری کو آپ نے کیا بتایا تھا؟''

''میں نے باری صاحب سے کہا تھا کہ مجھے ایک شخص سے ضروری میٹنگ کے لیے پلازا تک جانا ہے۔ میرا لنچ آ جائے تو وہ کوئی بھی کھا سکتا ہے۔''

''پھر اس پر باری صاحب نے کیا جواب دیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ''بھائی اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ اگر لنچ آ رہا ہے تو آنے دیں' جس کی قسمت میں وہ رزق لکھا ہوگا وہ کھا لے گا۔ آپ جائیں جہاں جانا ہے۔'' ملزم نے بتایا۔ ''پھر ہم دونوں ایک ساتھ ہی آفس سے نکلے تھے۔ باری صاحب نماز ادا کرنے کے لیے دوسری بلڈنگ کی طرف چل دیئے تھے اور میں اپنی بائیک پر بیٹھ کر پلازا کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔''

''حامد باری صاحب تو اس وقت عدالت کے کمرے کے باہر موجود ہیں۔ وہ اپنے بیان اور گواہی سے آپ کی بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
''کیا پراپرٹی ایجنٹ امجد حسین اس بات کی گواہی دے گا کہ وقوعہ کے روز دو اور تین بجے کے درمیان آپ کی اور اس کی ملاقات طے تھی؟''

''جی ہاں ...... وہ ضرور یہ گواہی دے گا۔''

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ملزم سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

اس کے بعد آج کی کارروائی کے لیے بس اتنا وقت بچا تھا کہ حامد باری کی گواہی ہو سکے اور یہ گواہی سراسر میرے مؤکل کی حمایت میں جاتی تھی۔ حامد باری ایک سنجیدہ اور معقول شخص تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا فرض پورا کر دیا۔

◈◇◈

آئندہ پیشی پر تین گواہوں کو عدالت میں پیش کیا گیا جن میں سے دو استغاثہ کے اور ایک صفائی کا گواہ تھا۔ میں سب کا احوال ترتیب وار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

سب سے پہلے امجد حسین پراپرٹی ایجنٹ کی گواہی' جس سے میرے مؤکل کی پوزیشن اور مضبوط ہو گئی۔ وکیل استغاثہ نے امجد حسین سے گھما پھرا کر مختلف سوالات کیے لیکن اس سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ امجد حسین اور حامد باری کی گواہیوں نے ملزم عاطف کی ذات کو کافی حد تک معتبر بنا دیا تھا' لیکن یہ سب کچھ نہیں تھا۔ اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ابھی مجھے اور زور لگانا تھا اور یہ زور میں ہاشم انور کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں لگانے والا تھا۔ ہاشم انور نے ملزم کے لیے ایک سچے اور کھرے دوست کا کردار ادا کیا تھا۔ میں نے ہاشم کے ذمے جو بھی کام لگایا اس نے چراغی جن کے مانند میرے ہر حکم کی تعمیل کی تھی۔ اسے وکیل بننے کا شوق تھا۔ اس میں ایک جاسوس' ایک سیکریٹ ایجنٹ کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔

استغاثہ کی جانب سے مقتولہ ہما کی ماں رئیسہ بیگم گواہی کے لیے پیش ہوئی۔ رئیسہ بیگم کو روز اول ہی سے ملزم عاطف سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ ہما کی شادی اپنی آپا نفیسہ بیگم کے بیٹے نوید صدیقی سے کرنا چاہتی تھی' لیکن یہ کام ہما اور اس کے باپ خاور حمید کی ضد کے باعث ہو نہیں سکا تھا۔ رئیسہ بیگم کو اپنی شکست کا گہرا ملال تھا' لہٰذا اس نے ملزم کے خلاف منہ بھر کر زہر اگلا۔ اس کے بیان کے الفاظ آگ کے گولوں کے مانند تھے تاہم اس کے اندر کام کی بات کوئی نہیں تھی لہٰذا میں نے مختصر سی جرح کے بعد اسے فارغ کر دیا۔

رئیسہ بیگم کے بعد استغاثہ کے سب سے اہم گواہ نور علی کی حیثیت عینی شاہد کی تھی اور استغاثہ اس گواہ پر بہت زیادہ انحصار کر رہا تھا۔ جب میں عاطف کی ضمانت کے لیے زور مار رہا تھا تو وکیل استغاثہ نے اس عینی شاہد کا بطور خاص ذکر کیا تھا۔ بعدازاں انکوائری آفیسر نے بھی اس عینی شاہد پر بہت زور دیا تھا۔

نورعلی کی عمر تیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ اپنے نام کے بالکل برعکس توے کے مانند سیاہ رنگت کا مالک تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی آنکھوں کے اندر ایک مستقل نوعیت کی ہلکی سی سرخی بھی پائی جاتی تھی۔ کالے رنگ پر سرخ آنکھیں ایک خوف ناک تاثر پیدا کرتی تھیں۔

وکیل استغاثہ نے اپنے گواہ پر مختصری جرح کی پھر میں جج کی اجازت حاصل کر کے اس کے پاس چلا گیا۔ میں نے ہاشم انور کو جن افراد کے بارے میں خاص نوعیت کی معلومات جمع کرنے کی ذمے داری سونپی تھی ان میں ایک شخص یہ نورعلی بھی تھا۔

"نورعلی صاحب!" میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک ریکروٹنگ ایجنٹ کے پاس کام کرتے ہیں جس کا نام نوشاد عادل ہے۔"

"جی ہاں' آپ کی معلومات درست ہیں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

"نوشاد عادل کا آفس ٹاور کے علاقے میں ہے۔" میں نے کہا۔ "اور وہ روزگار کے سلسلے میں لوگوں کو مڈل ایسٹ کے ممالک میں بھجوانے کا کام کرتا ہے۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"نورعلی صاحب!" میں نے بڑے دھیمے انداز میں سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "نوشاد عادل آپ کو کتنی تنخواہ دیتے ہیں۔"

"دو ہزار روپے......" اس نے جواب دیا۔

"گویا آپ کی آمدنی دو ہزار روپے ماہانہ ہے؟"

"نن......نہیں......" وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میری آمدنی اڑھائی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔"

"کوئی آپ کے کام میں اوپر کی کمائی بھی ہے۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔ "آپ پانچ چھ سو تنخواہ کے علاوہ بھی کما لیتے ہیں؟"

"آپ اسے اوپر کی کمائی نہیں کہہ سکتے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "یہ کمیشن کا معاملہ ہے' عادل صاحب بعض کیسوں پر مجھے کمیشن دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ہم اوپر کی آمدنی کو کمیشن کا نام دے لیتے ہیں۔" میں نے مصالحت آمیز انداز میں کہا۔ "گویا آپ ایک ماہ میں لگ بھگ اڑھائی ہزار روپے کما لیتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ آمدنی ہو جاتی ہے۔"

"ایک' دو سو اوپر بھی ہو جاتے ہیں۔" وہ سادگی سے بولا۔

میں زیر سماعت کیس کے موضوع کی مناسبت سے انتہائی غیر متعلقہ سوالات کر رہا تھا اور یہ بات گواہ کو ذہنی طور پر الجھا بھی رہی تھی تاہم اس نے یا وکیل استغاثہ نے کوئی سوال یا اعتراض نہیں کیا۔

"نورعلی صاحب! میں فرض کر لیتا ہوں کہ آپ کی ماہانہ آمدنی زیادہ سے زیادہ تین ہزار ہوگی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس سے زیادہ تو ممکن ہی نہیں۔"

"آپ کی فیملی میں کل کتنے افراد ہیں؟"

"چار......" اس نے جواب دیا۔ "دو ہم میاں بیوی اور دو ہمارے بچے۔"

"آپ اپنی فیملی کے واحد کفیل ہیں یا کوئی اور بھی معاشی طور پر آپ کی مدد کرتا ہے؟" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں جناب! ہمارا کوئی مددگار نہیں۔" وہ دوٹوک انداز بولا۔ "میں ہی اول آخر اپنے گھر کو چلاتا ہوں۔"

"آپ جس فلیٹ میں رہتے ہیں کیا وہ آپ کی ذاتی ملکیت ہے؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "دو اڑھائی ہزار کمانے والا انسان کراچی میں اپنا فلیٹ بھلا کیسے خرید سکتا ہے؟"

"گویا آپ کرائے کے فلیٹ میں رہتے ہیں......؟"

"جی ہاں......یہی حقیقت ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"نورعلی صاحب!" میں نے سوالات کے زاویے کو اچانک تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس کیس میں استغاثہ کی جانب سے عینی شاہد ہیں؟"

"جی ہاں' معلوم ہے۔" اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"عینی شاہد......یا آئی وٹنس کے معنی پتا ہیں آپ کو؟"

"جی ہاں......" اس نے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"نورعلی صاحب!" میں نے اپنے لہجے میں تیزی لاتے ہوئے کہا۔ "پوسٹ مارٹم

رپورٹ کے مطابق مقتولہ ہما کی موت سترہ اگست دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ اس کے سینے میں دو گولیاں اتاری گئی تھیں جو تیس بور کے بے آواز ریوالور سے چلائی گئی تھیں۔ جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئی تھی۔ واقعات کے مطابق اس کی لاش ڈرائنگ روم میں ایک صوفے کے اوپر پڑی ملی تھی۔ سترہ اگست ......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سترہ اگست کو سرکاری یا پرائیویٹ چھٹی کا دن نہیں تھا اور آپ اس کیس کے عینی شاہد یعنی آپ نے مقتول کا قتل اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ دو اور تین بجے کے درمیان جائے وقوعہ پر موجود تھے......"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"اس دن آپ اپنی نوکری پر نہیں گئے تھے؟"

"اس روز صبح ہی سے میری طبیعت خراب تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "اسی لیے میں نے چھٹی کر لی تھی۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ طبیعت خراب ہو تو چھٹی بھی کر لینا چاہئے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا' پھر پوچھا۔

"تو آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ یعنی ہما کا قتل ہوتے دیکھا تھا؟"

"جی...... جی ہاں......" وہ تھوڑا رک کر بولا۔

"مقتولہ کی لاش ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر پڑی ملی تھی۔" میں نے کہا۔ "آپ مقتولہ کے ڈرائنگ روم میں اس وقت کیا کر رہے تھے...... یہ نہ بھولیں کہ آپ اس کیس کے عینی شاہد ہیں......؟"

"میں درحقیقت مقتولہ کے ڈرائنگ روم میں موجود نہیں تھا۔" وہ بات کو نبھاتے ہوئے بولا۔ "میں نے واردات کا منظر دروازے میں سے دیکھا تھا۔"

"دروازے میں سے؟" میں نے اس کے الفاظ دہرائے۔ "ذرا وضاحت کریں گے نور علی صاحب؟"

"اس وقت لائٹ گئی ہوئی تھی اس لیے میں فلیٹ کے داخلی دروازے کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھا ہوا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس مقام سے مقتولہ کے ڈرائنگ روم

کا ایک حصہ نظر آتا ہے اور وہ صوفہ جس پر مقتولہ کی لاش پائی گئی وہ بھی دکھائی دیتا ہے۔"

"یہ تو اسی صورت ممکن ہے جب مقتولہ کے فلیٹ کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہو۔" میں نے کہا۔ "آپ دونوں کے فلیٹ آمنے سامنے ضرور ہیں' لیکن دروازہ بند ہونے کی صورت میں آپ اپنے سامنے والے فلیٹ کے اندر کیسے جھانک سکتے ہیں؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "پہلے مقتولہ کے فلیٹ کا دروازہ بند ہی تھا۔ لگ بھگ اڑھائی بجے ملزم اپنے گھر آیا تو میں نے دروازے کو کھلتے ہوئے دیکھا۔ ملزم اپنے فلیٹ میں داخل ہو گیا' لیکن دروازہ مکمل طور پر بند کرنا بھول گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے ان میاں بیوی کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے اس طرف دیکھا تو مقتولہ مجھے صوفے پر بیٹھی نظر آئی۔ ملزم اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ ان دونوں میں کسی بات پر تکرار ہو رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ملزم نے ریوالور سے دو گولیاں چلائیں۔ اگرچہ اس سے فائرنگ کی آواز پیدا نہیں ہوئی' لیکن میں نے مقتولہ کی ہلکی سی چیخ سنی اور اسے صوفے پر ایک جانب جھکتے ہوئے دیکھا۔ یہ منظر دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا اور میں نے فوراً اپنا دوازہ بند کر دیا......"

"پھر آپ نے اپنی بیوی کو تو اس واقعے کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں جناب! میری بیوی اور بچے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔" وہ چالاکی سے بولا۔ "گرمیوں کی چھٹیاں گزار کر آئیں گے۔ اس وقت میں گھر میں اکیلا ہی تھا۔"

"نور علی صاحب گرمیوں کی چھٹیاں دو ہفتے پہلے ختم ہو چکیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت کراچی کے تمام سکول کھل چکے ہیں پھر آپ کے بیوی بچے گاؤں میں کیا کر رہے ہیں؟"

"بس جی انہیں دیر ہو گئی ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایک دو دن میں آنے ہی والے ہیں وہ......"

"نور علی صاحب! میری ریسرچ کے مطابق آپ کے بیوی بچے وقوعہ سے دو تین دن پہلے ہی گاؤں گئے ہیں یعنی اس وقت جب چھٹیوں کے بعد سکول کھل چکے تھے۔" میں نے کہا۔ "اور میں یہ بات ایسے ہی زبانی کلامی نہیں کہہ رہا بلکہ اسے ثابت بھی کر سکتا ہوں۔ آپ

جھوٹ بول کر اپنی جان نہیں بچا سکتے۔"

"میں اپنی جان کیوں بچاؤں گا۔ میں نے کون سا جرم کیا ہے؟" وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔"آپ کے پاس جو بھی ثبوت ہیں انہیں عدالت میں لے آئیں۔"

"وہ ثبوت تو میں بعد میں لے آؤں گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔"جو کچھ اس وقت میرے پاس ہے پہلے آپ اس سے تو نمٹ لیں......"

اس کی گھبراہٹ' پریشانی اور غصہ اس امر کا ثبوت تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

میں نے اسے کند چھری سے ذبح کرتے ہوئے پوچھا۔

"نور علی! آپ نے اڑھائی بجے اپنے سامنے والے فلیٹ میں قتل کی ایک واردات ہوتے دیکھی اور دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ گئے۔ کیا پڑوسی ہونے کے ناتے آپ کا فرض نہیں بنتا تھا کہ فوراً پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دیں؟"

"میں نے بتایا تو ہے کہ میں ڈر گیا تھا' خوف زدہ ہو گیا تھا" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔"اس روز صبح ہی سے میری طبیعت بھی بہت خراب تھی۔"

"اس وقت آپ کیا ڈرے ہوں گے جو میں اب آپ کو ڈرانے والا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جارحانہ لہجے میں کہا۔ میرے انداز میں ادب و احترام بھی اُمڈ آیا تھا۔"آپ جس فلیٹ میں رہ رہے ہیں اس کا کرایہ کتنا ہے؟"

"کک......کرا......یہ......!" وہ شکستہ آواز میں بولا۔

"ہاں میں نے کرایہ ہی پوچھا ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔"سولجر بازار کی ایک صاف ستھری عمارت میں شفٹ ہوئے ابھی آپ کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ وقوعہ سے ایک آدھ ماہ پہلے ہی آپ نے وہاں رہائش اختیار کی ہے۔ اس سے پہلے آپ کھارادر کے ایک تنگ و تاریک گھر میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

میری معلومات کے مطابق آپ کے موجودہ فلیٹ کا کرایہ دو ہزار روپے ماہوار ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں......؟"

"تمہاری ماہانہ آمدنی زیادہ سے زیادہ تین ہزار ہے۔" میں نے نفرت آمیز نظر سے اسے گھورا۔"اس اماؤنٹ میں تم دو ہزار کرایہ ادا کرنے کے بعد کس طرح اپنے بیوی بچوں کو پال رہے ہو...... مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ اس فلیٹ کو کرائے پر حاصل کرنے کے لیے بیس ہزار

ایڈوانس بھی دیا گیا ہے جبکہ تم معزز عدالت کے روبرو تھوڑی دیر پہلے اس حقیقت کا اقرار کر چکے ہو کہ تمہارا کوئی سپورٹر نہیں ہے۔ تم خود ہی اپنے گھر کو چلاتے ہو......وہ بیس ہزار روپے تمہیں کس نے دیئے؟ اور اڑھائی ہزار روپے کمانے کے بعد تم دو ہزار پر کرائے کا فلیٹ کس طرح افورڈ کر رہے ہو......؟ اور تم نے وقوعہ سے اپنی فیملی کو چند روز پہلے کیوں گاؤں روانہ کر دیا تھا......؟ تمہارے چہرے پر پسینا کیوں چمک رہا ہے......تمہاری آنکھوں میں وحشت کیوں ہلکورے لے رہی ہے؟......تمہاری ٹانگیں کیوں کپکپا رہی ہیں......؟ اور تم دھڑام سے کٹہرے کے فرش پر کیوں گرنے والے ہو......؟"

ادھر میری بات ختم ہوئی' ادھر استغاثہ کا سب سے معزز گواہ......عینی گواہ......تیورا کر کٹہرے کے فرش پر گرا اور بے ہوش گیا۔

عدالت میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

◈◇◈

پچھلی پیشی کے اختتام پر عدالت کے کمرے میں جو حالات پیش آئے تھے ان سے صورت حال روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی۔ عدالت نے جب نور علی کو پولیس کے حوالے کیا اور پولیس نے اس کی گھسائی ٹھکائی کی تو اس کی زبان کسی برساتی نالے کی مانند رواں ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے گرو شریک جرم نوید صدیقی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ نوید صدیقی' ہما (مقتولہ) کا کزن اور امیدوار تھا۔ اس نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے نور علی سے کام لیا تھا اور وہی نور علی کا فنانشل سپورٹر بھی تھا۔ نوید صدیقی کے ایما پر نور علی نے ہما کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ یہ ایک ایسی پیش رفت تھی کہ پس منظر پیش منظر بن گیا تھا۔

پولیس نے نور علی اور نوید صدیقی کے خلاف نیا چالان تیار کر کے عدالت میں دائر کر دیا اور آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل عاطف کو باعزت بری کر دیا۔

◈◇◈

دائمی نجات

موسم کے تیور صبح ہی سے خاصے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ آسمان گویا آگ برسا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا' سورج سوا نیزے پر اتر آیا ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے ماہ مئی کو اتنا جھلسا دینے والا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں عدالتی معروفیات کو نمٹانے کے بعد اپنے آفس پہنچا تو میری سیکرٹری شبانہ نے انٹرکام پر بتایا۔

"سر! مسز فرزانہ کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کیا تم اس خاتون کا ذکر کر رہی ہو جو ویٹنگ روم میں بیٹھی ہیں؟"

"جی سر...... وہی۔" شبانہ نے جلدی سے اثبات میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ "انہیں میرے پاس بھیج دو......"

جب میں اپنے آفس میں داخل ہوا تھا تو چیمبر کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے ایک خاتون کو انتظار گاہ میں بیٹھے دیکھا تھا۔ یقیناً یہی خاتون مسز فرزانہ تھیں۔

کسی سیانے نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ موت اور گاہک کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ یہ کسی وقت اور کہیں سے بھی وارد ہو سکتے ہیں۔ سو میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے کلائنٹس کا بھی کوئی بھروسا نہیں تھا۔ کبھی تو ویٹنگ روم میں بقول کے تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی' کبھی اکا دکا کلائنٹس بیٹھے دکھائی دیتے تھے اور کبھی یہی انتظار گاہ بھائیں بھائیں کرتی نظر آتی۔ بہرحال' کلائنٹ' گاہک اور مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اور خدا کب' کس پر' کتنا مہربان ہو جائے اس بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد فرزانہ نامی وہ عورت میرے سامنے موجود تھی۔

میں نے اس کی عمر کا اندازہ تیس کے آس پاس قائم کیا۔ وہ متناسب بدن کی مالک ایک دراز قامت عورت تھی۔ اسے انتہائی خوب صورت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بہرحال' وہ مناسب خدوخال کی مالک اور خوش شکل عورت تھی۔ وہ خاصی پریشان نظر آتی تھی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور خالصتاً پیشہ ورانہ لہجے میں پوچھا۔ "جی فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرا نام فرزانہ ہے۔" وہ اضطراری لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بولی۔ "آپ کس قسم کے وکیل ہیں؟"

اس کا یہ سوال مجھے بڑا عجیب سا لگا تاہم میرے تجربے میں یہ آیا تھا کہ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا کلائنٹ کسی وقت کوئی بھی سوال کر سکتا تھا اور اس کی پریشانی یا ضرورت کے پیش نظر آپ کو اس کے سوال کا کوئی نہ کوئی جواب بھی لازماً دینا پڑتا ہے۔ سو میں نے مسز فرزانہ کے استفسار کے جواب میں الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

"آپ کی نظر میں وکلا کی کتنی اقسام ہوتی ہیں......"

میرے لہجے کی سنجیدگی کے پیش نظر وہ جھینپ گئی' جلدی سے صورت حال کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"جی...... وہ میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کس قسم کے کیس ڈیل کرتے ہیں؟"

"ہر قسم کے......!" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا "آپ کو کس قسم کا کیس کروانا ہے؟"

"نجات کا کیس...... جان چھڑانے کا کیس۔" وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

"میں کچھ سمجھا نہیں فرزانہ صاحبہ!" میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کس سے جان چھڑانا چاہتی ہیں؟"

"عباسی سے!"

"کون عباسی......؟" اس نے جواب دیا۔

"مسعود عباسی۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ مسعود عباسی کی کیا ہیں؟" میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اور جان چھڑانے کے اسباب کیا ہیں......؟"

مسز فرزانہ نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں مجھے بتایا کہ مسعود عباسی اس کا شوہر تھا۔ ان دونوں کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور اس مختصر سے عرصے کے دوران میں فرزانہ کو مسعود عباسی سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ بات کے اختتام پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں عباسی سے طلاق لینا چاہتی ہوں......"

میں نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔ "گویا آپ مسعود عباسی سے خلع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"

"طلاق ہو یا خلع......" وہ بیزاری سے بولی۔ "ایک ہی بات ہے۔"

"ایک بات نہیں ہے فرزانہ صاحبہ!" میں نے اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں بڑا فرق ہے۔"

"مثلاً......کیا فرق ہے؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

"جب کوئی مرد اپنی شریک حیات سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اسے اپنی زندگی سے نکالنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے فیصلے کو "طلاق" کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی عورت اپنے شریکِ حیات سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو وہ عدالت کے ذریعے اپنے شوہر سے خلع کا مطالبہ کرتی ہے۔" میں نے لمحے بھر کو متوقف ہو کر ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں، آپ کا معاملہ خلع کا ہے......"

"جی آپ قانون کے ماہر ہیں۔ مجھ سے زیادہ ہی جانتے ہیں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس سے مطلب نہیں ہے کہ میرا کیس طلاق کے زمرے میں آتا ہے یا خلع کے خانے میں فٹ ہوتا ہے۔ میں تو بس اس کمینے عباسی سے نجات چاہتی ہوں۔"

"بے شک! آپ کا فوکس "نجات" پر ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن جب آپ مجھے اپنا وکیل مقرر کر رہی ہیں تو میرا یہ فرض بنتا ہے کہ خلع اور طلاق کے حوالے سے ایک اہم قانونی نکتے سے آپ کو آگاہ کر دوں۔"

وہ ہمہ تن گوش ہو کر سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے کہا۔ "جب کوئی عورت اپنے شوہر سے الگ ہونے کے لیے عدالت کے ذریعے خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے حق مہر اور بعض دوسری مراعات جو طلاق کی صورت میں

اسے حاصل ہوتی ہیں، ان سے محروم ہونا پڑتا ہے......"

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے......سوائے نجات کے!"

"آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟" میں نے پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے پوچھا۔

اس کی جانب سے جواب آیا۔ "لگ بھگ ڈیڑھ سال......"

"بچے وغیرہ......؟"

"اللہ کا شکر ہے وکیل صاحب......!" وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "عباسی سے ابھی تک میری کوئی اولاد نہیں ہے......"

انسان بھی بڑی عجیب و غریب مشین ہے۔ جب بے اولاد ہوتا ہے تو صاحب اولاد بننے کے لیے سو سو جتن کرتا ہے۔ ڈاکٹری علاج کے علاوہ پیروں فقیروں، ٹوٹکے بازوں اور طرح طرح کی راہیں بجھانے والوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مراد کے لیے منت، خوشامد اور التجائیں کرتا ہے اور کبھی......اس کی اولاد نہیں ہوتی تو وہ اپنی اس محرومی پر اللہ کا شکر ادا کرتا بھی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ فرزانہ کر رہی تھی۔ بہرحال، زندگی کی کہانی بھی کسی پہیلی کے مانند ہے۔ دعوے کے ساتھ کسی انسان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بس، اپنے اپنے عذاب کی بات ہے!

فرزانہ نے اولاد نہ ہونے کے سلسلے میں جو ترت اللہ کا شکر ادا کیا تھا تو اس خوش گوار بیزاری کے پیچھے اس کے وہ تلخ حالات تھے، جن سے چھٹکارے کے لیے وہ میرے پاس آئی تھی۔ میں نے اس کے جواب پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہ جانا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے ان حالات سے تفصیلاً آگاہ کریں جن کی روشنی میں آپ خلع حاصل کرنے پر مجبور ہوئی ہیں اور یہ مجبوری آپ کو میرے پاس لے آئی ہے......"

"حالات کی روشنی میں......نہ کہیں وکیل صاحب!" وہ قدرے ترش لہجے میں بولی۔ "میں جو کچھ بھی چاہ رہی ہوں، وہ میرے گھریلو حالات کی تاریکی میں ترتیب پایا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا "اب آپ اپنے انہی گھریلو حالات سے مجھے بھی آگاہ کر دیں۔"

اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور شروع ہو گئی......!

فرزانہ کی زبانی جو حالات مجھ تک پہنچے‘ میں ان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور دوران ساعت میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔

فرزانہ کا باپ اشفاق احمد لگ بھگ پانچ سال پہلے اس دنیا سے اُس دنیا میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کی موت حرکت قلب بند ہو جانے سے واقع ہوئی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست آفتاب حسین کے ساتھ مل کر پراپرٹی کا بزنس کرتا تھا۔ پارٹنر آفتاب نے نہایت ہی صفائی کے ساتھ اسے دھوکا دیا اور کم وبیش آٹھ لاکھ کی رقم خورد برد کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ آج سے چالیس سال پہلے آٹھ لاکھ بہت بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ آپ آج کل کے لگ بھگ ایک کروڑ روپے سمجھ لیں۔ اشفاق یہ جھٹکا برداشت نہ کر سکا اور دل کی دغا پر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔

◈◇◈

فرزانہ اپنی والدہ اور بہن بھائی کے ساتھ فیڈرل بی ایریا کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی (عباسی سے‘ اس کی شادی سے پہلے) جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ اس کے والد کا انتقال ہارٹ اٹیک سے ہوا تھا۔ فرزانہ سے چھوٹی ایک بہن ندرت اور ایک بھائی عرفان تھا۔ عرفان اس وقت میٹرک میں تھا۔ ندرت نے پچھلے سال اپنا گریجویشن مکمل کر لیا تھا اور اب ایک پرائیویٹ کمپنی میں بطور ٹائپسٹ جاب کر رہی تھی۔

جب تک اشفاق احمد زندہ تھا‘ گھر کے کسی فرد کو روزگار کے سلسلے میں پریشان ہونے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ پراپرٹی کا کام ماشاء اللہ ایسی خوبی کے ساتھ چل رہا تھا کہ گھر میں کوئی مالی مسئلہ نہیں تھا۔ اسی پراپرٹی کے بزنس سے اس نے اپنا ذاتی گھر بھی بنا لیا تھا۔

اشفاق کے انتقال کے بعد فرزانہ کی والدہ روحی بانو کو فکر ہوئی کہ اب گھر کا معاشی نظام کیسے چلے گا۔ اشفاق نے جس آفس میں پراپرٹی کا بزنس جما رکھا تھا وہ کرائے کا تھا۔ بس‘ وہاں کا فرنیچر وغیرہ اشفاق کی ذاتی ملکیت تھا۔ آفتاب نقدی کی صورت میں سب کچھ سمیٹ کر فرار ہو چکا تھا۔ اس ”لٹی پٹی“ دکان کو چلانا روحی بانو کے بس میں تھا اور نہ فرزانہ کو اس کام کا کوئی کا تجربہ تھا لہٰذا گھریلو معیشت کی گاڑی کو دھکا دینے کے لیے فرزانہ کو گھر سے باہر قدم رکھنا پڑتا۔ باہر تو وہ پہلے بھی آتی جاتی تھی‘ یہ اقدام روزگار کے حصول کی خاطر تھا۔

وہ ایم۔اے مکمل کر چکی تھی لہٰذا تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے ایک انشورنس کمپنی کے کلیم ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت مل گئی۔ مسعود عباسی سے اس کی پہلی ملاقات اسی کمپنی کے آفس میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کسی دوست کے کلیم کیس کے سلسلے میں انشورنس کمپنی کے مذکورہ دفتر کے چکر کاٹتا رہتا تھا۔ اس کا دوست چونکہ انگوٹھا ٹیک اور شہری ماحول سے قطعی نابلد تھا لہٰذا عباسی اس کی راہنمائی اور مدد کے لیے ساتھ چلا آتا تھا۔ اس شخص کو کلیم حل کرنے میں کتنا وقت لگا اور اس دوران میں کون کون سے مراحل سے گزرنا پڑا یہ ایک الگ داستان ہے اور اس کا زیرِ نظر کہانی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا لہٰذا میں اس کی تفصیل میں جائے بغیر اہم واقعات کی طرف آتا ہوں اور ان واقعات میں سب سے خاص نکتہ یہ تھا کہ پانچ چھ ماہ کے اس عرصے میں فرزانہ اور مسعود عباسی کے درمیان اچھی خاصی شناسائی پیدا ہو گئی تھی۔ عباسی نے مختلف مواقع پر تھوڑا تھوڑا کر کے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا اور ظاہر ہے‘ اگر بہت نہیں تو کم از کم فرزانہ نے بھی اسے اپنے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔

فرزانہ کے مطابق‘ مسعود عباسی محراب پور کا رہنے والا تھا۔ اس کی فیملی کے باقی تمام افراد ادھر محراب پور ہی میں تھے۔ وہ کراچی میں اکیلا تھا یعنی دوست تو بہت تھے مگر کوئی قریبی رشتے دار یہاں موجود نہیں تھا۔ بقول عباسی‘ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک وکیل تھا اور طارق روڈ کے کمرشل ایریا میں کرائے کے ایک فلیٹ میں اس کی رہائش تھی۔

فرزانہ نے مجھے بتایا کہ اس دوران میں عباسی دو تین مرتبہ اس کے گھر بھی آیا تھا اور اپنی باتوں سے اس نے روحی بانو پر ایسا جادو کیا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے بس‘ اسی کا نام پکارنے لگی تھی۔ اس نوعیت کے تعلقات کا بالآخر جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے‘ فرزانہ کے سلسلے میں بھی بالکل ویسا ہی ہوا۔ جب عباسی نے دیکھا کہ اس گھر میں اس کی خوب آؤ بھگت ہونے لگی ہے اور سب اس کی بات کو اہمیت دیتے ہیں تو اس نے اپنے من کی بات روحی بانو کے سامنے رکھ دی۔

”آنٹی......!“ ایک روز تنہائی میں اس نے روحی بانو سے کہا۔ ”آپ مجھے اپنا بیٹا بنا لیں......“

یہ کوئی ایسی پیچیدہ ”فرمائش“ نہیں تھی کہ روحی بانو کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل کو امریکن بادام کھلانا پڑتے۔ وہ عباسی کی خواہش کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ گئی تھی۔ اسے عباسی میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ وہ عمر میں فرزانہ سے کم وبیش دس سال بڑا تھا اور

یہ کوئی عیب نہیں تھا۔ علاوہ ازیں' وہ ایک پڑھا لکھا اور برسرروزگار شخص تھا۔ روحی بانو ایک ماں تھی اور اپنے فرائض کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اشفاق احمد کے انتقال کے بعد اسے ایک ماں ہی نہیں بلکہ باپ بن کر بھی اپنی اولاد کے معاملات کو دیکھنا تھا۔ اسے سب سے زیادہ فکر بیٹیوں کی شادی کی تھی۔ عرفان کے بارے میں تو وہ کہا کرتی تھی' یہ مرد ہے۔ میں زندہ نہ بھی رہی تو یہ خود ہی اپنی شادی کے معاملے کو دیکھ لے گا۔ بس' میری خواہش ہے کہ آنکھ بند ہونے سے پہلے میں فرزانہ اور ندرت کو ان کے گھر کر دوں۔

"عباسی صاحب!" روحی بانو نے مسعود عباسی کی بات کے جواب میں کہا۔ "مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔"

"آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں ......" وہ جلدی سے بولا۔ "پھر سوچنے والی کون سی بات ہے؟"

"یہ ٹھیک ہے کہ آپ میرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں۔" روحی بانو نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن پھر بھی سوچنے اور سمجھنے والی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔"

"مثلاً ......؟" عباسی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

روحی بانو نے کہا۔ "مثلاً ...... سب سے پہلے تو مجھے فرزانہ کی مرضی معلوم کرنا ہے۔ پھر آپ کے گھر والوں کی رضامندی اور شمولیت کو بھی یقینی بنانا ضروری ہے......!"

"ہوں!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہیں نا......؟"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" روحی بانو نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "لیکن میں نے جن امور کا ذکر کیا ہے وہ بھی بہت ضروری ہیں۔"

"میرے لیے تسلی کی بات یہ ہے کہ آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔" وہ ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "باقی سب معاملات سے میں بہ خوبی نمٹ لوں گا اور ...... مجھے یہ بھی یقین ہے کہ فرزانہ کو رضامند کرنے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

"یہ ٹھیک ہے" روحی بانو نے ایک اہم نکتہ اٹھایا۔ "کیا آپ کے گھر والے اس شادی کے لیے تیار ہو جائیں گے؟"

"محراب پور والا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "اپنے گھر والوں کو راضی کرنا میری ذمے داری ہے۔"

"اچھی بات ہے!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اگر تمام معاملات بہ خیر و خوبی طے پا جاتے ہیں تو پھر بھی میری دو شرائط ہوں گی......!"

"شرائط...... کیسی شرائط؟" عباسی نے الجھن زدہ نظر سے روحی بانو کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "میری پہلی شرط تو یہ ہے کہ شادی کے بعد فرزانہ کراچی ہی میں رہے گی۔ میرا مطلب ہے' آپ دونوں کو کراچی ہی میں رہائش اختیار کرنا ہو گی۔ محراب پور آنے جانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن مستقلاً وہاں ڈیرا لگانے کے حق میں نہیں ہوں میں۔"

"میری اپنی بھی یہی خواہش ہے کہ شادی کے بعد کراچی ہی میں زندگی گزاروں۔" وہ روحی بانو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "لہٰذا آپ کو اس سلسلے میں تو فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا' ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"اب آپ دوسری شرط بھی بتا دیں؟"

"دوسری شرط ......" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "یہ ہے کہ شادی کے بعد فرزانہ جاب نہیں کرے گی!"

"ہوں......!" اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ "اس بات کا فیصلہ ہم فرزانہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اس کی مرضی ہو گی تو جاب جاری رکھے گی اور اگر دل نہیں چاہے گا تو چھوڑ دے گی......"

آئندہ ایک ماہ تک عباسی اور گھر کے دیگر افراد کے بیچ مختلف قسم کے مذاکرات کا سلسلہ چلتا رہا' پھر سب کچھ طے پا گیا ...... یہ طے ہو گیا کہ فرزانہ اور عباسی کی شادی ہو رہی ہے۔ فرزانہ اور روحی بانو کی رضامندی ہی کافی تھی۔ ندرت اور عرفان تو ہر معاملے میں ان کے ساتھ تھے۔ بالکل آخری مرحلے پر روحی بانو نے عباسی سے پوچھا۔

"آپ کے گھر والوں کی' شادی میں شرکت کس طرح ہو گی؟"

"پورا خاندان تو کراچی نہیں آسکے گا۔" عباسی نے جواب دیا۔ "میں اپنے والدین کو اور

چند قریبی رشتے داروں کو یہاں بلالوں گا۔"

روحی بانو' عباسی کی تجویز سے مطمئن ہو گئی حالانکہ اصولی طور پر اسے ان حالات سے مطمئن ہونا چاہیے تھا۔ وہ عباسی کے خاندان والوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ ان میں سے کسی ایک فرد سے بھی کبھی نہیں ملی تھی۔ شادی بیاہ کا معاملہ کوئی ہنسی کھیل نہیں ہوتا۔ کم از کم شادی کی بات پکی کرنے سے پہلے عباسی کے والدین سے ایک دو ملاقاتیں کرنا بہت ضروری تھا لیکن روحی بانو نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ عباسی نے جو بھی کہا' اس نے آنکھیں بند کر کے بھروسا کر لیا تھا۔۔ یہی حال فرزانہ کا بھی تھا......!

طے شدہ پروگرام کے مطابق' فرزانہ اور عباسی کی شادی ہو گئی۔ عباسی کی طرف سے اندرون سندھ کے آٹھ دس خواتین و حضرات بھی اس شادی میں' عباسی کے قریبی رشتے داروں کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ سب کچھ امن و سکون سے انجام پایا اور فرزانہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر عباسی کے فلیٹ پر پہنچ گئی۔ اندرون سندھ سے آنے والے لوگ اسی روز واپس چلے گئے تھے۔ یہ حقیقت بہت بعد میں کھلی کہ وہ لوگ اندرون سندھ سے آئے تھے اور نہ ہی ان کی عباسی سے کسی قسم کی رشتے داری تھی۔

یہ تمام افراد کراچی کے رہائشی تھے جنہیں وہ خانہ پُری کے لیے پکڑ لایا تھا۔ ان کا شمار عباسی کے جان پہچان والے لوگوں میں ہوتا تھا۔ جب یہ راز سامنے آیا' اس وقت تک پلوں کے نیچے اور اوپر سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔

یہ شادی کے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ فرزانہ نے اپنے آفس سے ایک ماہ کی چھٹی لے رکھی تھی جو اب ختم ہو گئی تھی۔ اس ایک ماہ کے دوران میں فرزانہ نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ آفس جا کر اس جاب کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دے گی لہٰذا جب عباسی نے اس سے ڈیوٹی کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"کام آپ کرو گے اور میں صرف گھر سنبھالوں گی......!"

"ٹھیک ہے' مجھے تمہارے اس فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں لیکن ......!"

"لیکن یہ کہ......" وہ بڑے محتاط الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اگر تم اس جاب کو جاری رکھتیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ ہمارے گھر میں ایسے کون سے بکھیڑے ہیں جو تمہیں سنبھالنا پڑ رہے ہیں ......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا' ایک گہری سانس

خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"نہ ساس سسر ہیں' نہ دیور اور نندیں اور نہ ہی ابھی ہمارے بچے ہوئے ہیں جن کی خاطر تمہیں گھر کو وقت دینا پڑتا ہو......"

"اگر ابھی ہمارے بچے نہیں ہیں تو آخر ایک دن وہ ہو بھی جائیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔ "لیکن مجھے تم سے ایک شکایت ہے عباسی!"

"کیسی شکایت؟" عباسی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہماری شادی کو ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک مجھے محراب پور لے کر گئے ہو اور نہ ہی میری سسرال میں سے کوئی یہاں آیا ہے۔ یہ کچھ عجیب سی بات نہیں ہے؟" فرزانہ نے تیکھے انداز میں کہا۔ "ہماری شادی کے موقعے پر آپ کی طرف سے جو لوگ شریک ہوئے تھے' میں تو اب ان کی شکلیں بھی بھول گئی ہوں۔ اس دن کے بعد سے تو انہوں نے کبھی پلٹ کر ہماری خبر ہی نہیں لی۔ مجھے اپنے سسرالی رشتے داروں کے بارے میں پتا تو ہونا چاہیے نا......!"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں نے کسی خاص وجہ سے تمہیں اپنے گھر والوں سے دور رکھا ہوا ہے......"

"کہیں تمہارا اشارہ امی کی شرط کی طرف تو نہیں ہے......" فرزانہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے عباسی کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا۔ "وہ تو انہوں نے مستقل طور پر کراچی میں رہائش اختیار کرنے کی شرط لگائی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں تو نہیں تھا کہ آپ مجھے کبھی محراب پور لے کر ہی نہیں جائیں گے یا آپ کے گھر والوں میں سے کوئی یہاں نہیں آئے گا؟"

"ہوں......" وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"تو پھر ہم کب چل رہے ہیں محراب پور؟" فرزانہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں نے تو جاب چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کر ہی لیا ہے اور تمہارے ساتھ نوکری والا کوئی بکھیڑا ہی نہیں۔ کیسوں کی تاریخیں آگے پیچھے کر کے دو چار دن کے لیے محراب پور جانے کا پروگرام بنا لو نا......!"

"فرزانہ! یہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو......!"

"کیوں ......" وہ تعجب خیز لہجے میں مستفسر ہوئی۔ "آخر مجھے بھی تو پتا چلے کہ ہمارے

محراب پور جانے میں ایسی کون سی رکاوٹ حائل ہے......؟"

"میں بتادوں گا......"

"کب؟"

"بہت جلد......" عباسی جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے' کوئی بات ہے ضرور۔" وہ ٹٹولنے والے انداز میں بولی۔ "جبھی تم نے کہا ہے کہ بعد میں بتاؤں گا؟"

"ہاں......ایسا ہی سمجھ لو۔" وہ گول مول انداز میں بولا۔

"اگر کوئی بات ہے تو ابھی بتانے میں کیا حرج ہے؟" فرزانہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔ "تمہیں بتانا پڑے گا عباسی۔ آج میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی......"

جب عباسی نے دیکھا کہ وہ کسی بھی طور ٹلنے والی نہیں تو گہری سنجیدگی سے بولا۔ "دیکھو فرزانہ! اگر میں تمہیں محراب پور لے گیا یا وہاں سے میرے گھر والے یہاں آنے لگے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"گڑبڑ......کیسی گڑبڑ؟" فرزانہ نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے گھر والے ہماری شادی میں تو شریک تھے پھر ان کی آمد سے گڑبڑ کیوں ہو گی......؟"

"وہ بات یہ ہے فرزانہ کہ......" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تم سے اور تمہارے گھر والوں سے ایک بہت بڑی حقیقت چھپائی تھی۔ اگر ہم محراب پور گئے یا وہ لوگ یہاں آئے تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی......"

"مگر تمہارے گھر والے تو ہماری شادی میں شرکت کر کے جا چکے ہیں......" فرزانہ نے الجھن بھری نظروں سے عباسی کی طرف دیکھا۔ "اب ان کے آنے میں کیا قباحت ہے؟"

"وہ لوگ میرے گھر والے اور دیگر رشتے دار نہیں تھے......!" عباسی نے انکشاف انگیز انداز میں کہا۔

"گھر والے نہیں تھے......؟ فرزانہ چونک اٹھی اور اس سے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "پھر وہ لوگ کون تھے' جنہوں نے تمہارے گھر والوں کی حیثیت سے ہماری شادی میں شرکت کی تھی؟"

"وہ یہیں......کراچی کے رہنے والے تھے۔" عباسی نے خفت آمیز انداز میں بتایا۔

"میرے دوست احباب اور جاننے والے جو میری درخواست پر' ہماری شادی میں شریک ہوئے تھے تاکہ تمام معاملات بہ خیر و خوبی انجام پا جائیں......"

فرزانہ کو عباسی کی باتوں میں کسی سازش کی بو محسوس ہوئی۔ اس نے قدرے سخت لہجے میں استفسار کیا۔

"تم نے اتنا بڑا دھوکا کیوں کیا عباسی؟" اس کا لہجہ احتجاج سے معمور تھا۔

"یہ میری مجبوری تھی فرزانہ......!"

"کیسی مجبوری؟"

"میں اپنے گھر والوں کو کسی بھی قیمت پر اس شادی میں شامل نہیں کر سکتا تھا۔" وہ بڑی ڈھٹائی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور ان کی شمولیت کے بعد تمہاری امی اس شادی کے لیے تیار نہ ہوتیں اس لیے...... اس لیے مجھے چند جاننے والے لوگوں کی مدد سے وہ ڈراما رچانا پڑا تھا۔"

"یہ سب فضول باتیں ایک طرف رکھ دو۔" وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "تم مجھے اتنا بتاؤ کہ تمہاری ایسی کون سی مجبوری تھی کہ تم اپنی شادی میں گھر والوں کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے؟" وہ سانس درست کرنے کے لیے لمحے بھر کو تھمی پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اور......وہ کون سی حقیقت ہے جو تم نے مجھ سے اور میرے گھر والوں سے چھپائی تھی؟"

"میں......میں پہلے سے شادی شدہ تھا......" عباسی نے گویا ایٹم بم کا دھماکہ کیا۔

"کیا......؟" فرزانہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"ہاں...... یہ سچ ہے فرزانہ!" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ "سلمیٰ کو میں بالکل پسند نہیں کرتا۔ والدین نے زبردستی اس سے میری شادی کرا دی تھی۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں' میں نے......"

"سچی محبت کرنے والے کبھی دھوکا نہیں دیتے' جھوٹ نہیں بولتے......" وہ درشت لہجے میں بولی۔ "تم نے حقائق چھپا کر مجھ سے اور میری فیملی سے ایک بہت بڑا فراڈ کیا ہے۔ یہ ناقابلِ معافی جرم ہے عباسی!"

"میں مانتا ہوں' مجھ سے غلطی ہوئی۔" وہ ندامت آمیز انداز میں بولا۔ "اگر میں یہ غلطی

نہ کرتا تو تمہیں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ تم ہی بتاؤ ......" وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر سوالیہ نظروں سے فرزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم ہی بتاؤ' اگر میں تمہیں اور تمہاری امی کو اپنے شادی شدہ ہونے کے بارے میں بتا دیتا تو تم لوگ اس شادی کے لیے راضی ہو جاتے؟ یقیناً تمہارا جواب یہی ہوگا کہ...... نہیں!"

"حقیقت بیانی کے بعد میرا اور میرے گھر والوں کا کیا ردعمل ہوتا یہ ایک الگ معاملہ ہے۔" فرزانہ نے خفگی آمیز انداز میں کہا۔ "لیکن اس وقت یہ انکشاف میرے لیے کتنا تکلیف دہ ثابت ہو رہا ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے عباسی۔ میں بہت دکھی ہوں......"

"مجھے تمہارے دکھ کا بہ خوبی اندازہ ہے فرزانہ۔" وہ بھرائی ہوئی آوز میں بولا۔ "لیکن میں نے جو کچھ بھی کیا وہ میری مجبوری تھی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اس عمل کی تلافی کروں گا۔ تمہیں مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"اس سلسلے میں تم بھلا کیا تلافی کرو گے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں کبھی تمہیں محراب پور نہیں لے کر جاؤں گا۔" وہ اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور نہ ہی کبھی سلمٰی اور علی کو یہاں لے کر آؤں گا۔ بس' میں خود ہی سال' چھ مہینے میں محراب پور کا ایک چکر لگا لیا کروں گا۔ میں زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ تمہیں مجھ سے کبھی کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔"

فرزانہ نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کڑے لہجے میں پوچھا۔ "سلمٰی تو غالباً تمہاری پہلی بیوی کا نام ہے اور یہ علی کون ہے؟"

"علی میرا بیٹا ہے۔" عباسی نے بتایا۔ "اس کی عمر دس سال رہی ہوگی۔"

"تو کیا تمہاری کوئی اولاد بھی ہے؟" فرزانہ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں' علی میرا اکلوتا بیٹا ہے" عباسی نے اثبات میں جواب دیا۔ "انسان کی شادی اپنی پسند سے ہو یا گھر والوں کی مرضی سے لیکن شادی کے بعد میاں بیوی سے زیادہ اللہ کی مرضی چلتی ہے اور یہ جو اولاد ہوتی ہے نا' یہ اللہ کی مرضی سے ہو ہی جاتی ہے۔ آپ کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بعض میاں بیوی کو ایک دوسرے کی شکل سے شدید ترین نفرت ہوتی ہے' اس کے باوجود ہر سال کا ایک نیا کیلنڈر بھی آ رہا ہوتا ہے......"

"تم ان باتوں سے مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو عباسی!" فرزانہ نے دکھی لہجے میں

کہا۔ "میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ جب امی' ندرت اور عرفان کو اس بات کا پتہ چلے گا تو ان کے دل پر کیا بیتے گی......؟"

"انہیں کچھ بھی بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ......" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "اگر میری پہلی شادی والا راز ہم دونوں کے بیچ رہے تو اس میں خرابی والی کون سی بات ہے؟"

"خرابی والی بات یہ ہے کہ اگر امی کو بعد میں اس حقیقت کا پتا چلے گا تو وہ مجھ سے شاکی ہوں گی' میں اپنی نظر میں گر جاؤں گی......"

"تو پھر تم ایسا کرو کہ اپنے گھر والوں کو سب کچھ سچ سچ بتا دو......" مسعود عباسی نے بڑی بے پروائی سے کہا۔

"اس کا نتیجہ جانتے ہو عباسی؟"

"جانتا ہوں...... اسی لیے تو اس حقیقت کو چھپانے کی بات کر رہا ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "لیکن اگر میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تو تم اپنا شوق پورا کر کے دیکھ لو......"

عباسی کے اس دوٹوک انداز سے فرزانہ کو ایک دھچکا تو لگا لیکن چونکہ وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکی تھی اس لیے اس نے عباسی کے رویے کا زیادہ اثر نہیں لیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مجھے اس قسم کا کوئی شوق نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب میں اپنے گھر والوں کو اس ٹریجڈی کی خبر سنا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی۔ اگر یہ بات امی تک پہنچ گئی تو انہیں اتنا صدمہ ہو گا کہ...... کہ......"

عباسی نے اسے کندھوں سے تھام لیا اور گہری سنجیدگی سے بولا۔ "تم فکر نہ کرو فرزانہ! میں ہر دکھ پریشانی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اسے میری مجبوری سمجھ کر معاف کر دو۔ انشاء اللہ! میری طرف سے آئندہ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

یہ ایسی صورت حال تھی کہ فرزانہ نے بھی یہی سوچا' اس ایشو پر مٹی ڈال دیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ لہٰذا بات آئی گئی ہو گئی۔

آئندہ دنوں میں عباسی نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے جاب جاری رکھنے کے لیے کہا اور اس نے حسب پروگرام ٹال دیا لیکن جب عباسی کے اصرار میں کمی واقع نہ ہوئی تو اس نے پلٹ کر پوچھ لیا۔

''کیا آج کل پریکٹس ٹھیک نہیں چل رہی......؟''

''بس ٹھیک ہی سمجھ لو۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولا۔

عباسی نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ ایک وکیل ہے اور سٹی کورٹ میں پریکٹس کرتا ہے۔ وہ روزانہ صبح گھر سے نکل جاتا اور پھر رات کو واپس آتا۔ بعض کلائنٹس اس سے ملنے کے لیے گھر پر بھی آجایا کرتے تھے۔ ایسا محسوس تو نہیں ہوتا تھا کہ اس کی پریکٹس کم زور جا رہی ہوتاہم اس کے جواب کا مفہوم یہی نکلتا تھا۔

''ٹھیک ہے......'' فرزانہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اس سلسلے میں سوچ کر جواب دوں گی۔''

پتا نہیں کیوں' فرزانہ کو عباسی کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ اس بے یقینی کا بہ ظاہر کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بس' اس کے اندر سے ایک صدا اٹھ رہی تھی کہ عباسی غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ ان لمحات میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سٹی کورٹ جا کر عباسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ پتا چلایا جا سکے کہ اس کے مالی حالات واقعی آج کل دگرگوں تھے یا وہ کوئی نئی چکر بازی چلانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ فرزانہ کی نظر میں وہ اپنا اعتبار کھو بیٹھا تھا۔ فرزانہ نے اس کی غلط بیانی کو درگزر کر دیا تھا کیونکہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا مگر وہ عباسی کی طرف سے کھٹک گئی تھی۔ اب وہ اس پر اندھا اعتماد نہیں کر رہی تھی۔

آئندہ دس روز میں فرزانہ نے اپنے شوہر نام دار کے بارے میں جو تحقیق کی اس نے فرزانہ کی آنکھیں کھول دی تھیں اس نے نہایت ہی خفیہ انداز میں سٹی کورٹ جا کر عباسی کے بارے میں انتہائی رازداری سے معلومات حاصل کی تھیں اور گھر پر آنے والے افراد سے بھی مواقع پا کر پوچھ گچھ کی تھی۔ فرزانہ نے ماسٹرز کر رکھا تھا' علاوہ ازیں وہ ایک معروف انشورنس کمپنی کے کلیم ڈیپارٹمنٹ میں کام کر چکی تھی جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ ہوشیار اور سمجھ دار تھی لہٰذا اس تحقیق سے نتیجہ اخذ کرنے میں اسے کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی اور...... یہ نتیجہ

بہت ہی بھیانک' بہت ہی تکلیف دہ تھا......

عباسی سرے سے وکیل تھا ہی نہیں۔ اس نے قانون پڑھ رکھا تھا اور نہ ہی ایسی کسی ''چیز'' سے اس کا تعلق تھا۔ وہ درحقیقت مختلف وکلاء کے لیے ایک ایجنٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔ ایک ایسا ایجنٹ' جو اپنی چرب زبانی سے شکار (کلائنٹس) کو گھیر گھار کر وکیل تک پہنچاتا ہو۔ اس نوعیت کے کام کے دوران میں مختلف سرکاری محکموں میں اس نے مرتشی افسران سے بھی مراسم پیدا کر لیے تھے جن کے توسط سے وہ لوگوں کے کام بھی کروا دیا کرتا تھا۔ وہ تھوڑے بہت پیسے متعلقہ افسر کو کھلا دیتا اور باقی اپنی جیب میں۔ کسی کو چھوٹی موٹی جاب دلا دی' کسی کا بل پاس کروا دیا' کسی کی جعلی ڈگری بنوا دی' وغیرہ وغیرہ...... اس نوعیت کے کاموں میں اس کی اچھی خاصی پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے حلقے میں چکر باز اور فراڈیا بھی مشہور تھا۔

عباسی کوئی اعلیٰ سطح کا کام کرتا تھا یا نچلے درجے کے کاموں میں مصروف تھا' اس سے فرزانہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اسے اذیت اس بات سے پہنچی تھی کہ اس کا شوہر ایک دھوکے باز اور چیٹر کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اسی تحقیق کے دوران میں اسے یہ بھی سننے کو ملا کہ عباسی نے ایک خاص مقصد کے تحت اس سے شادی کی تھی۔ اس مقصد کا پہلا حصہ تو یہ تھا کہ جس ''لڑکی'' سے اس نے شادی کی تھی وہ ایک کارآمد محکمے میں جاب کرتی تھی۔ اپنی ''بیوی'' کے توسط سے وہ بہت سارے محکمہ جاتی کام بہ آسانی نکلوا سکتا تھا' علاوہ ازیں وہ آمدنی کا ذریعہ بھی تھی۔ فرزانہ کی اچھی خاصی سیلری تھی۔

اس کے مقصد کا دوسرا پہلو بڑا ٹیکنیکل تھا۔ وہ جس نوعیت کے کاموں میں ملوث تھا ان میں انسان کی ساکھ بڑا اہم کردار ادا کرتی تھی۔ لوگ اسے اپنے مختلف کاموں کے لیے پیسے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص گھر بار والا ہو تو لوگ اس پر آسانی سے بھروسا کر لیتے ہیں۔ اسے چھڑا چھانٹ دیکھ کر بعض لوگ بدک جاتے تھے لہٰذا فرزانہ سے شادی کر کے گھر بسانے کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگ اسے معتبر سمجھنے لگیں۔

اس رات فرزانہ اور عباسی میں شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا۔ فرزانہ نے پچھلے آٹھ دس روز میں جو ریسرچ کی تھی اس نے اس کے دل و دماغ کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے واضح طور پر محسوس ہونے لگا کہ عباسی سے شادی کا فیصلہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی...... ایک بھیانک غلطی۔

جب فرزانہ نے اس رات عباسی کو آئینہ دکھایا تو پہلے تو وہ آئیں' بائیں' شائیں کرنے لگا لیکن فرزانہ کوئی گاؤں دیہات کی لڑکی نہیں تھی جو اس کی لچھے دار باتوں سے مطمئن ہو جاتی۔ وہ ٹھوس دلائل کے ساتھ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔ جب عباسی اس کے سامنے لاجواب ہو گیا تو غصے اور جھنجلاہٹ میں اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور اس بحثم بحثی کے اختتام پر اس نے کہا۔

"جب تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو تو پھر فیصلہ بھی تمہی کو کرنا ہے۔ میں تو جیسا ہوں' ویسا ہی رہوں گا......!"

عباسی کی ڈھٹائی کو دیکھتے ہوئے وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔ "میں تم جیسے کردار کے شخص کے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی......"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" عباسی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں!" فرزانہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

فرزانہ کے استقلال کو دیکھتے ہوئے وہ قدرے نرمی سے بولا۔ "دیکھو! ہم میاں بیوی کی حیثیت سے ایک چھت کے نیچے رہ رہے ہیں۔ ہماری باقاعدہ شادی ہوئی ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ بلا سوچے سمجھے کرنا ٹھیک نہیں......"

"اب سوچنے اور سمجھنے کے لیے باقی بچا ہی کیا ہے عباسی!" وہ زخمی لہجے میں بولی۔

"جب میں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے تو تمہیں بھی اپنے ذہن میں تھوڑی گنجائش نکالنا چاہیے۔" عباسی نے منت ریز لہجے میں کہا۔ "میں خود کو سدھارنے کا وعدہ کر رہا ہوں نا......!"

عباسی کے التجائیہ انداز کو دیکھ کر فرزانہ کے دل میں تھوڑی نرمی پیدا ہو گئی۔ اس نے گہری نظروں سے عباسی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں تمہیں اپنے معاملات درست کرنے کا ایک موقع دیتی ہوں لیکن یہ آخری موقع ہو گا......"

"مجھے منظور ہے......!" وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

فرزانہ نے گھائل لہجے میں کہا۔ "عباسی! اگر تم کسی روڈ پر سبزی یا فروٹ کا ٹھیلا بھی لگاؤ گے تو میرے لیے شرمندگی کی بات نہیں ہو گی لیکن مارکیٹ میں تمہاری جو شہرت ہے وہ میرے لیے کسی بھی طور قابل قبول نہیں۔ میں کسی مفلس مزدور کے ساتھ تو زندگی گزار سکتی ہوں

لیکن کسی کماؤ فراڈیے شوہر کے ساتھ رہنا قطعاً گوارا نہیں......" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم میری بات سمجھ رہے ہو نا عباسی؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

آئندہ ایک ماہ خیر خیریت سے گزر گیا۔ فرزانہ کو یہی محسوس ہوا کہ عباسی سدھر گیا ہے لیکن اندر کا حال تو اللہ ہی جانتا تھا یا پھر عباسی کو خبر تھی۔ اس کی ساری زندگی جس نوعیت کی سرگرمیوں میں گزری تھی ان سے سردست کنارا کش ہو جانا تقریباً ناممکن ہی تھا۔ وہ بھی اپنے "کام" میں مصروف تھا' لیکن ہاتھ پاؤں بچا کر تا کہ فرزانہ کو اس کے کرتوت کا پتا نہ چل سکے۔ فرزانہ نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تھا تا کہ گھر کو اس کی سیلری سے معاشی تعاون حاصل رہے۔

کچھ عرصے تک یہ معاملات بڑی خوش اسلوبی سے نبھتے رہے لیکن ہمیشہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا لہٰذا جب عباسی کے "کارنامے" گاہے بہ گاہے فرزانہ کے سامنے آنے لگے تو گھر میں سخت نوعیت کی کشیدگی کی فضا قائم ہو گئی۔ اس دوران میں ان کی شادی کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ روز روز کے لڑائی جھگڑے نے فرزانہ کو اس ماحول کا عادی سا بنا دیا تھا اور اس نے ابھی تک اپنے گھر والوں کو عباسی کی پہلی شادی کے بارے میں بھی نہیں بتایا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی یا کوئی مصلحت لیکن ان کا معاملہ سرطان کے مرض کے مانند اندر ہی اندر توانا ہوتا چلا گیا اور لگ بھگ دو ماہ پہلے پتا چلا کہ یہ مرض تیسرے اسٹیج میں داخل ہو چکا ہے۔ ایک ایسا اندوہ ناک واقعہ پیش آیا جس نے فرزانہ کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

ایک شام جب عباسی گھر واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک موٹی تازی دیہاتن اور ایک اجڈ سا دس سال کا لڑکا بھی تھا۔ فرزانہ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ ان لوگوں کو دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ وہ سلمیٰ اور علی ہوں گے۔ بعدازاں اس کا یہ اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا جب عباسی نے کچھ اس انداز میں ان کا تعارف کرایا۔

"فرزانہ! یہ میری بیوی سلمیٰ ہے اور یہ......" اس نے لڑکے کی جانب اشارہ کیا۔ "علی ہے...... میرا اکلوتا بیٹا۔ میں نے سلمیٰ کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ لوگ کچھ دن یہاں رہیں گے پھر واپس محراب پور چلے جائیں گے۔"

فرزانہ یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ جب سلمٰی اس کی بیوی ہے تو اس کے چند دن یہاں رہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس نے عباسی سے پوچھا۔

"کیا تم ان لوگوں کو لینے کے لیے خود محراب پور گئے تھے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "محراب پور اتنا بھی نزدیک نہیں کہ میں دس بجے صبح گھر سے نکلوں اور وہاں سے ہو کر شام کو واپس بھی آ جاؤں۔ سلمٰی کا بھائی انہیں یہاں میرے پاس کورٹ پہنچا گیا تھا اور میں اپنے ساتھ گھر لے آیا ہوں۔"

فرزانہ عباسی کے جواب سے وقتی طور پر مطمئن تو ہوگئی لیکن بہت ساری باتیں اس کے ذہن کو بڑے تواتر کے ساتھ الجھا رہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ...... عباسی نے اپنی پہلی بیوی اور بیٹے کو اس کے بارے میں کیا سمجھایا تھا۔ اس احمق سلمٰی کی حرکات اور تاثرات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ فرزانہ کو اپنی سوکن سمجھ رہی ہے۔ وہ بڑے کروفر اور دھڑلے سے فلیٹ میں داخل ہوئی تھی اور اس کے کسی بھی انداز سے نہیں جھلکتا تھا کہ اسے عباسی کی دوسری شادی سے کوئی دکھ پہنچا ہو۔ اسی نوعیت کے اور بھی بہت سے امور تھے جو فرزانہ کی الجھن میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے۔ علی ایک انتہائی بدتمیز اور فضول قسم کا لڑکا تھا اور سلمٰی کی مثال اتنی من کی اس دھوبن ایسی تھی، جسے صرف کھانے اور سونے سے مطلب ہو۔ وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔

چند دن تو مہمان جان کر فرزانہ ان کے نخرے برداشت کرتی رہی لیکن پھر یہ سب کچھ اس کے اختیار سے باہر ہوگیا۔ اسے بڑے واضح انداز میں محسوس ہونے لگا کہ اس کی حیثیت اس گھر میں کسی نوکرانی سے زیادہ نہیں۔ وہ صبح آفس جاتی۔ سارا دن وہاں گزارنے کے بعد وہ واپس آتی تو گھر کا تمام تر سامان ادھر سے ادھر بکھرا نظر آتا۔ وہ گھر کا حلیہ درست کرتی پھر کچن کے کام میں مصروف ہو جاتی۔ صفائی ستھرائی اور کھانا پکانا سب اسی کے ذمے تھا۔ اس ناانصافی بلکہ ظلم پر جب اس نے عباسی سے شکایت کی تو اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"بھئی! یہ لوگ تو چند دن کے مہمان ہیں اور تمہیں ساری زندگی میرے ساتھ رہنا ہے۔ میں انہیں کچھ کہتے ہوئے اچھا تھوڑا ہی لگوں گا......!"

"اگر یہ مہمان ہیں تو پھر گھر میں تمیز دار مہمانوں ہی کی طرح رہیں، جنگلی پن کا مظاہرہ نہ کریں۔" فرزانہ نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ "میری مدد کرنے کے بجائے یہ لوگ میرے کام کو بڑھانے اور بگاڑنے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ کہاں کی شرافت ہے؟"

"تم تو جانتی ہو، یہ لوگ گاؤں کی زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔" عباسی نے سرسری انداز میں کہا۔ "اب میں انہیں شہری زندگی کے طور طریقے تو سکھانے سے رہا......!"

"یہ چیزیں سیکھنے سے نہیں آتیں عباسی!" وہ احتجاجی انداز میں بولی۔ "طریقہ اور سلیقہ تو انسان کے اندر سے اُمڈتا ہے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" وہ روکھے انداز میں بولا۔ "اگر تم ان لوگوں کی وجہ سے اتنی ہی تنگ آ گئی ہو تو ایک کام کرتے ہیں......!"

"کون سا کام؟" فرزانہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب تک یہ لوگ یہاں ہیں، تم اپنی امی کے گھر چلی جاؤ۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ "جب یہ لوگ واپس چلے جائیں گے تو تم اس گھر میں آ جانا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" فرزانہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ "میں گھر چھوڑ کر کیوں جاؤں......؟"

"اگر سلمٰی کو تمہاری وجہ سے کوئی شکایت ہوتی تو میں فوراً اسے گاؤں روانہ کر دیتا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "شکایت تو تمہیں ہے نا ان لوگوں سے لہٰذا تمہیں ہی جانا ہو گا......"

"میں کہیں نہیں جانے والی!" وہ اٹل انداز میں بولی۔ "یہ میرا گھر ہے اور میں یہیں پر رہوں گی۔"

"دونوں ایک چھت کے نیچے رہو گی تو آئے دن فساد بھی ہوتا رہے گا۔" عباسی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "یا تو میرا مشورہ مان کر اپنی امی کے گھر چلی جاؤ اور یا پھر ان لوگوں کو برداشت کرو۔"

"میں ان دونوں میں سے کوئی کام بھی نہیں کروں گی۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ "عباسی! تم مجھے اتنا کمزور مت سمجھو......!"

"کیا مطلب ہے تمہارا......!" وہ الجھن زدہ انداز میں فرزانہ کو تکنے لگا۔ "تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں جاؤں گی اور نہ ہی کسی کی بے ہودگی اور بدتمیزی برداشت کروں گی؟" فرزانہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے واضح کیا۔

"پھر تم کیا کرو گی؟"

"میں ڈٹ کر ان لوگوں کا مقابلہ کروں گی۔" وہ بڑے عزم سے بولی۔

"ٹھیک ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

آئندہ روز سے فرزانہ نے جس حکمت عملی کو اپنایا وہ دو روز بعد ہی اس کی جان کا عذاب بن گئی۔ اس نے گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ آفس سے نکلتے وقت کچھ نہ کچھ کھالیتی اور گھر آ کر تھکاوٹ کا بہانہ کر کے لیٹ جاتی۔ عباسی نے اس تبدیلی کو زیادہ محسوس نہ کیا لیکن دو روز بعد جب عباسی گھر پر موجود نہیں تھا تو سلمٰی نے اس کی ایسی کم تیسی کر کے رکھ دی۔

جب فرزانہ کی آرام طلبی پر سلمٰی نے اسے کھری کھری سنا ڈالیں تو وہ بھی خاموش نہ رہی اور اس روز فرزانہ نے اپنے دل کا غبار دھو ڈالا۔ آخر میں اس نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ میں کوئی تمہاری نوکرانی تو نہیں......؟"

"عباسی نے تو یہی بتایا تھا!" سلمٰی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"کیا؟" فرزانہ حلق کے بل چلا اٹھی۔

فرزانہ کے "کیا" کے جواب میں سلمٰی اور علی نے اسے جو کہانی سنائی وہ اس کے دماغ کے پرخچے اڑا دینے کے لیے کافی تھی اور اس سنسنی خیز کہانی کا ون لائنر یہ تھا کہ...... عباسی نے سلمٰی کو فرزانہ کے بارے میں یہی بتایا تھا کہ وہ اس کی نوکرانی ہے۔

اس رات ان تینوں کے بیچ بڑی زبردست لڑائی ہوئی۔ فرزانہ کے دل و دماغ پر جو بیت رہی تھی وہ کوئی اور محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سلمٰی اور عباسی کو بے نقط سنائیں۔ فرزانہ کے استحکام اور مضبوط قدمی کو دیکھتے ہوئے سلمٰی کو بھی شک نہیں بلکہ یقین ہو گیا کہ عباسی نے یقیناً اس سے شادی کر رکھی ہو گی۔ وہ خود بھی فرزانہ کی کیفیت سے مطمئن نہیں تھا۔ عباسی نے اس کے سامنے فرزانہ کو نوکرانی تو ظاہر کر دیا تھا لیکن اس لنگڑی وضاحت سے اس کی تسلی نہیں ہو سکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کسی قسم کی نوکرانی ہے جو مالکن سے زیادہ صاف ستھرے کپڑے پہنتی ہے اور رات کو اپنے گھر بھی واپس نہیں جاتی۔ سلمٰی ان پڑھ' جاہل اور دیہاتن ضرور تھی لیکن عورت کی مخصوص حس سے قطعاً محروم نہیں تھی۔ اسے فوراً شک ہو گیا تھا کہ عباسی اور فرزانہ کے درمیان کوئی اور بھی سنجیدہ رشتہ موجود تھا۔ سلمٰی نے جب بھی عباسی سے

تنہائی میں اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی وہ مختلف بہانوں سے اسے ٹال دیتا اور اب تو سارا معاملہ کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ جب سلمٰی اور فرزانہ کی طرف سے عباسی پر تلخ اور ترش سوالات کی بوچھاڑ ہوئی تو اس نے ایک جملے کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش کی۔

"میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا......!"

"میرے پاس بھی اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ابھی اور اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤں۔" فرزانہ نے غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔ "میں اب تمہارے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتی......!"

سلمٰی تو اس کی سوکن تھی لیکن اس موقعے پر عباسی نے بھی فرزانہ کو روکنے کی خاطر خواہ کوشش نہیں کی اور وہ اٹھ کر اپنی امی کے گھر آ گئی۔

نہ صرف امی کے پاس چلی آئی بلکہ روحی بانو کو تمام تر حالات کی حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ پچھلے سال' سوا سال سے جو کربناک راز اپنے سینے میں دبائے بیٹھی تھی جب وہ روحی بانو' ندرت اور عرفان تک پہنچا تو گویا اس گھر میں ایک کہرام سا جاگ اٹھا۔ اس کے بعد وہاں جو کچھ ہوا ہو گا اس کی تفصیل بیان کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ آپ بڑی آسانی سے اس کا تصور کر سکتے ہیں......!

اس ہنگامے کے اختتام پر فرزانہ نے بڑے واضح انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ "امی! میں کسی بھی قیمت پر اس شخص کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں!"

اور اس حتمی فیصلے کے تین روز بعد وہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔

◈◇◈

میں نے پوری توجہ سے اس کی دکھ بھری کہانی سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"تو یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے کہ آپ کو مسعود عباسی سے ہر قیمت پر جان چھڑانا ہے؟"

"بالکل......" وہ قطعیت سے بولی۔ "میں اس شیطان کے ساتھ ایک بھی لمحہ زندگی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتی۔"

"اور آپ کی امی کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے؟"

"وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں؟"

"کیا سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں؟"

"یہی کہ مجھے اپنے رویے میں لچک پیدا کرنا چاہیے۔"

"عباسی کے تمام تر کارنامے سے آگاہی کے باوجود بھی......؟"

"ہاں...... اور اس کے پیچھے بھی عباسی ہی کا ہاتھ ہے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"عباسی کا ہاتھ!"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"وہ میری غیر موجودگی میں دو مرتبہ امی سے آکر مل چکا ہے۔" فرزانہ نے بتایا۔ "اور اس نے امی کے سامنے اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اقرار کرتے ہوئے معافی مانگی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس مکار نے امی کو یقین دلایا ہے کہ دو چار روز میں وہ سلمٰی اور علی کو واپس محراب پور بھجوا دے گا اور آئندہ فرزانہ کو...... یعنی مجھے کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دے گا......"

"اور آپ کی امی نے اس کے وعدے کا یقین کر لیا ہے......؟"

"ہاں امی کے رویے سے میں نے تو یہی محسوس کیا ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "تبھی وہ اصرار کر رہی ہیں کہ عباسی کی خطاؤں کو معاف کر کے مجھے اپنے حالات سے سمجھوتا کر لینا چاہیے۔ وہ کہتی ہیں......" وہ سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ بھی ہوا وہ قسمت کا لکھا تھا۔ تلخ یادوں کو بھلا کر آنے والی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرنا چاہیے......"

"ایک لحاظ سے آپ کی امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ہر دانا و بینا شخص آپ کو اسی قسم کا مشورہ دے گا۔"

"آپ بھی......؟"

اس نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"ہاں!" میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "ایک وکیل ہونے کے ناتے مجھے صرف آپ کے کیس اور اپنی فیس پر نظر رکھنا چاہیے لیکن میرا بھی مخلصانہ مشورہ وہی ہے جو آپ کی امی کی تجویز ہے۔ ماننا نہ ماننا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" میں نے لمحاتی توقف کے بعد اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"ازدواجی معاملات بہت ہی نازک اور حساس ہوتے ہیں لہٰذا کوئی بھی سنگین قدم اٹھانے سے پہلے سو بار سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے!"

"آپ کے مشورے کا بہت بہت شکریہ۔" وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے جو فیصلہ کیا ہے اسے بدل نہیں سکتی۔ مجھے ہر قیمت پر عباسی سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اگر آپ یہ کیس لینے کو تیار نہیں ہیں تو میں کسی دوسرے وکیل کے پاس چلی جاتی ہوں......"

"میں نے آپ کو فری میں ایک مشورہ دیا ہے، کیس لینے سے انکار نہیں کیا۔" میں نے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ نے کوئی حتمی فیصلہ کر لیا ہے اور آپ اپنے اس فیصلے پر ثابت قدمی سے کھڑی ہیں تو ٹھیک ہے، میں آپ کی قانونی مدد کے لیے تیار ہوں۔"

"شکریہ وکیل صاحب!" وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ "مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔"

"کیا آپ کی امی کو اس بات کی خبر ہے کہ آپ کورٹ کے ذریعے خلع لینے کے لیے میرے پاس آئی ہیں؟"

میں نے اپنی تسلی کی خاطر پوچھ لیا۔

"نہیں!" اس نے دوٹوک انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اگر میں انہیں اپنے مقصد سے آگاہ کر کے گھر سے نکلتی تو وہ مجھے کبھی نہیں آنے دیتیں۔"

"فرض کریں میں آپ کی جانب سے خلع کے کیس کو عدالت میں لگا دیتا ہوں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔ "اس کے بعد آپ کی امی کو پتا چلتا ہے۔ اس صورت میں وہ ہمارے کام میں کوئی مداخلت تو نہیں کریں گی؟"

"اول تو اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ "میرا فیصلہ اٹل ہے۔ میں ایک انچ ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتی اور اگر امی ایسی کوئی کوشش کرتی بھی ہیں تو ان کو روکنا میری ذمے داری ہو گی۔ آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔"

سچی بات یہ ہے کہ مجھے فرزانہ سے ایک خاص قسم کی ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ جو بھی واقعات پیش آئے تھے وہ بہت بڑی زیادتی کے زمرے میں آتے تھے جب

اپنی زندگی کے بارے میں ایک اٹل فیصلہ کر ہی چکی تھی تو پھر اس کی قانونی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا تاہم میں نے چند اہم باتیں اس پر واضح کرنا بہت ضروری جانا۔

"فرزانہ صاحبہ!" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میں کل ہی آپ کی طرف سے خلع کا کیس عدالت میں داخل کر دیتا ہوں لیکن یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ اس مقدمے کا فیصلہ ہونے میں چند دن بھی لگ سکتے ہیں اور چند ماہ بھی اور اس دوران میں آپ کو عباسی سے دور رہنا ہوگا۔"

"میں پچھلے تین دن سے اس سے دور ہی ہوں۔" اس نے کہا۔ "اور آئندہ بھی اس کے گھر میں قدم رکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔"

"گڈ!" میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔ "یہ نکتہ میں نے محض اس لیے اٹھایا ہے کہ آپ کی امی آپ کو عباسی کے گھر بھیجنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں۔ عدالت میں کیس چلنے کے بعد اگر آپ اور عباسی ایک ہی چھت کے نیچے رہے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں وکیل صاحب۔" وہ بڑے عزم سے بولی۔ "انشاءاللہ! اس کی کبھی نوبت نہیں آئے گی۔"

"او کے!"

میں نے اطمینان بخش سانس خارج کی۔

وہ پندرہ بیس منٹ تک مزید میرے پاس رکی۔ میں نے مختلف حوالوں سے اسے چند ہدایات دیں اور اس سے وہ ضروری معلومات حاصل کیں جو اس کیس کے سلسلے میں مجھے چاہیے تھیں۔ اس نے میری مطلوبہ فیس ادا کی اور سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

جاتے جاتے میں نے چند کاغذات پر اس سے دستخط کروا لیے تھے۔ یہ سادہ قانونی کاغذات تھے جن پر بعد میں مجھے مختلف نوعیت کے مضامین ٹائپ کرنا تھے۔ ان میں قابل ذکر فرزانہ کی جانب سے میری وکالت میں، عدالت میں دائر کی جانے والی خلع کی درخواست تھی اور میرا وکالت نامہ تھا۔

فرزانہ کا کیس زیادہ پیچیدہ نہیں تھا۔ اس قسم کے خلع کے کیس دو تین پیشیوں کی مار ہوتے ہیں۔ اگر فرزانہ اور عباسی کو قانون کے ترازو میں ڈالا جاتا تو یقیناً فرزانہ کا پلڑا جھکتا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک تو عباسی نے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کی تھی۔ اگر اس نکتے

کو کوئی اہمیت نہ بھی دی جاتی تو بھی عباسی کا ایک سنگین جرم فرزانہ والے نکاح نامے کی صورت میں موجود تھا۔ مذکورہ نکاح نامے کے ایک کالم میں اس نے "عقدِ اول" درج کرایا تھا جبکہ درحقیقت فرزانہ سے اس کی شادی "عقدِ ثانی" میں شمار ہوتی تھی۔ یہ تحریری غلط بیانی کسی سنگین جرم سے کم نہیں تھی۔ علاوہ ازیں بہت سی واقعاتی شہادتیں بھی اکٹھا کی جا سکتی تھیں جو سراسر عباسی کے خلاف جاتیں۔

میرے ذاتی اطمینان کے لیے بھی بہت تھا کہ میری مؤکلہ پوری طاقت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

◈◇◈

آئندہ روز میں نے مکمل تیاری کے ساتھ، فرزانہ کے خلع کے کیس کو عدالت میں دائر کر دیا۔ آنے والے دنوں میں عدالت نے ابتدائی کارروائی کی۔ ظاہر ہے، عباسی کو کورٹ میں حاضر ہونے کے لیے قانونی نوٹس عدالت کی جانب سے جاری کیا گیا ہوگا۔ عام فہم زبان میں آپ اسے سمن کہہ سکتے ہیں۔ جب کسی شخص کے خلاف فیملی کورٹ میں کوئی کیس دائر ہوتا ہے تو ابتدائی کارروائی کے طور پر اسے بلاوے کے لیے سمن ہی روانہ کیا جاتا ہے۔

چند روز کے بعد ایک صحت مند شخص میرے دفتر میں داخل ہوا۔ وہ بھاری تن و توش کا مالک اور سانولا مرد تھا۔ صورت واجبی سی اور عمر پینتالیس کے قریب۔ اس نے اپنی صحت کی مناسبت سے خاصی توانا مونچھیں بھی پال رکھی تھیں۔

اپنی باری پر وہ میرے چیمبر میں داخل ہوا۔ وہ خاصے جارحانہ موڈ میں دکھائی دیتا تھا۔ میں نے حسب معمول پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بچھی کرسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھیں......!"

اس نے ایک جھٹکے سے "تشریف" رکھ دی پھر ایک لفافہ میری جانب بڑھاتے بلکہ پھینکتے ہوئے خاصی بدتمیزی سے بولا۔

"یہ آپ کا کارنامہ ہے......؟"

میں نے مذکورہ لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ عدالت کی جانب سے بھیجا جانے والا کوئی سمن تھا اور اس پر مسعود عباسی کا نام اور پتا

درج تھا۔ شناسائی کے تاثر کو دباتے ہوئے میں نے گھور کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے گینڈا نما شخص کی طرف دیکھا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف؟"

"میں اپنی تعریف تو بعد میں کروں گا۔" وہ جھنجلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ "پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں......"

"کون سے سوال کا؟" میں بالکل انجان بن گیا۔

اس نے لفافے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس کارنامے کی بات کر رہا ہوں......"

"یہ تو کورٹ کی جانب سے جاری ہونے والا ایک سمن ہے' کسی مسعود عباسی کے نام۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ اس لفافے کو میرے ساتھ جوڑنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟"

"مسعود عباسی میں ہی ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "اب تو آپ کو بہ خوبی یاد آ گیا ہو گا کہ میں اس لفافے کو آپ کا کارنامہ کیوں کہہ رہا ہوں؟"

"آپ آسان الفاظ میں اگر مجھے سمجھا دیں تو اچھا ہو گا!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس نے غصیلی نظر سے مجھے دیکھا اور نہایت ہی مختصر الفاظ میں مجھے وہ کچھ سمجھانے کی کوشش کی جو میں پہلے سے جانتا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

"اس عدالتی لفافے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ فرزانہ کی طرف سے دائر کیے جانے والے خلع کے کیس کا وکیل میں ہوں؟"

"میں نے آنٹی سے تمام تر معلومات حاصل کر لی ہیں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

"کون آنٹی؟" میں نے پوچھا۔

"آنٹی روحی بانو!" اس نے جواب دیا۔ "میری ساس اور فرزانہ کی ماں۔"

فرزانہ نے مجھے یہ تو بتایا تھا کہ اس نے اپنی امی اور گھر کے دیگر افراد کے سامنے اس کیس والا معاملہ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یہ بات بھی میرے علم میں تھی کہ روحی بانو کے دل میں عباسی کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا لہٰذا یہی بات سمجھ میں آئی تھی کہ سمن کی وصولی کے

بعد عباسی روحی بانو سے جا کر ملا ہو گا اور روحی بانو نے اسے اس کیس اور میرے بارے میں بتا دیا ہو گا جبھی وہ اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

"فرض کریں' آپ کی بیوی فرزانہ نے یہ کیس میرے توسط سے عدالت میں ڈالا ہے۔" میں نے کہا۔ "پھر آپ میرے پاس کیا لینے آئے ہیں۔ آپ کو تو اس سمن کے جواب میں سیدھا سیدھا عدالت سے رجوع کرنا چاہیے۔"

"میں غوری صاحب کے ساتھ ہوتا ہوں۔" اس نے اچانک ایک غیر متعلق بات کر دی۔

"کون غوری صاحب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جمشید غوری!" اس نے جواب دیا۔ "غوری صاحب آپ ہی کے پیٹی بھائی ہیں۔ وہ بھی سٹی کورٹ ہی میں پریکٹس کرتے ہیں نا۔"

"ہاں' یہ نام سنا ہوا تو لگ رہا ہے......" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

جمشید غوری نامی اس وکیل کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کی شہرت بہت خراب تھی۔ وہ عموماً جرائم پیشہ افراد کے کیس لیا کرتا تھا اور انہیں چھڑا کر بھی لمبی لمبی رقمیں بٹور لیا کرتا تھا تاہم میں نے عباسی کے سامنے غوری کے "اوصاف" بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ عباسی کی یا عدالتی چکر بازیوں کے قصے فرزانہ کی زبانی پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکے تھے۔

"بیگ صاحب!" وہ غصے کو ایک طرف رکھتے ہوئے خلاف توقع دوستانہ انداز میں بولا۔ "میں اس وقت آپ کے پاس ایک خاص مقصد سے آیا ہوں۔"

میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "جی فرمائیں۔"

"میں نے اس سمن کی وصولی کے بعد غوری صاحب سے ملاقات کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بتانے لگا۔ "انہوں نے مجھے آپ سے ملنے کا مشورہ دیا ہے' جبھی میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بتائیں' میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں راضی نامہ چاہتا ہوں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر فرزانہ صلح کے لیے تیار ہو جائے اور خلع کا کیس واپس لے لے تو میں اس کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ اس طرح یہ کیس عدالت میں جائے بغیر یہیں آپ کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے حل ہو جائے گا۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ فرزانہ اپنے کیس کو واپس لینے کے لیے تیار ہو جائے!"

"اسے آپ تیار کریں گے......" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں......" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا "وہ کیوں؟"

"آپ اس کے وکیل ہیں......" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ نے اس کا کام کرنے کے لیے یقیناً فیس وصول کی ہوگی۔ کیا آپ اس کے خیر خواہ نہیں ہیں؟"

"میں نے فرزانہ سے جس کام کی فیس وصول کی ہے وہ بڑی دیانت داری کے ساتھ کر رہا ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس سے بڑی اس کی خیر خواہی اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"اس سے بڑی خیر خواہی بھی ہو سکتی ہے......!" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"وہ کیا؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"دیکھیں بیگ صاحب!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "تاحال ہمارے بیچ میاں بیوی کا رشتہ قائم ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ ہماری زندگی کی آخری سانس تک یہ رشتہ بحال رہے۔ کیا آپ ایسا نہیں چاہیں گے؟"

"اس میں میرے چاہنے یا نہ چاہنے کا سوال نہیں ہے مسٹر عباسی!" میں نے واضح انداز میں کہا۔ "مجھے اپنے مؤکل کی خواہش اور ضرورت کو بھی دیکھنا ہوگا۔"

"آپ اسے سمجھا تو سکتے ہیں......"

"یہ کوشش میں کر چکا۔" میں نے کہا۔ "یہ کیس لینے سے پہلے میں نے فرزانہ کو ازدواجی معاملات کی نزاکتوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ ایک ہی بات پر مصر ہے کہ کسی بھی قیمت پر آپ کے ساتھ نہیں رہے گی۔"

"یہ اس کی فضول سی ضد ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "آنٹی روحی بھی میری ہم خیال ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ فرزانہ اپنے گھر واپس چلی جائے اور میری بھی یہی خواہش ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے میں اس کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں......" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ فرزانہ کو سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں تو میں یہاں آپ کے دفتر میں بیٹھ کر

یہ کاغذات پر سب کچھ لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ آئندہ اسے میری طرف سے کسی قسم کی کوئی شکایت ہرگز ہرگز نہیں ہوگی۔ وہ جو بھی مطالبہ کرے گی، میں مان لوں گا۔"

"مسٹر عباسی! آپ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ کچھ بھی مطالبہ کر سکتی ہے۔"

"ہاں، ہاں...... میں اس کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اگر اس نے یہ شرط رکھ دی کہ......" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ صرف ایک صورت میں آپ کے ساتھ رہنے کو تیار ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دیں تو اس پر آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے جناب...... یہ تو ممکن نہیں ہوگا۔" وہ گڑبڑا گیا۔ "سلمٰی سے شادی میری مرضی سے ہوئی تھی اور نہ ہی میں اسے اپنی مرضی سے طلاق دے سکتا ہوں۔ البتہ میں آپ کی موجودگی میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر فرزانہ سے ایک وعدہ ضرور کر سکتا ہوں۔"

"کیسا وعدہ؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ وعدہ کہ میری اور فرزانہ کی زندگی میں سلمٰی کسی بھی حوالے سے نہ تو کبھی داخل ہوگی اور نہ ہی میں کبھی اس کا نام لوں گا۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "سلمٰی کے سارے معاملات محراب پور تک محدود رہیں گے۔ فرزانہ کی زندگی ان لوگوں کی وجہ سے کبھی متاثر نہیں ہوگی۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے خاصی معقول بات کر رہا تھا۔ فرزانہ کی زبانی عباسی کا جو ریکارڈ مجھ تک پہنچا تھا وہ کوئی تسلی بخش نہیں تھا لیکن ایک شوہر کی حیثیت سے اس وقت وہ میرے سامنے جس ذمے داری کا مظاہرہ کر رہا تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دلوں اور نیتوں کا حال صرف خدا جانتا ہے۔ انسان، انسان کے ظاہری رویے اور عمل ہی سے نتائج اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، دوران لمحات میں عباسی کا رویہ اور عزم اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اسے اپنے کیے پر پشیمانی ہے اور وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ فرزانہ کو اپنی زندگی میں شامل رکھنا چاہتا ہے۔

"ٹھیک ہے مسٹر عباسی!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی خواہش کے مطابق ایک کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں لیکن اس سلسلے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"آپ سنجیدگی سے کوشش کریں گے، میرے لیے یہی کافی ہے۔" وہ ممنونیت بھرے

انداز میں بولا "باقی میں خود دیکھ لوں گا......!"

تھوڑی دیر کے بعد وہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس کے آخری جملے پر غور کرنے لگا...... "باقی میں خود دیکھ لوں گا......!"

یہ جملہ اس نے بڑے معنی خیز انداز میں ادا کیا تھا جسے سر دست میں کوئی حتمی معنی نہ پہنا سکا، لیکن لاشعوری طور پر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ عباسی ڈھکے چھپے الفاظ میں کوئی دھمکی دے گیا تھا۔

آئندہ روز میں نے فرزانہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے عباسی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور اس کی مرضی جاننے کی کوشش کی۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوئی۔

"بیگ صاحب! اس کیس میں آپ میرے وکیل ہیں یا عباسی کے؟"

"ظاہر ہے، میں آپ ہی کا وکیل ہوں۔"

"لیکن اس وقت آپ وکالت تو عباسی کی کر رہے تھے۔"

"آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے فرزانہ صاحبہ!" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"وہ یوں کہ میں آپ کا وکیل ہوں اسی لیے آپ کو اس کیس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتا رہا ہوں۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "میں کوئی فیصلہ آپ پر مسلط نہیں کر رہا ہوں۔ آپ اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہیں اور جہاں تک عباسی کی تجویز کا تعلق ہے تو......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی قانونی کاغذ یعنی میری موجودگی میں آپ دونوں کے بیچ کوئی معاہدہ ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"حرج ہے۔" وہ چٹانی لہجے میں بولی۔ "اس وقت عباسی پھنسا ہوا ہے اس لیے بھیگی بلی دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایسا سیدھا اور معصوم ہے نہیں جیسا خود کو ظاہر کر رہا ہے۔ میں اس کی چالاکی اور مکاری سے بخوبی آگاہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کے رویے میں کوئی لچک نہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آئندہ عباسی جب میرے پاس آئے گا تو میں اسے آپ

کے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"بیگ صاحب! میں اس وقت کئی طرفہ دباؤ سے گزر رہی ہوں۔" وہ بوجھل آواز میں بولی۔ "پتا نہیں، اس نامراد عباسی نے امی کو کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ اس کا کچا چٹھا سامنے آ جانے کے باوجود بھی وہ اسی کی حمایت پر کمر بستہ ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے وہ مجھے زندگی کا یہ راز سمجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ عورت اپنے گھر ہی میں اچھی لگتی ہے۔ جب عباسی اپنے کیے پر شرمندہ ہے تو اسے ایک موقع ضرور دینا چاہیے......"

"یہ ٹھیک ہے کہ عباسی کی وجہ سے آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "لیکن آپ روحی بانو کی پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ وہ ایک ماں ہیں اور...... ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی اپنے گھر میں خوش و خرم رہے۔ اگر غیر جانب داری سے صورت حال کا تجزیہ کیا جائے تو روحی بانو کا کردار کہیں سے غلط نظر نہیں آتا......!"

"یہی تو خرابی والی بات ہے بیگ صاحب!" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "عباسی کا سراسر غلط ہے لیکن حالات اسے مسکین اور یتیم ظاہر کر رہے ہیں۔ امی بظاہر میری ہمدردی میں سرگرم عمل ہیں، لیکن میں جانتی ہوں، وہ جو کچھ بھی کر رہی ہیں، عباسی کے جذباتی دباؤ کے نتیجے میں کر رہی ہیں اور تو اور...... آپ! اس عیار شخص نے آپ کو بھی شیشے میں اتارنے کی کوشش شروع کر دی ہے لیکن میں بھی ہمت ہارنے والی نہیں ہوں۔ آپ اسے میری ضد کہہ لیں یا پاگل پن، اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ مجھے ہر قیمت پر یہ جنگ جیتنا ہے۔ یہ میری عزت اور انا کا مسئلہ بن گیا ہے بیگ صاحب......" وہ ڈرامائی انداز میں متوقف ہوئی پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے ہر حال میں عباسی سے چھٹکارا چاہیے۔ اس نجات کی خاطر میں بڑے سے بڑا نقصان بھی برداشت کرنے کو تیار ہوں......!"

"ڈن!" میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "اب میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی نصیحت نہیں کروں گا۔"

◇◇◇

دو روز کے بعد عباسی مجھ سے ملنے آیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ فوراً اپنے مطلب کی

بات پر آ گیا اور اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔
"بیگ صاحب! کیا پروگریس ہے؟"
"کوئی پروگریس نہیں عباسی صاحب!" میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔
"آپ نے اسے سمجھانے کی کوشش تو کی ہے نا؟"
"ہر کوشش کر کے دیکھ لی۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس کی سوچ کی سوئی ایک ہی مقام پر ٹھہر گئی ہے۔"
"ہوں ----!" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
میں نے اس موقع پر تھوڑی سی غلط بیانی بھی کر ڈالی اور عباسی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"عباسی صاحب! آپ کی بیوی اور میری مؤکلہ فرزانہ بڑی ہی ضدی عورت ہے۔ میں نے اس کی ضد کو توڑنے کے لیے آپ کی مرضی کے خلاف اس پر ایک خطرناک حربہ بھی استعمال کر ڈالا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسے ہر قیمت پر خلع چاہیے۔"
"آپ کون سے حربے کی بات کر رہے ہیں بیگ صاحب؟" اس کے کان کھڑے ہو گئے۔
میں نے بتایا۔ "میں نے اس سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر وہ کیس کا خیال دل سے نکال دے اور آپ کے ساتھ مصالحت کرنے کو تیار ہو جائے تو آپ اپنی پہلی بیوی سلمٰی کو طلاق دے دیں گے۔"
"آپ نے یہاں تک کہہ دیا اور وہ پھر بھی راضی نہیں ہوئی؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
"جی ہاں یہی حقیقت ہے!" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔
وہ ایک مرتبہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
میں نے کہا۔ "عباسی صاحب! میں نے آپ کی فرمائش پر کوشش کر کے دیکھ لی لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اب تو آپ کو کورٹ میں اس کیس کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔"
"میں اس کے لیے تیار ہوں ----!" وہ پرعزم لہجے میں بولا۔ "میں یہ ساری منت

خوشامد اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ میں فرزانہ سے کمزور ہوں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ اس ضدی عورت کو میری طاقت اور اختیار کا قطعی کوئی اندازہ نہیں ----" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔
"بیگ صاحب! جی تو یہی چاہ رہا ہے کہ میں آپ کی مؤکلہ کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے کر فارغ کر دوں لیکن میں ایسا کروں گا نہیں ----!"
وہ میری مؤکلہ کے بارے میں مبہم اظہار خیال کر رہا تھا اور اس بات میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ ہماری مخالف پارٹی تھا، یہ الگ بات کہ حالات کا جھکاؤ اسے دھکیل کر میرے پاس لے آیا تھا۔ میں نے یہ جاننا ضروری سمجھا کہ فرزانہ کے حوالے سے اس کے ذہن میں کیا چل رہا تھا۔
"اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ نے کیا منصوبہ بنایا ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"منصوبہ تو آپ کی مؤکلہ ہی کا ہے بیگ صاحب!" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں تو اس کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچاؤں گا ----"
اس کی معنی خیز باتوں سے کسی سازش کی بو اٹھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے پوچھ لیا۔
"کیا مطلب عباسی صاحب ---- میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا؟"
"بات بالکل سیدھی سی ہے بیگ صاحب!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "گھر کے اس نازک معاملے کو آپ کی مؤکلہ اٹھا کر عدالت میں لے گئی ہے تو پھر اس کیس کا فیصلہ بھی عدالت ہی میں ہوگا۔ میں اسے طلاق تو ہرگز نہیں دینے والا اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرح خلع حاصل کرتی ہے ----!"
عباسی کے آخری جملے میں ایک خطرناک چیلنج چھپا ہوا تھا لیکن اس سلسلے میں، میں نے اس سے کوئی بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہرحال، وہ میرے لیے مخالف پارٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ مخالف پارٹی کے ساتھ زیادہ فری ہونا بعض اوقات نقصان دہ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔
اب تک میں نے عباسی کو جتنی بھی لفٹ کرائی تھی وہ محض ایک مثبت مقصد کی خاطر تھی۔ حالات چاہے کچھ بھی تھے لیکن روحی بانو کی طرح میری بھی یہی خواہش تھی کہ اگر ان میاں بیوی کے درمیان مصالحت ہو جائے تو اچھا ہے لیکن بہ وجوہ ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ فرزانہ کی ضد

نے میری کوشش کو رائیگاں بنا دیا تھا۔
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں......

◈◇◈

جیسا کہ میں نے پیچھے ذکر کیا ہے، خلع کا کیس دو، تین پیشیوں کی مار ہوتا ہے، میری نظر میں فرزانہ کا کیس بھی اسی نوعیت کا تھا لیکن چونکہ اس دوران میں میری عباسی سے تین چار ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور میں نے فرزانہ کے حوالے سے اس کی سوچ کے مختلف شیڈ ملاحظہ کر لیے تھے لہٰذا میں اس کی طرف سے خاصا محتاط بھی تھا۔ میں نے اس کیس کی تیاری کچھ ایسے انداز سے کی تھی کہ عباسی کی کوئی بھی چال کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے جو اندازہ قائم کیا تھا وہ صد فیصد درست ثابت ہوا۔ عباسی نے مختلف حربوں سے اس کیس کو معمول سے زیادہ طول دے دیا تھا تاہم لگ بھگ تین ماہ کے بعد مذکورہ کیس کا فیصلہ میری توقع کے عین مطابق، فرزانہ کے حق میں ہو گیا۔ عباسی کی بہانے بازیاں اور دیگر تاخیری حربے کارآمد ثابت نہ ہو سکے اور اسے فرزانہ کے مقابلے میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

عباسی سے میری آخری ملاقات فیصلے والے روز عدالت کے کمرے ہی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا۔ البتہ اس فیصلے کے دو روز بعد فرزانہ مٹھائی کے ساتھ میرا شکریہ ادا کرنے دفتر آئی تھی۔ میں نے اسے جیت کی مبارکباد دی۔ وہ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ کر واپس چلی گئی تھی۔

جن لوگوں سے اکثر آپ کا میل ملاپ رہتا ہے یا کاہے بہ گاہے ملاقات ہوتی رہے وہ اور ان کے معاملات ذہن میں تازہ رہتے ہیں۔ کلائنٹس کے سلسلے میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ کلائنٹس کے کیسز جب تک عدالت میں چل رہے ہوتے ہیں، کاروباری ہی سہی لیکن ان سے ربط ضبط استوار رہتا ہے۔ ادھر عدالت کا فیصلہ آیا، ادھر یہ منظر سے غائب۔ فرزانہ کا قصہ بھی کچھ ایسا ہی تھا......

جب وہ مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ مجھ سے ملنے آئی تھی وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس دن کے بعد سے میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ میرے ذہن، میری یادداشت ہی سے نکل گئی تھی۔ البتہ اس نے آخری ملاقات میں مجھے یہ بتا دیا تھا کہ وہ اپنی جاب کو جاری رکھے گی اور یہ کہ...... زندگی بھر شادی کے بارے میں نہیں سوچے گی۔

میں نے اس کے جذباتی فیصلے کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔ انسان مختلف ذہنی کیفیات کے زیر اثر مختلف فیصلے کرتا ہی رہتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے غلط فیصلوں پر نظر ثانی کرتے ہوں، فرزانہ کا شمار بھی انہی معدودے چند افراد میں ہوتا تھا جو اس اصول کے سائے تلے پوری زندگی گزار دیتے ہیں کہ جو کہہ دیا، سو کہہ دیا...... ایک سوت آگے نہ پیچھے۔

میں کیس کے سلسلے میں فرزانہ کی مستقل مزاجی یا ثابت قدمی یا ہٹ دھرمی کو بڑے واضح انداز میں دیکھ چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ ہمیشہ شادی نہ کرنے کے فیصلے پر بھی ڈٹی رہے گی۔ چونکہ یہ کوئی اہم بات نہیں تھی لہٰذا میں فرزانہ اور اس کے حتمی فیصلے کو بھول بھال کر زندگی کے جھمیلوں میں مصروف ہو گیا۔

شاید میں اسے ہمیشہ کے لیے بھول جاتا اگر اخبار کی ایک خبر مجھے چونکا نہ دیتی۔ یہ فرزانہ والے کیس سے چند ماہ بعد کی بات ہے۔ ایک صبح میں حسب معمول اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک سنسنی خیز خبر نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اس خبر کے مطابق، ایک عورت کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس خبر کی تفصیلات پر نگاہ دوڑائی تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔

تفصیلات کے مطابق، ایک معروف انشورنس کمپنی کے کلیم ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے والی فرزانہ نامی ایک عورت کو کسی نامعلوم راہزن نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ خبر کے مطابق، فرزانہ نامی وہ عورت چھٹی کے وقت اپنے دفتر سے نکلی اور سڑک عبور کر کے اپنے اسٹاپ کی طرف چل پڑی تھی جہاں سے اسے واپسی کے لیے بس ملتی تھی۔

وہ بس اسٹاپ سے ابھی چند گز دور ہی تھی کہ ایک راہزن نے اس کا پرس جھپٹنے کی کوشش کی۔ فرزانہ نے مزاحمت کی اور اپنے پرس کو اس راہزن کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دی۔ اس پر مذکورہ راہزن طیش میں آ گیا اور اس نے فائر کر کے فرزانہ کو وہیں گرا دیا اور اس کا پرس چھین کر ایک گلی میں غائب ہو گیا۔ واقعات کے مطابق، گولی فرزانہ کے دل میں لگی تھی چنانچہ اسے زندگی سے موت کی جانب سفر کرنے میں بہ مشکل ایک لمحہ لگا ہو گا۔ وہ گولی کھا کر زمین پر گری اور ختم ہو گئی۔

بہ ظاہر یہ ڈکیتی یا راہزنی کی واردات محسوس ہوتی تھی اور پولیس نے بھی اس واقعے کو اسی کھاتے میں ڈال دیا تھا لیکن میرا ذہن ایک خاص انداز میں سوچ رہا تھا کیونکہ یہ وہی فرزانہ

تھی جو چند ماہ پہلے میری مؤکلہ رہ چکی تھی اور میں نے اسے اس کے شوہر سے چھٹکارا دلایا تھا۔

شوہر کا خیال آتے ہی میرا دھیان آپوں آپ عباسی کی طرف چلا گیا' پھر مجھے اس کے کہے ہوئے معنی خیز جملے یاد آنے لگے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں فرزانہ کے قتل میں عباسی کا ہاتھ تو نہیں ......؟"

ایسا ہونا ناممکن نہیں تھا۔ فرزانہ نے خلع کا کیس جیت کر اسے شکست فاش سے ہم کنار کیا تھا۔ وہ کینہ پرور شخص انتقاماً کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس کا ریکارڈ بھی مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ فرزانہ کے گھر کا فون نمبر میرے آفس والی ڈائری میں درج تھا۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آفس جا کر اس کے گھر فون کروں گا تاکہ صورت حال کی وضاحت ہو سکے۔

جب میں آفس پہنچا تو میرے فون کرنے سے پہلے ہی روحی بانو کا فون آ گیا۔ اس نے گلوگیر آواز میں مجھے فرزانہ کی موت کے بارے میں بتایا اور یہ بھی خدشہ ظاہر کیا کہ اس اندوہناک واقعے میں عباسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ میں خود بھی چونکہ اسی انداز میں سوچ رہا تھا لہٰذا اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"میرا شک بھی اسی کی طرف جا رہا ہے......"

"اب کیا فائدہ وکیل صاحب......!" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "فرزانہ کی موت میں کچھ نہ کچھ حصہ آپ کا بھی ہے۔"

"میرا حصہ......!" میں اچھل پڑا۔ "وہ کس طرح......؟"

"اگر آپ طریقے سلیقے سے اس نادان کو سمجھانے کی کوشش کرتے تو مجھے یقین ہے وہ اپنی ضد سے باز آ جاتی اور آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

"آپ کو کیا پتا کہ میں نے اسے کتنا سمجھایا تھا۔" میں نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ "لیکن اس نے میری ایک نہیں مانی۔ وہ ایک ہی......"

"سب جھوٹ ہے' بکواس ہے......!" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولی۔ "وکیل بے حس اور سفاک ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنی فیس اور فائدے پر نظر رکھتا ہے۔ مؤکل جائے جہنم میں!"

"ایسی بات نہیں ہے خاتون!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کو یقیناً میرے بات میں کوئی غلط فہمی......"

اس لمحے لائن بے جان ہو گئی۔ روحی بانو نے اپنے دل کی بات کہنے کے بعد ریسیور رکھ دیا تھا۔ وہ فرزانہ کی لرزہ خیز موت پر جس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی میں نے اس کے پیش نظر اس کی بات کا قطعاً برا نہیں منایا۔ میرا خدا بہتر جانتا تھا۔ میں اپنے ضمیر کے سامنے ایک دم مطمئن تھا کہ میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔

فرزانہ کی موت میں عباسی ہی کا ہاتھ تھا یا واقعی یہ کسی غیر متعلق اور نامعلوم راہزن کی کارروائی تھی' اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ نجات کی خواہاں تھی اور اسے نجات مل گئی تھی۔ میں نے بہ طریق احسن اسے عباسی سے چھٹکارا دلا دیا تھا۔

یہ الگ بات کہ اس کی نجات دائمی حیثیت کی حامل قرار پائی تھی۔

◈◇◈

جزائے سزا

وہ بہت عجیب وغریب' خطرناک بلکہ بھیانک کیس تھا۔ یہ ہما شما کے بس کی بات نہیں تھی۔ بڑے سے بڑا وکیل اس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرا رہا تھا' کیونکہ کیس کے پس منظر سے یہی دکھائی دیتا تھا کہ اس میں کامیابی کے امکانات صفر سے زیادہ نہیں تھے۔

مسز سفیان کئی وکیلوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد میرے پاس آئی تھی۔ وہ ایک بیوہ عورت تھی۔ کئی سال پہلے اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔ پہلی نظر دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ ایک صاحب ثروت خاتون تھی۔

میں نے حسبِ دستور پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور اپنی میز کی دوسری جانب بچھی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھیں۔''

''شکریہ۔'' کہتے ہوئے اس نے تشریف رکھ دی۔

مسز سفیان کا اصل نام عطیہ بیگم تھا۔ عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ بہت ہی رکھ رکھاؤ والی خاتون نظر آتی تھی۔ خوش شکل اور جسم مائل بہ فربہی۔ اس نے قیمتی جیولری کے ساتھ عمدہ قسم کی ساری زیب تن کر رکھی تھی۔

''جی فرمایئے۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''آپ کتنے بہادر وکیل ہیں؟''

''بہادر......کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

مجھے اس کے انداز سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے کسی خطرناک درندے کے شکار پر بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''مطلب یہ کہ آپ سیدھے سادے کیس لینا پسند کرتے ہیں یا پیچیدہ نوعیت کے کیسز میں آپ کو زیادہ دلچسپی محسوس ہوتی ہے؟''

''مجھے پیچیدہ اور الجھن زدہ مقدمات کو ڈیل کر کے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''گڈ۔'' اس نے اطمینان بھری سانس خارج کی اور بولی۔ ''اس کا مطلب ہے میں بالکل صحیح جگہ پہنچ گئی ہوں......''

اس کے بعد عطیہ بیگم نے مجھے بالتفصیل بتایا کہ وہ مجھ سے پہلے کتنے وکیلوں کے دفاتر کے چکر لگا چکی تھی اور کسی بھی جگہ سے اسے تسلی بخش جواب نہیں ملا تھا۔ سب نے یہی کہا تھا کہ اس کیس میں کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بہرحال' وہ کوشش کریں گے......

عطیہ بیگم یقیناً یہی چاہتی تھی کہ جو بھی وکیل اس کے کیس میں ہاتھ ڈالے وہ کوشش کرے' مگر اسے کامیابی کا سو فیصد یقین بھی دلائے۔ ایسا چونکہ ابھی تک نہیں ہوا تھا جبھی وہ بے حد مایوس اور پریشان نظر آ رہی تھی۔ میرے حوصلہ بخش الفاظ نے اس کے چہرے پر اطمینان کی کرن چمکا دی تھی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا۔ ''لگتا ہے' آپ کا کیس بہت ہی گنجلک اور چکردار ہے۔''

''آپ کا نہیں ہے۔'' میں نے الجھ کر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''پھر کس کا کیس ہے؟''

''میرے چھوٹے بھائی ریحان کا۔''

میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے بھائی کو کیا ہوا ہے؟''

''ریحان بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔'' اس نے ایک افسردہ سانس خارج کرتے ہوئے بتایا۔ ''اور اس وقت وہ عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے۔''

''اس نے کون سے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے؟''

''یہی تو بات ہے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔'' وہ قدرے بیزاری سے بولی۔ ''ریحان سو فیصد بے گناہ ہے۔''

''میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ پولیس نے اسے کس الزام کے تحت عدالت میں پیش

کر کے ریمانڈ حاصل کیا ہے؟"

"اس پر آبروریزی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اوہ......!" میں نے چونکتے ہوئے انداز میں کہا پھر پوچھا۔"اس پر کس کو بے آبرو کرنے کا الزام ہے؟"

"شاہدہ کو۔"

"سلمیٰ کی بیٹی۔"

"اور یہ سلمیٰ کون ہے؟" میں نے استفسار کیا۔

"سلمیٰ ریحان کی بیوی ہے۔" مسز سفیان نے بتایا۔

"کیا مطلب؟" مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔"کیا ریحان نے اپنی بیٹی کو......"

"نہیں۔" اس نے بڑی قطعیت سے قطع کلامی کی۔

"پھر......؟" میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"شاہدہ، سلمیٰ کی سگی اور ریحان کی سوتیلی بیٹی ہے۔" اس نے معتدل انداز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"چار سال پہلے ریحان کی بیوی عالیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ عالیہ سے ریحان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک سال تک اس نے تن تنہا زندگی گزاری پھر سلمیٰ سے اس کے مراسم ہو گئے۔ سلمیٰ نے بہت کم وقت میں ریحان کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور ان مراسم کے دو ماہ بعد ہی ان کی شادی ہو گئی۔ شاہدہ، سلمیٰ کے پہلے شوہر قادر کی بیٹی ہے۔ سلمیٰ کے بقول قادر ایک اوباش اور شرابی شخص تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر اسے دھنک کر رکھ دیتا تھا۔ لہٰذا اس نے قادر سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"سلمیٰ سینتالیس اڑتالیس سے کم کی نہیں لیکن بلاشبہ وہ ایک پرکشش اور حسین عورت ہے۔ ریحان اس کی خوب صورتی پر مرمٹا تھا اور سلمیٰ کی دکھ بھری کہانی نے اس کا دل کچھ زیادہ ہی موم کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین سال پہلے ریحان نے سلمیٰ سے شادی کر لی اور شاہدہ کو ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھ لیا۔"

"لیکن پھر یہ واقعہ؟" میں نے الجھن زدہ نظروں سے عطیہ بیگم کی جانب دیکھا۔

"میں حلفیہ کہتی ہوں کہ ریحان کا اس واقعے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔" وہ بڑے

اعتماد سے بولی۔"وہ سراسر بے قصور ہے۔ اسے بڑے منظم انداز میں اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی۔"

"ریحان کے خلاف ایسی سازش کون کر سکتا ہے؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"سلمیٰ۔" اس نے بڑے دھڑلے سے جواب دیا۔

"لیکن سلمیٰ ایسا کیوں کرے گی؟" میں نے پوچھا۔"شاہدہ تو اس کی اپنی بیٹی ہے نا؟"

"ہاں شاہدہ، سلمیٰ کی سگی بیٹی تو ہے......" وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔

"پھر......؟"

"پھر یہ کہ......" وہ ٹھہر ٹھہر کر بتانے لگی۔"سلمیٰ سے شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد ریحان پر یہ انکشاف ہوا کہ اس نے زندگی کی بھیانک غلطی کی ہے۔ سلمیٰ کردار کی کوئی اچھی عورت نہیں تھی اور وہ غیر محسوس انداز میں شاہدہ کو بھی اپنی راہ پر ڈال چکی تھی۔ ریحان سے شادی کا مقصد ایک مستحکم اور محفوظ آڑ حاصل کرنا تھا۔ ریحان کی مالی پوزیشن بھی مضبوط تھی اور اسے معاشرے میں ایک باعزت مقام بھی حاصل تھا۔ جب سلمیٰ کی خفیہ صلاحیتیں پوری طرح ریحان پر کھلیں تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس دوران میں اس کی سلمیٰ سے شادی کو لگ بھگ اڑھائی سال گزر گئے تھے اور وہ پوری طرح اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے بعض تجربے کارانہ گر کی مدد سے ریحان کو یہ باور کرا دیا تھا کہ عالیہ میں کوئی کمی تھی اور نہ ہی اس (سلمیٰ) میں کوئی خرابی ہے۔ اگر ریحان ابھی تک باپ نہیں بن سکا تو اس میں سراسر خود اس کی نالائقی کا دخل ہے۔ اس من گھڑت انکشاف کے بعد ریحان نفسیاتی طور پر سلمیٰ کے دباؤ میں آ گیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے فٹ تھا اور فٹ ہے مگر سلمیٰ نے اپنی چال بازی سے ریحان کے ذہن میں ایک مخصوص سوچ بھر دی تھی تاکہ وہ اس سے دبا رہے اور اسے اپنے مذموم مقاصد میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوئی تو میں نے پوچھ لیا۔"آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلمیٰ کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی لیکن پھر بھی یہ واقعہ کیا معنی رکھتا ہے؟"

"آپ کا اندازہ کسی حد تک درست ہے بیگ صاحب۔" وہ ٹھوس انداز میں بولی۔

"جب تک صورت حال ریحان پر آشکار نہیں ہوئی تھی سلمیٰ اور شاہدہ کا کھیل بڑی کامیابی سے چل رہا تھا لیکن جب ریحان اس مکروہ سرگرمی سے پوری طرف واقف ہو گیا تو پھر گھر میں

ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے تو سلمٰی نے آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن جب ریحان نے اسے اپنی زندگی اور گھر سے نکال باہر کرنے کی خطرناک دھمکی دی تو سلمٰی نے معافی تلافی کر کے ایک موقع حاصل کر لیا۔ اس نے ریحان سے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ کبھی اسے شکایت کا موقع نہیں دے گی۔"

"کیا سلمٰی نے اپنا وعدہ نبھایا تھا؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"اگر نبھایا ہوتا تو پھر یہ نوبت ہی کیوں آتی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے سوال کیا۔

"اس بدمزگی کے بعد چند دن امن وسکون سے گزر گئے۔" وہ ایک مضمحل سی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "پھر یہ واقعہ پیش آ گیا۔"

"اوہ......!" میں نے متاسفانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"میں سمجھتی ہوں' وہ چند روزہ امن وسکون کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھے۔" وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ سلمٰی کی ایک گہری چال تھی۔ وہ یہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ ریحان اس کا مقصد پورا نہیں ہونے دے گا۔ وہ ریحان جیسی اسامی کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتی تھی اور ریحان کی مخالفت یا مداخلت بھی اسے گوارا نہیں تھی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ایک خطرناک منصوبہ بنایا اور شاہدہ کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ان دونوں کی ملی بھگت سے وہ ڈراما رچایا گیا ہے جس کے نتیجے میں میرا چھوٹا بھائی ریحان اس وقت تھانے کی حوالات میں بند ہے۔" وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"سلمٰی کو یقین ہے کہ اس کی سازش کے نتیجے میں ریحان ایک لمبے عرصے کے لیے جیل چلا جائے گا۔ وہ چونکہ اس کی منکوحہ ہے لہٰذا ریحان کے جیل چلے جانے کے بعد اس کی تمام جائیداد' مال اور کاروبار پر سلمٰی کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ بڑے ٹھاٹ کے ساتھ اپنا کاروبار عیاشی جاری رکھ سکے گی لیکن......"

اس نے لمحے بھر کو تھم کر نفرت بھرے انداز میں دانت کچکچائے پھر سنسناتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "لیکن میں اس نامراد کا منصوبہ کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں پیسہ پانی کی طرح بہاؤں گی۔ نہ صرف ریحان کو اس کیس سے باعزت بری کرواؤں گی بلکہ اس بدکردار عورت کو بھی ریحان کی زندگی سے نوچ کر کسی غلاظت بھرے گڑھے میں پھینکوں گی۔ مجھے

صرف ایک اچھے وکیل کی تلاش تھی اور وہ میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔"

عطیہ بیگم کے ایک ایک لفظ سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ جو کچھ پیش آ چکا تھا اس کے ردعمل کے طور پر اس کا رویہ غلط نہیں تھا۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔

میں نے پوچھا۔ "مسز سفیان! یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"تیس اپریل کی رات کا۔" اس نے جواب دیا۔

آج مئی کی چار تاریخ تھی۔ میں نے عطیہ بیگم سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ریحان کو پولیس کسٹڈی میں ابھی تین چار دن ہی ہوئے ہیں۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "ریمانڈ کی مدت کب پوری ہو رہی ہے؟"

"عدالت نے پولیس کو سات مئی تک کا ریمانڈ دے رکھا ہے۔" عطیہ بیگم نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے' پولیس آٹھ مئی کو چالان عدالت میں پیش کرے گی۔" میں نے پرسوچ انداز میں کہا پھر مسز سفیان سے استفسار کیا۔ "کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ وقوعہ کی رات حالات کس انداز میں پیش آئے تھے؟"

یہ ایک انتہائی نازک سوال تھا' لیکن حالات اور کیس کی نوعیت اس سوال کا تقاضا کرتی تھی۔ اس نے ایک لمحے گومگو کی کیفیت میں میرے چہرے کا جائزہ لیا پھر جزبز ہوتے ہوئے بولی۔

"میں جتنا جانتی تھی وہ آپ کو بتا چکی ہوں۔ اگر آپ مزید تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو تھانے جا کر ریحان سے ایک ملاقات کر لیں۔"

"وہ تو میں کروں گا ہی۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کا بھائی کون سے تھانے کی حوالات میں بند ہے؟"

اس نے مجھے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا پھر سوال کیا۔

"بیگ صاحب! آپ فیس ایڈوانس میں لیں گے یا......؟"

اس نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا۔ تو میں نے جلدی سے کہا۔ "فیس تو میں ایڈوانس ہی میں لیتا ہوں خاتون' یہی میرا اصول ہے۔"

"اپنی فیس بتا دیں۔" وہ اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھولتے ہوئے بولی۔ "تاکہ مجھے

اطمینان ہو کہ آپ نے ریحان کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

میں نے اسے اپنی فیس سے آگاہ کیا۔ اس نے میری فیس کے برابر بڑی مالیت کے کرارے نوٹ گن کر میری جانب بڑھا دیئے۔ میں نے اس رقم کو گنے بغیر اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔ وہ حیرت سے بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ نے پیسے گنے نہیں؟"

"گن لیے ہیں۔" میں نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"مسز سفیان!" میں نے اس کی الجھن دور کرنے کے لیے زیر لب کہا۔ "آپ مطمئن رہیں۔ میں نے رقم گن لی ہے۔ آپ کی انگلیوں کے ساتھ ہی میری نگاہ بھی مصروف ہو گئی تھی۔ یہ کام ہم دونوں نے ایک ساتھ کیا ہے۔"

"اوہ۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "آپ تو بڑے کائیاں وکیل ہیں۔"

پتا نہیں عطیہ بیگم نے میری تعریف کی تھی یا مجھ پر تنقید۔ میں نے اس کے بے لاگ تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تو ہو گئی میری فیس۔ اس کے علاوہ دیگر عدالتی' مختلف نوعیت کے اخراجات بھی ہوں گے۔ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیے گا۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں بیگ صاحب۔" وہ تسلی بھرے انداز میں بولی۔ "میں ریحان کی باعزت بریت کے لیے کسی بھی مرحلے پر بچت یا کنجوسی کا مظاہرہ نہیں کروں گی۔"

"ویری گڈ۔" میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ آئندہ پیشی پر ایک مسئلہ ملزم کی ضمانت کا ہو گا۔"

وہ بھنویں سکیڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "ذرا وضاحت کریں گے؟"

"آئندہ پیشی پر جب پولیس ملزم کے ساتھ اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کرے گی تو میں اپنا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت دائر کروں گا۔" میں نے عطیہ بیگم کی خواہش کے مطابق وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ "اس موقع پر آپ کو شخصی ضمانت یا ذاتی مچلکے کے لیے بندوبست کرنا ہو گا۔" پھر میں نے اسے دونوں نوعیت کی ضمانت کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر گہری سنجیدگی سے

بولی۔ "میں پوری کوشش کروں گی شخصی ضمانت کا انتظام ہو جائے بہ صورت دیگر ذاتی مچلکے والا معاملہ تو میرے ہاتھ میں ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن کو اثباتی جنبش دی اور کہا۔ "میں آج ہی متعلقہ تھانے جا کر آپ کے بھائی سے ملاقات کر لیتا ہوں تاکہ ضمانت کے کاغذات کو تیار کیا جا سکے۔"

"آپ اپنے کام کو زیادہ بہتر جانتے ہیں۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ "میں آپ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔"

"ہوں۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس کیس کو بخیر و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مجھے گاہے بہ گاہے آپ کی عملی مدد کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ میں آپ کے توسط سے مختلف نوعیت کی معلومات حاصل کروں گا۔"

"مجھے آپ کی مدد کر کے بے انتہا خوشی ہو گی۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیونکہ یہ تعاون میرے بھائی کی رہائی کا ضامن بن جائے گا۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔

اس نے پوچھا۔ "بیگ صاحب' میں دوبارہ آپ کے پاس کب آؤں؟"

"اب ہماری ملاقات عدالت ہی میں ہو گی۔" میں نے کہا۔ "اس دوران میں اگر کوئی خاص بات آپ کے علم میں آئے تو آپ بلا جھجک مجھے فون کر سکتی ہیں۔" بات کے اختتام پر میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" اس نے کارڈ میرے ہاتھ سے لے کر اس کا بہ غور جائزہ لیا پھر اسے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔ "اب مجھے اجازت دیں۔"

"ضرور...... لیکن ایک ضروری کام ابھی باقی ہے۔"

"کون سا کام؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں ایک رسید کاٹ کر اس کی جانب بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے رسید پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے مجھے اس کیس کی جو فیس ادا کی ہے یہ اسی ضمن میں ہے۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے وضاحت کر دی۔ "یہ بہت ضروری ہے۔" اس نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اثبات میں سر ہلایا اور رسید کو اپنے بیگ میں رکھنے کے بعد میرے دفتر سے رخصت ہو گئی۔

میں اسی شام دفتری مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔

پولیس کسٹڈی میں موجود عدالتی ریمانڈ پر کسی بھی ملزم سے ملاقات کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ میں نے اپنے آزمودہ کار ہتھکنڈوں کی مدد سے حوالات تک رسائی حاصل کی اور لگ بھگ آدھا گھنٹہ ملزم ریحان کے ساتھ گزار کر واپس آ گیا۔ ہماری یہ ملاقات خاصی کامیاب رہی تھی۔ میں نے وکالت نامے اور چند دیگر ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لیے اور وقوعہ سے متعلق ڈھیروں باتیں کیں۔ ریحان کی بعض باتیں انکشاف کا درجہ رکھتی تھیں۔

آگے بڑھنے سے قبل میں آپ کی خدمت میں اس کیس کا پس منظر پیش کرنا چاہوں گا تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ واضح رہے کہ اس میں سے بہت ساری باتیں بعد میں مسز سفیان کی تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوئی تھیں لیکن واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے میں انہیں ایک ساتھ بیان کروں گا۔

◇◇◇

ریحان کی رہائش گرین ٹاؤن کے علاقے میں تھی۔ وہ اس افسوس ناک واقعے سے پہلے سلمٰی اور شاہدہ کے ساتھ دو سو گز کے ایک صاف ستھرے بنگلے میں رہائش پذیر تھا۔ سلمٰی اور شاہدہ تو اب بھی اسی بنگلے میں تھیں مگر ریحان بیٹھے بٹھائے حوالات کے ٹھنڈے ٹھار فرش پر پہنچ گیا تھا۔ حوالات نامی اس بندی خانے کی ہر شے اذیت رساں تھی۔ چاہے وہ کوٹھری کا سفاک اور سنگلاخ ٹھنڈا فرش ہی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں مسز سفیان کی زبانی آپ جان چکے ہیں کہ ریحان کی پہلی بیوی کا نام عالیہ تھا۔ اس کے انتقال کے ایک سال بعد ہی ریحان نے سلمٰی سے شادی کی تھی جس کی قادر نامی پہلے شوہر سے ایک جوان بیٹی شاہدہ بھی تھی۔ ریحان کی عمر لگ بھگ چالیس سال رہی ہوگی۔ نرسری کی فرنیچر مارکیٹ میں اس کا ایک چلتا ہوا شوروم تھا جس سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ وہ بڑے عیش و آرام سے زندگی گزار رہا تھا۔ یہی آرام اور عیش سلمٰی کی نگاہ کو بھا گئے تھے اور اس نے ریحان کو اکیلا پنچھی دیکھ کر اپنے حسن کے جال میں جکڑ لیا تھا۔ سلمٰی نے ریحان کو بھی بتایا تھا کہ اس کا شوہر قادر بہت ہی خبیث النسل اور عیاش شخص تھا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر اس سے مار پیٹ کیا کرتا اور شاہدہ کو بھی غلیظ گالیاں دیتا تھا لہٰذا سلمٰی نے کوشش کر کے اس اوباش شخص سے جان چھڑالی تھی۔

سلمٰی اور شاہدہ کا پس منظر ایسا تھا کہ ریحان کو ان ماں بیٹی سے گہری ہمدردی ہو گئی پھر سلمٰی کے ناز و ادا اور پُرکشش سراپا نے اسے چاروں خانے چت کر دیا۔ اس شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلمٰی ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے گھر پہنچ گئی۔ شاہدہ کے سر پر بھی اس نے شفقت کا ہاتھ رکھا اور ریحان کا سونا گھر ایک مرتبہ پھر آباد ہو گیا۔

شادی کے بعد تو کچھ عرصہ امن و سکون سے گزر گیا پھر محلے والوں کی دبی دبی معنی خیز سرگوشیاں اس کی سماعت تک رسائی حاصل کرنے لگیں اور یہ سرگوشیاں بڑی عذاب ناک تھیں جن میں اس کی فیملی خصوصاً اس کی بیوی کے کردار کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔

پہلے تو اس نے اسے لوگوں کی بکواس سمجھ کر ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا لیکن جب یہ سلسلہ رکنے ہی میں نہ آیا تو وہ اس جانب توجہ دینے پر مجبور ہو گیا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ رائی ہو تو پہاڑ بنتا ہے۔ ایک رات سلمٰی کو لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑے نپے تلے الفاظ میں تمہید باندھی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

”دیکھو سلمٰی! میں تم پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اس پر مجھے رتی برابر بھی یقین نہیں۔ تم اس بارے میں کیا کہتی ہو؟“

”میں کس بارے میں کیا کہوں؟“ وہ بالکل انجان بن گئی۔ ”مجھے کیا پتا‘ آپ نے کس سے کیا سن لیا ہے؟“

سلمٰی کے اس رویے پر ریحان نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے بتایا کہ باہر لوگ سلمٰی اور شاہدہ کے حوالے سے کس قسم کی چہ مگوئیاں کر رہے ہیں۔ سلمٰی نے بدمزہ ہو کر ریحان کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر بھڑک اٹھی۔

”پتا نہیں‘ تم کیسے کیسے لفنڈروں کی باتیں سنتے رہتے ہو۔“ وہ مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ ”لوگ تو پتا نہیں کیا کیا بکتے رہتے ہیں۔ کیا ضروری ہے ان کے کہے کو سنجیدگی سے لیا جائے۔“

”کسی ایک شخص کی بات ہو تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔“ ریحان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”کم از کم آٹھ دس افراد نے مجھے اس حوالے سے کچھ نہ کچھ بتایا ہے۔ میں کس کس کی زبان پکڑوں؟“

”تمہیں کسی کی زبان پکڑنے کی ضرورت نہیں۔“ سلمٰی ہاتھ نچا کر بولی۔

"پھر......؟" ریحان نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم صبح جب گھر سے نکلتے ہو تو مین گیٹ کو باہر سے تالا لگا جایا کرو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ریحان کی الجھن میں جھنجلاہٹ بھی شامل ہو گئی۔

"مطلب صاف اور سیدھا ہے۔" سلمیٰ نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ "ہماری نظر میں محلے والے سچے اور کھرے ہیں۔ ہم ماں بیٹی جھوٹی اور بدکردار ہیں لہٰذا لوگوں کا منہ بند کرنے کے بجائے تم ہمیں گھر کے اندر بند کر کے جایا کرو۔"

"میں نے ایک بار بھی تم دونوں کے کردار پر انگلی نہیں اٹھائی سلمیٰ۔" ریحان نے بات کو بنانے کی کوشش میں قدرے نرمی سے کہا۔ "انسان ایک معاشرتی جانور ہے۔ وہ جہاں بھی بودوباش اختیار کرتا ہے اسے اپنے ماحول اور اردگرد رہنے والے دوسرے جانوروں اور جانداروں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اگر یہ اتنی سی بات ہے تو ٹھیک ہے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "تم ہمیں جہنم میں ڈالو اور محلے والوں کا خاص خیال رکھو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا سلمیٰ۔" وہ جلدی سے بولا۔ "تم خوامخواہ بات کو بڑھانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"میں بات کو بڑھا رہی ہوں ...... واہ واہ...... سبحان اللہ!" سلمیٰ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "اور تم تو اصلاحی وعظ کر رہے ہو نا؟"

"اس کا مطلب ہے' مجھے تمہارے ساتھ اپنی کوئی پرابلم شیئر نہیں کرنا چاہیے۔" ریحان نے غصیلے انداز میں کہا۔

"میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔ "تم خود ہی پتا نہیں' کیا انت شنت کہے جا رہے ہو۔"

"سلمیٰ۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ "میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

وہ بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ مستفسر ہوئی۔ "مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہو؟"

"اس محلے میں اور بھی درجنوں گھر اور ان گھروں میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد آباد ہیں۔" ریحان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا نقطہ نظر سلمیٰ کی سمجھ میں انڈیلنے کی کوشش کی۔

"ایسی باتیں کسی اور کے بارے میں گردش کیوں نہیں کر رہیں؟"

"جو باتیں گردش میں ہوں انہیں افواہ کہا جاتا ہے۔" سلمیٰ نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"اب یہ تم پر منحصر ہے کہ افواہوں پر کان دھرتے ہو یا ہمارے کردار پر بھروسا کرتے ہو۔"

"اللہ کرے......لوگوں کا کہا اور دیکھا سب غلط ہو۔" وہ مثبت طرز فکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "بس تم دونوں کو میرا مشورہ ہے کہ ذرا احتیاط سے کام لو تاکہ لوگوں کو خوامخواہ باتیں بنانے کا موقع نہ ملے۔ انسان کی عزت خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔"

ریحان کے ان مصلحت آمیز الفاظ کے بعد سلمیٰ نے بھی کسی بحث وتکرار کی ضرورت محسوس نہیں کی اور بات آئی گئی ہو گئی لیکن ریحان نے دل میں ٹھان لی تھی کہ وہ موقع نکال کر ان کی خفیہ نگرانی کرے گا اور اس اونٹ کو کسی نہ کسی کروٹ بٹھا کر ہی دم لے گا۔

اگر یہ معاملہ عام محلے داروں تک محدود ہوتا تو شاید ریحان ان تلخ اور سنگین اطلاعات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال باہر کر چکا ہوتا مگر اسے خبردار کرنے والوں میں دو ایسے افراد بھی شامل تھے جو نہایت ہی سنجیدہ اور معتبر شمار ہوتے تھے۔ انہیں کبھی لغو اور فضول نوعیت کی سرگرمیوں میں ملوث نہیں دیکھا گیا تھا۔ وہ دونوں حضرات ریحان کے سچے خیر خواہ تھے اور انہوں نے یہ سب کچھ ریحان کی بھلائی اور ہمدردی میں اسے بتایا تھا۔ ان معتبر شخصیات میں ایک تو کریم صاحب تھے جو ریحان کی گلی ہی میں رہتے تھے اور دوسرے تھے غفور چاچا۔

غفور چاچا کی رہائش تو شاہ فیصل کالونی میں تھی مگر وہ گرین ٹاؤن میں ریحان کے گھر کے قریب ہی پان اور سگریٹ وغیرہ کا کیبن چلاتے تھے۔ محلے دار غفور چاچا کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آئندہ ایک ماہ کی خفیہ کوششوں نے ریحان کی عقل کے کئی دروا کر دیئے۔ اس نے سلمیٰ اور شاہدہ کی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اس کے چند عملی ثبوت بھی دیکھنے کو ملے۔ اس مشن میں صفدر نامی ایک نیا کردار بھی سامنے آیا تھا۔ سلمیٰ اور شاہدہ کا صفدر سے واضح کنکشن تھا۔ ریحان کی تحقیق کے مطابق صفدر ایک اوباش اور بدکردار شخص تھا۔ اس کی شہرت بہت بری تھی۔ اس صورت حال نے گویا ریحان کے دماغ کا فیوز اڑا دیا۔ اس رات اس نے گھر میں ایک طوفان برپا کر دیا۔

ریحان کے استفسار سے شروع ہونے والا قصہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ آتشیں ہوتا چلا

گیا۔ تو تو میں میں بہت جلد تلخ کلامی میں بدل گئی پھر باقاعدہ لفظی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ ریحان نے تپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ صفدر کون ہے؟"

"میں کسی صفدر کو نہیں جانتی۔" سلمٰی نے بے پروائی سے جواب دیا۔

ریحان نے شاہدہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم تو جانتی ہو نا' میں کس صفدر کی بات کر رہا ہوں؟"

جواب دینے سے پہلے شاہدہ نے کن انکھیوں سے اپنی ماں سلمٰی کی طرف دیکھا پھر بڑی ڈھٹائی سے نفی میں گردن ہلا دی۔ ریحان کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ماں بیٹی نے آپس میں بڑا مضبوط گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ وہ قدرے سخت لہجے میں شاہدہ سے مخاطب ہوا۔

"شاہدہ...... ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ...... کیا تم واقعی کسی صفدر کو نہیں جانتی ہو؟"

شاہدہ کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی سلمٰی بول اٹھی۔ "ہمیں کیا پتا' تم کس صفدر کی بات کر رہے ہو۔ خوامخواہ بچی کو بھی پریشان کر دیا ہے۔ شاہدہ......" وہ اپنی بیٹی کی جانب دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولی۔ "تم جاؤ دوسرے کمرے میں۔" شاہدہ نے فوراً سے پیشتر وہاں سے کھسک لینے کے لیے پیش قدمی کی۔ ریحان نے کڑک دار آواز میں کہا۔

"رکو۔" شاہدہ کے متحرک قدم رک گئے۔

ریحان نے کہا۔ "آج جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہو جاتا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح' میں تم لوگوں کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔"

"جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو ریحان۔" سلمٰی نے برہمی سے کہا۔ "بچی کو ہراساں نہیں کرو۔ جب اس نے کہہ دیا کہ یہ کسی صفدر کو نہیں جانتی تو اسے جانے دو یہاں سے۔"

"نہیں جا سکتی یہ یہاں سے۔" ریحان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک مجھے میرے سوال کا جواب نہیں مل جاتا' کوئی اس کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" سلمٰی نے ہاتھ نچا کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "شاہدہ' بیٹھ جاؤ تم ادھر۔" اس نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا پھر ریحان کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں اب بتاؤ' تم کس صفدر کی بات کر رہے ہو؟"

"میں اس صفدر کا ذکر کر رہا ہوں جو ایک آوارہ اور اوباش شخص ہے۔" ریحان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ علاقے میں اس کی شہرت اچھی نہیں۔ وہ ایک بدکردار اور جرائم پیشہ آدمی ہے۔ مجھے پتا چلا ہے وہ عورتوں کی دلالی بھی کرتا ہے۔"

"میں تو صرف ایک ہی اوباش اور بدمعاش شخص کو جانتی تھی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "میں شاہدہ کے باپ قادر کی بات کر رہی ہوں۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کمینے سے جان چھڑائی تھی......"

"قادر سے تو تم نے جان چھڑائی تھی۔" ریحان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "لیکن اب تم ماں بیٹی نے اس مردود صفدر کے ساتھ جان پھنسالی ہے۔ یہ خبیث' بدمعاش اور بدکرداری میں قادر کا بھی باپ ہے۔"

"کہہ دیا تو کہہ دیا...... بس۔" سلمٰی حتمی لہجے میں بولی۔ "کسی بھی صفدر سے ہمارا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔"

"پھر تم دونوں محمود آباد کیا لینے جاتی ہو؟" ریحان نے تیکھے انداز میں استفسار کیا۔

"محمود آباد......!" سلمٰی نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں ہاں...... محمود آباد۔"

"میں تو منظور کالونی کبھی کبھار چلی جاتی ہوں۔" وہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ "تم جانتے ہو منظور کالونی میں میری بہن فریدہ رہتی ہے۔ اب اگر......" اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"محمود آباد' منظور کالونی کے راستے میں پڑتا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ گاڑی محمود آباد کے اندر سے گزر کر ہی تو منظور کالونی پہنچتی ہے ناں۔"

"تم مجھے محمود آباد اور منظور کالونی کے بس روٹ سمجھانے کی کوشش نہ کرو سلمٰی۔" ریحان نے چڑچڑے انداز میں کہا۔ "سیدھے اور واضح الفاظ میں میرے سوال کا جواب دو۔"

"کون سا سوال؟" سلمٰی نے حیرت بھری نظر سے ریحان کی طرف دیکھا۔ ریحان اس کی ڈھٹائی پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ تاہم ضبط کے بندھن کو مضبوطی سے تھامے تھامے اس نے اپنے سوال کو دوہرا دیا۔

"میں نے یہ پوچھا تھا کہ تم دونوں محمود آباد' صفدر کے پاس کیا لینے جاتی ہو؟"

"اچھا......تو یہ صفدر محمود آباد میں رہتا ہے۔" سلمیٰ نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں۔" ریحان نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

"تمہیں یقین نہیں آ رہا تو تمہاری مرضی۔" سلمیٰ نے بے پروائی سے کہا۔ "میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ میں کسی صفدر کو جانتی ہوں اور نہ ہی کبھی ایسے شخص سے ملنے محمود آباد گئی ہوں۔"

"میں خالی خولی بات نہیں کر رہا سلمیٰ۔" ریحان نے پھنکار سے مشابہ آواز میں کہا۔ "میں جو بھی کہہ رہا ہوں اس کے ثبوت ہیں میرے پاس۔"

"ثبوت ہیں تو سامنے لاؤ۔" سلمیٰ تڑخ کر بولی۔

"سب سے بڑا ثبوت تو میں ہوں۔"

"تم......؟"

"ہاں میں۔" ریحان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے ہمیں محمود آباد کسی صفدر کے پاس جاتے دیکھا ہے؟" سلمیٰ نے ڈھٹائی کی آخری منزل کو چھوتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسا ہی سمجھ لو۔" ریحان نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"پھر تو میں تمہیں یہ مشورہ دوں گی کہ......" سلمیٰ نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "کسی اچھے اور تجربہ کار آنکھوں کے ڈاکٹر سے اپنی نظر ٹیسٹ کراؤ۔"

سلمیٰ کے ان زہریلے الفاظ کے بعد ریحان کا دماغ گھوم گیا تھا۔ اس کے بعد ان میں بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے تلخ اور ترش جملوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ ہر کوئی دوسرے کو چت اور جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس فساد کا انجام ریحان کے ان مصلحت کش الفاظ پر ہوا۔

"بس......میں تم لوگوں کو سدھرنے اور سنبھلنے کا آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر اب بھی تمہیں عقل نہ آئی تو میرے پاس صرف دو آپشنز رہ جائیں گے۔" وہ لمحے بھر کو رکا ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"نمبر ایک' میں گھر سے نکلتے وقت تم دونوں کو اندر بند کر کے باہر سے گیٹ پر تالا ڈال کر جاؤں۔ نمبر دو' میں تم لوگوں کو اپنی زندگی' اپنے گھر سے رخصت کر دوں......اور اگر ان

آپشنز کو استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو پتا ہے' میں ان میں سے کون سا آپشن منتخب کروں گا۔"

شاہدہ اور سلمیٰ نے بہ یک وقت متذبذب نظروں سے ریحان کی طرف دیکھا۔ تاہم ان میں سے کسی نے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ریحان نے فیصلہ کن اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

"سیکنڈ آپشن!" وہ دونوں بے یقینی سے اس کا چہرہ تکنے لگیں۔

اس کے چند روز بعد ہی وہ افسوس ناک واقعہ پیش آ گیا تھا جس کے نتیجے میں ریحان عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں تھا اور میں اس کا کیس لڑنے کی تیاری میں مصروف تھا۔

◈◇◈

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان پیش کیا۔ میں نے اپنا وکالت نامہ مع ملزم ریحان کی درخواست ضمانت دائر کر دیا۔ جج نے حیرت بھری نظر سے میری جانب دیکھا اور پوچھا۔

"بیگ صاحب! اس کیس میں آپ وکیل صفائی ہیں نا؟"

"یس......یور آنر۔" میں نے سر کی اثباتی جنبش سے شائستہ انداز میں جواب دیا۔

"ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

جج کے حکم پر عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ میں نے ملزم کی ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کیے۔

"جناب عالی! میرا موکل اس معاشرے کا ایک معزز شہری ہے۔ کسی گہری سازش کے تحت اس بے چارے کو اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ وقت آنے پر میں ثابت کر دوں گا کہ ملزم بے گناہ ہے لہٰذا میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ ملزم کی ضمانت منظور کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا جائے۔ ویٹس آل یور آنر۔"

ایک بات کا میں ذکر کرنا بھول گیا کہ ملزم کی بہن مسز سفیان شخصی ضمانت کا بندوبست نہیں کر سکی تھی البتہ ذاتی مچلکے پر ضمانت کے قانونی انتظامات کے لیے پوری طرح لیس ہو کر وہ آج عدالت پہنچی تھی۔

وکیل استغاثہ میرے خاموش ہوتے ہی متحرک ہو گیا۔ "یور آنر! ملزم نے جس گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے اس سے اس کی ساری پارسائی اور معزز پن کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔"

لمحاتی توقف کر کے اس نے معاندانہ انداز میں میرے مؤکل کی طرف دیکھا پھر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔

"یہ شخص سخت سے سخت ترین سزا کا مستحق ہے جناب عالی۔"

میں نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا "مائی ڈیئر کونسلر! ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے میرے مؤکل کے کسی گھناؤنے جرم کا ذکر کیا ہے۔ آپ مجھے اس فعل کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟"

"کمال ہے۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "آپ کو نہیں پتا' آپ کے مؤکل کو کس سنگین جرم کے الزام میں عدالت تک لایا گیا ہے؟"

"فرض کرلیں کہ نہیں پتا۔" میں نے سادگی سے کہا۔

"آپ کی معصومیت پر قربان جانے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"آپ اپنا یہ شوق بعد میں کسی وقت پورا کر سکتے ہیں۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "فی الحال میرے سوال کا جواب دیں۔"

"ملزم نے جس سنگین فعل کا ارتکاب کیا ہے......" وکیل استغاثہ نے ان الفاظ کے ساتھ' میرے سوال کے جواب میں تفصیل بیان کرنا شروع کی۔ جب وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"میرے فاضل دوست! کیا آپ مجھے بتایا پسند کریں گے کہ زیرِ سماعت کیس حدود آرڈیننس کی کون سی دفعہ کے تحت آتا ہے؟"

"لگتا ہے' آپ نے اس کیس کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا اور بغیر کسی تیاری کے ہی عدالت پہنچ گئے ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ "اگر آپ نے کیس فائل کو اچھی طرح دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہوتی تو اس سوال کی نوبت ہی نہ آتی۔ وہاں سب کچھ درج ہے۔"

"یقیناً درج ہے۔" میں نے بڑی رسان سے کہا۔

"پھر آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وکیل استغاثہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا پھر امداد طلب نظروں سے جج کو دیکھنے لگا۔

جج نے میری طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ "اس سوال کا کوئی خاص مقصد؟"

"جی ہاں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وکیل صفائی کے سوال کا جواب دیا جائے۔"

وکیل استغاثہ نے برا سامنہ بنایا اور میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ دفعہ چھ کا کیس ہے۔"

"آر یو شیور؟"

"یس' آئی ایم۔" وہ بڑے وثوق سے بولا۔ "دفعہ چھ زنا بالجبر کے ذیل میں لگائی جاتی ہے اور دفعہ چار زنا بالارادہ کے ذیل میں۔"

"اتنی اہم معلومات بہم پہنچانے کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

وکیل استغاثہ متعجب نظروں سے مجھے تکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں نے معلومات کے حوالے سے اس کی تعریف کی تھی یا مذاق اڑایا تھا۔ میں نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی ایک اور سوال کر ڈالا۔

"اب لگے ہاتھوں ذرا یہ بھی بتا دیں کہ حدود آرڈیننس کی مذکورہ متعلقہ دفعہ کے بارے میں قرآن کریم کا کیا حکم ہے؟"

"اس آرڈیننس کی بابت قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے کہ......" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر اللہ کے معاملے میں ترس نہیں آنا چاہیے۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر رہنا چاہیے۔ زانی مرد سوائے زانیہ عورت یا مشرکہ کے نکاح نہیں کرے گا اور زانیہ عورت سوائے زانی مرد یا مشرک کے نکاح نہیں کرے گی اور ایمان والوں پر ایسا کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"ایک روایت کے مطابق' اگر کوئی کنواری عورت' کنوارے مرد سے زنا کرے تو ان دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر کوئی شادی شدہ عورت' شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو ان دونوں کو سنگسار کیا جائے۔"

"درست۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "آپ نے جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا

ہے وہ سورۃ النور کا بیان ہے اور آپ کی آخرالذکر پیش کردہ روایت مشکوٰۃ شریف سے ہے۔"

"جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "لیکن زیرِ سماعت کیس میں ملزم ریحان نے ایک ظالم کا کردار ادا کیا ہے۔ ملزم کے ظالمانہ اور جابرانہ فعل میں شاہدہ کی مرضی شامل نہیں تھی۔ شاہدہ مظلوم ہے۔ اس ظلم کی سزا صرف اور صرف ملزم کو ملنا چاہیے۔"

"اس بات کا فیصلہ کرنا معزز عدالت کا کام ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میرے فاضل دوست، یہ بتائیں کہ قرآنی بیان میں ترمیم کا حق آپ کو کس نے دیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"مائی ڈیئر کونسلر!" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے سورۃ النور کے حوالے سے زانی مرد اور زانیہ عورت کے لیے جہاں سزا کا ذکر کیا ہے وہاں سے ایک نہایت ہی اہم نکتہ تو آپ نے حذف ہی کر دیا ہے۔"

"کون سا نکتہ؟" اس کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔

میں نے کہا۔ "مذکورہ سزا کے بیان کے ساتھ ہی بلکہ اس ہی کے ذیل میں یہ بھی درج ہے کہ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔" میں نے لمحاتی توقف کر کے کھوجتی ہوئی نظروں سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟"

"نہیں، آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"میرے فاضل دوست۔" میں نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے میرے مؤکل کی ضمانت رکوانے کے سلسلے میں آپ نے اس کے جرم کی تفصیل کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس جرم کے وقت آپ جائے وقوعہ پر موجود تھے لہٰذا......" میں نے ڈرامائی انداز میں رک کر حاضرین عدالت پر ایک نگاہ ڈالی پھر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک گواہ تو اس جرم کے آپ ہی ہو گئے۔ آپ کو مزید تین گواہان کا بندوبست کرنا

ہوگا۔ ایسے گواہان جو بالغ مسلمان مرد ہوں جن سے متعلق معزز عدالت کو تزکیۃ الشہود کی بناء پر پورا اطمینان ہو کہ وہ کبائر سے اجتناب کرنے والے صادق العقول ہیں؟"

"اس کی جب نوبت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "جس کے ساتھ مجرمانہ کارروائی ہوئی ہے اس مظلوم کی گواہی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔" پھر وہ روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔

"جنابِ عالی! ڈیفنس کونسلر غیر ضروری امور کو زیرِ بحث لا کر معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں، میری عدالت سے درخواست ہے کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا جائے تاکہ عدالتی کارروائی کو نارمل انداز میں آگے بڑھنے کا موقع مل سکے۔ دیٹس آل یور آنر۔"

میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کیے۔ پندرہ بیس منٹ تک ہم دونوں کے درمیان گرم اور نرم مکالموں کا تبادلہ ہوتا رہا پھر جج نے ملزم کی درخواست ضمانت کو نامنظور کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیجنے کے احکام صادر کر دیے۔

میں یہ تسلیم کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ اس دن میں اپنے مؤکل کی ضمانت کرانے میں ناکام رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے اپنے مخصوص دلائل کی مدد سے وکیل استغاثہ کی دیوار میں شگاف ڈالنے کے مترادف تھا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

میں ملزم کی بڑی بہن مسز سفیان کے ساتھ عدالت کے کمرے سے باہر آیا تو اس نے راہداری میں میرے ساتھ چلتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیگ صاحب! میں تو توقع کر رہی تھی کہ آپ ریحان کو ضمانت پر رہا کروا لیں گے لیکن......"

اس کے ادھورے جملے کے جواب میں، میں نے کہا۔ "ضمانت کے حوالے سے تمام ملزمان کے لواحقین کی توقعات کچھ اسی نوعیت کی ہوتی ہیں لیکن یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ قتل اور حدود کے کیسز میں ملزم کی ضمانت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتی ہے۔"

"مجھے اس کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "ویسے میں مایوس نہیں ہوں بیگ صاحب۔ آج آپ نے وکیل مخالف کو خوب لتاڑا ہے۔"

میں نے مسز سفیان کے آخری جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے حوصلہ بڑھانے والے انداز میں کہا۔ ''آپ کو مایوس ہونا بھی نہیں چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں' آج پہلی پیشی تھی اس حوالے سے کیس پر میری گرفت مضبوط ہے اور اگر آپ کا تعاون حاصل رہا تو مجھے پورا یقین ہے' یہ کیس ہم جیت کر ہی رہیں گے۔''

''انشاء اللہ۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولی۔ ''بیگ صاحب' میں آپ سے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔ آپ حکم کریں۔''

''دو تین چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ آپ کو ایک اہم کام بھی کرنا ہے۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''اور اس اہم کام کا تعلق سلمٰی کے پہلے شوہر اور شاہدہ کے باپ قادر سے ہے۔ مجھے اس شخص کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔''

''کس قسم کی معلومات؟'' مسز سفیان نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''مثلاً یہ کہ......'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''وہ کس قسم کا شخص ہے۔ سلمٰی نے اس سے چھٹکارا حاصل کیا تھا یا قادر نے اس عورت سے جان چھڑائی تھی۔ ابھی تک تو ہمارے سامنے سلمٰی کا بیان ہے جس کی روشنی میں قادر ایک آوارہ اور بدقماش شخص تھا۔ عین ممکن ہے' وہ ریحان کی طرح کوئی شریف آدمی ہو اور اس نے سلمٰی کے کرتوت دیکھتے ہوئے اس سے جان چھڑائی ہو۔''

''ایسا بالکل ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''آپ نے نہایت ہی اہم نکتے کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ میں قادر کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ قادر سے ملاقات بہت سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ اگر اتنا بھی معلوم کر لیں گی کہ وہ شخص کہاں رہتا ہے۔ اس سے کیسے ملاقات ممکن ہے تو باقی کے معاملات میں خود نمٹا لوں گا۔''

''میں بہت جلد آپ کو اس سلسلے میں کوئی خوشخبری سناؤں گی۔'' مسز سفیان نے بڑے وثوق سے کہا۔

میں نے اسے مزید دو تین باتوں کے حوالے سے چند اہم ہدایات دیں پھر وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد رخصت ہو گئی۔ میں پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔

◈◇◈

آئندہ پیشی پر سب سے پہلے مظلوم شاہدہ کا بیان ریکارڈ کیا گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ حدود آرڈی نینس کے کیسز چاہے وہ جھوٹے ہوں یا سچے' بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ اگر انہیں حساس نوعیت کے کیسز کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا اور اس میں سب سے زیادہ نازک پوزیشن مجرمانہ کارروائی کا نشانہ بننے والی عورت کی ہوتی ہے۔ وکیل مخالف اس سے ایسے ایسے خطرناک سوال کرتا ہے کہ جنہیں سن کر مردوں کو بھی پسینا آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوعیت کے کیسز میں سے اسی فیصد کو تو رجسٹر ہی نہیں کروایا جاتا۔ اکثر والدین اور خود مظلوم اس عدالتی کارروائی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہی سوچ کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا' رہی سہی عزت کا بھی جنازہ نکالنے سے فائدہ۔

مظلوم شاہدہ کا بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ نے اس کیس کو مضبوطی بخشنے کے بعد مخصوص نوعیت کے سوالات کرنے کے بعد اپنی جرح موقوف کر دی۔

میں جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد شاہدہ والے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر مظلوم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاہدہ بی بی! ذرا سوچ کر بتائیں کہ جس روز آپ کا بیان کردہ واقعہ پیش آیا' اس دن کیا تاریخ تھی؟''

''اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''تیس اپریل۔''

''یعنی ماہ اپریل کی آخری تاریخ۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''آئندہ روز ماہ مئی شروع ہو گیا تھا؟''

''جی...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' شاہدہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق' یہ افسوس ناک واقعہ تیس اپریل کی رات گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان پیش آیا تھا۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں؟''

''میں رپورٹ کے الفاظ سے اتفاق کرتی ہوں۔''

''وقوعہ کے روز آپ کے اور ملزم کے علاوہ گھر میں اور کون موجود تھا؟'' میں نے سوال کیا۔

"کوئی بھی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اور تمہاری والدہ؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔ "وہ اس وقت کہاں تھی؟"

"وہ خالہ سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔"

"کون سی خالہ سے ملنے؟"

"خالہ فریدہ سے۔" اس نے بتایا۔ "جو منظور کالونی میں رہتی ہیں۔"

"رات کے گیارہ بجے تمہاری والدہ گرین ٹاؤن سے منظور کالونی کیا لینے گئی تھی؟" میں نے قدرے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔ "کیا وہاں منظور کالونی میں کوئی ایمرجنسی ہوگئی تھی؟"

"وہ رات کو وہاں نہیں گئی تھیں۔"

"پھر......؟" میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"امی کوئی چار بجے سہ پہر کو گھر سے نکلی تھیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اور کہا تھا کہ دو تین گھنٹے میں واپس آجائیں گی لیکن انہیں آنے میں دیر ہوگئی اور......"

"واقعات کے مطابق' تمہاری والدہ اس وقت واپس آئی تھی جب گھر کے اندر یہ سانحہ چل رہا تھا۔ کوئی گیارہ' ساڑھے گیارہ بجے۔" میں نے کہا۔ "میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے تائیدی انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا سوتیلا باپ یعنی اس کیس کا ملزم ریحان وقوعہ کے روز کتنے بجے گھر آیا تھا؟"

"لگ بھگ نو بجے۔"

"کیا وہ روزانہ اسی وقت گھر آیا کرتا تھا؟"

"جی' کم وبیش اسی وقت۔"

"جب تمہارا سوتیلا باپ گھر پہنچا تو گھر میں اکیلی تھیں؟"

"جی ہاں' اکیلی تھی۔"

"ملزم نے تمہاری والدہ کے بارے میں پوچھا تو ہوگا' وہ کہاں ہے؟"

"نہیں پوچھا تھا۔" وہ بڑی سادگی سے بولی۔

"کیا مطلب' کیوں نہیں پوچھا تھا؟"

"چند روز پہلے امی اور انکل میں شدید نوعیت کا جھگڑا ہوگیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے

میں بولی۔ انکل سے اس کی مراد سوتیلا باپ یعنی اس کیس کا ملزم ریحان تھا۔ "ان دونوں میں بات چیت بند تھی اور دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔"

"تم اس جھگڑے کا ذکر تو نہیں کر رہی ہو۔" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ "جس کے اختتام پر ریحان نے کہا تھا کہ اگر آپ ماں بیٹی نہیں سدھریں تو اس کے پاس صرف دو آپشنز ہی رہ جائیں گے؟"

"جی وکیل صاحب' میں اسی جھگڑے کی بات کر رہی ہوں۔"

"آپ ماں بیٹی کے لیے ملزم کے پاس کون سے دو آپشنز تھے؟"

"انکل نے کہا تھا کہ یا تو وہ گھر سے نکلتے وقت ہمیں گھر میں تالا بند کر کے جایا کریں گے یا پھر وہ ہمیں اپنے گھر سے باہر نکال دیں گے۔" وہ اتنا بتا کر خاموش ہوگئی۔

"اتنی سخت سزا؟" میں نے کندھے اچکائے۔ "آپ لوگوں نے ایسا کون سا سنگین جرم کر ڈالا تھا جو ملزم نے اتنے خطرناک آپشنز استعمال کرنے کی دھمکی دی تھی؟"

"یہ تو آپ انکل ہی سے پوچھیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"تمہارے انکل سے تمہارے سامنے ہی میں بہت کچھ پوچھوں گا مگر اس کی باری آنے پر۔" میں نے کہا۔ "فی الحال تم معزز عدالت کو یہ بتاؤ کہ ملزم نے تم ماں بیٹی کو کس بات کے لیے سدھرنے اور سنبھلنے کے لیے کہا تھا؟"

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔

"پھر کیا تھا؟"

اس نے جواب دینے سے پہلے ناگواری سے ملزم کی جانب دیکھا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ "آپ اسے انکل کی گندی ذہنیت سمجھ لیں۔"

"فرض کرو کہ میں نے وہی سمجھ لیا جو تم کہہ رہی ہو لیکن تمہارے سمجھانے اور میرے سمجھ لینے سے بات نہیں بنے گی۔" میں نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں معزز عدالت کے سامنے اپنے انکل یعنی اس کیس کے ملزم کی گندی ذہنیت کی وضاحت کرنا ہوگی۔"

شاہدہ نے کن انکھیوں سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ وکیل موصوف سے مدد کی طلب گار ہو لیکن اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ کی زبان میں جنبش پیدا ہوتی' میں نے جلدی سے کہا۔

"شاہدہ بی بی! معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ ملزم نے کس حوالے سے آپ کو سدھرنے اور سنبھلنے کی تاکید کی تھی۔ آخر آپ لوگوں میں ایسی کون سی خرابی یا برائی تھی؟"

"ہم میں کوئی خرابی یا برائی نہیں تھی۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "محلے والوں نے انکل کو ہمارے خلاف کر دیا تھا۔"

"کیا خلاف کر دیا تھا؟"

"انکل ہمیں بدکردار سمجھنے لگے تھے۔"

"محلے والوں کو آپ ماں بیٹی سے ایسی کون سی دشمنی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ آپ لوگوں کے کردار کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے تھے؟"

"یہ تو آپ انہی سے جا کر پوچھیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "ہم نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا......"

"محلے والوں کو بھی عدالت میں بلا کر پوچھ گچھ کی جائے گی۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "اگر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی تو۔" وہ مستفسر نظروں سے مجھے دیکھنے لگی کہ اب میں کون سا سوال کرتا ہوں۔

میں نے پوچھا۔ "شاہدہ بی بی! اس کیس کے ملزم یعنی تمہارے انکل یا سوتیلے باپ ریحان کے ساتھ تم لوگ کب سے رہ رہے تھے؟"

"جب سے امی نے انکل سے شادی کی تھی۔"

"میں وہی تو جاننا چاہ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہاری امی سلمیٰ اور ریحان کی شادی کب ہوئی تھی؟"

اس نے چند سیکنڈ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "اس شادی کو تین سال ہو گئے ہیں۔"

"اور......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "ملزم اور تمہاری امی بلکہ تم ماں بیٹی اور ملزم کے درمیان وہ جھگڑا کب ہوا تھا جس میں ملزم نے دو آپشنز استعمال کرنے کی دھمکی دی تھی؟"

"یہ تو چند روز پہلے کی بات ہے۔" شاہدہ نے جواب دیا۔

"یعنی اس جھگڑے سے پہلے سب ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا؟"

"آں ہاں......نن نہیں......" وہ الجھ کر خاموش ہو گئی۔

"کیا مطلب؟" میں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"بی بی! وکیل صاحب کے سوال کا ایک جواب دو۔" جج نے مظلوم شاہدہ کی جانب دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں یا نہ؟"

"جی۔" شاہدہ نے گردن کو اثباتی جنبش دی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"جی......میرا مطلب یہ تھا کہ چند ماہ پہلے بھی انکل نے ہمیں کھری کھری سنائی تھیں۔ وہ پہلا موقع تھا جب انکل کو ہمارے کردار پر شک ہوا تھا۔"

"یہ لگ بھگ کتنا عرصہ پہلے کی بات ہے؟"

"تین چار ماہ پہلے۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ سے گھر کی فضا میں کشیدگی پیدا ہوئی تھی۔" میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "اس سے پہلے سب امن وامان تھا؟"

"جی ہاں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

"پچھلے اڑھائی سال میں ملزم آپ ماں بیٹی کے کردار سے پوری طرح مطمئن تھا؟" میں نے کہا۔ "وہ سلمیٰ کو ایک وفادار بیوی اور تمہیں اپنی بیٹی کی طرح سمجھتا تھا؟"

"جی......جی ہاں۔"

"شاہدہ بی بی! تم نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے سامنے یہ کہا ہے کہ ملزم کی گندی سوچ کے نتیجے میں اس نے تم ماں بیٹی کے کردار کو نشانہ بنایا تھا۔" میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کی گندی سوچ کا سبب محلے والوں کا اسے تم ماں بیٹی کے خلاف بھرنا ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ محلے والوں کو آپ ماں بیٹی سے کیا دشمنی تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ جب تک ملزم کو آپ دونوں کے کردار کے حوالے سے شک نہیں ہوا تھا۔ اس کا رویہ آپ لوگوں کے ساتھ نارمل تھا اور زندگی بڑے آرام وسکون کے ساتھ گزر رہی تھی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا؟"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"شاہدہ بی بی!" میں نے اپنے لہجے میں تیزی لاتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں معزز عدالت کو بتایا ہے کہ ملزم تمہیں ہوس بھری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا تھا؟"

"جب سے انہیں شک ہوا تھا کہ ہم ماں بیٹی کا کردار صاف نہیں۔" شاہدہ نے جواب دیا۔ "امی تو ان کی بیوی تھیں' میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن وہ جس انداز میں مجھے دیکھتے تھے اسے شریفانہ یا بزرگانہ انداز بالکل نہیں کہا جا سکتا۔ وہ ایک شیطان کی نظر تھی۔"

"تمہارا مطلب ہے' ملزم تمہارے لیے بری نیت رکھتا تھا۔" میں نے کہا۔ "اور تم نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں اس امر کی وضاحت بھی کی ہے کہ تمہارے لیے ملزم کی نیت میں فتور پیدا ہو چکا تھا اور پھر جیسے ہی اسے موقع ملا' اس نے اپنی گندی ذہنیت پر عمل کر ڈالا؟"

"جی ہاں ...... یہی حقیقت ہے۔" اس نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

"اپنی گندی ذہنیت کے ساتھ پانچ چھ ماہ تک انتظار کرنا ملزم کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا یا اس سے پہلے اسے موقع نہیں ملا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے' اس سے پہلے انہیں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کا موقع نہیں ملا تھا۔" شاہدہ نے جواب دیا۔

"تم نے ملزم کی بدنیتی کو پانچ چھ ماہ پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔" میں نے جرح کے سلسلے کو رفتہ رفتہ سمیٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے اپنی امی کو اس بارے میں بتا دیا تھا؟"

"جی' ہاں بتا دیا تھا۔"

"یعنی سلمیٰ اس بات سے واقف تھی کہ ملزم تمہارے لیے' اپنے دل میں کس قسم کے گندے جذبات رکھتا تھا؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"جی امی کو ایک ایک بات کا پتا تھا۔"

"پھر بھی ...... پھر بھی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "سلمیٰ تمہیں گھر میں اکیلا چھوڑ کر اپنی بہن سے ملنے منظور کالونی چلی گئی تھی' کیوں؟"

اس نے بڑے تحمل سے میری بات سنی' پھر جواب دیا۔ "امی مجھے یہی بتا کر گئی تھیں کہ وہ سات یا زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک واپس آ جائیں گی لیکن انہیں آنے میں دیر ہو گئی اور انکل کو اپنی شیطانیت دکھانے کا موقع مل گیا۔"

اتنا کہہ کر شاہدہ نے گردن جھکا لی۔ میں سوالات کے زاویے کو تبدیل کرتے ہوئے

پوچھا۔ "شاہدہ بی بی' تمہارے اصل یعنی سگے باپ کا کیا نام ہے؟"

"غلام قادر۔" اس نے جواب دیا پھر ایسی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو کہ میں نے اس سے یہ سوال کیوں کیا تھا۔

"تمہیں غلام قادر سے بچھڑے کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"کوئی پانچ سال۔" اس نے جواب دیا۔

"اس وقت تمہاری عمر کیا ہو گی؟"

"ساڑھے تیئیس سال۔"

"اس کا مطلب ہے جب تم غلام قادر سے جدا ہوئیں تو اس وقت تمہاری عمر کم و بیش ساڑھے اٹھارہ سال تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ...... آپ کا اندازہ درست ہے۔"

"اٹھارہ' ساڑھے اٹھارہ سال اچھی خاصی عمر ہوتی ہے۔" میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنے باپ غلام قادر کی شکل تو اچھی طرح یاد ہو گی؟"

"جی ہاں' بالکل یاد ہے۔"

"اگر تمہیں غلام قادر کی تصویر دکھائی جائے تو تم اسے بہ آسانی پہچان لو گی نا؟"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ نے بہ آواز بلند کہا۔ "اس وقت عدالت میں جو کیس ساعت ہے اس کا مظلوم شاہدہ کے باپ غلام قادر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ڈیفنس کونسلر غیر ضروری باتوں میں الجھ کر ایک طرف معزز عدالت کا وقت برباد کر رہے ہیں تو دوسری جانب یہ سیدھی سادی مظلوم شاہدہ کو ہراساں کرنے کی کوشش بھی ہے لہٰذا ......" وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں معزز عدالت سے پُرزور استدعا کروں گا کہ وکیل صفائی کو ایسی حرکت سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔"

"بیگ صاحب۔" وکیل استغاثہ کے اعتراض پر جج نے مجھ سے پوچھا۔ "شاہدہ بی بی کے باپ غلام قادر کا زیرِ سماعت کیس سے کوئی تعلق بنتا ہے؟"

"بہت گہرا تعلق جناب عالی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور مناسب وقت آنے پر میں یہ تعلق ثابت کر کے بھی دکھا دوں گا۔"

"اور وہ مناسب وقت کب آئے گا؟" وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہوسکتا ہے' وہ مناسب وقت اگلی پیشی ہی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ پیشی کیوں نہیں؟" سوال وکیل استغاثہ نے کیا تھا لیکن میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے جج کی جانب دیکھا پھر کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد کہنا شروع کیا۔

"جناب عالی! ممکن ہے' عدالت ملزم کی بیوی سلمیٰ کے ماضی سے واقف نہ ہو۔ سلمیٰ کے مطابق' شاہدہ کا باپ قادر ایک اوباش اور شرابی شخص تھا۔ وہ سلمیٰ کو زدوکوب کرتا تھا۔ گالم گلوچ کرتا تھا۔ الغرض' اس نے سلمیٰ اور شاہدہ کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی لہٰذا سلمیٰ نے ایک روز اس آوارہ بدمعاش سے جان چھڑالی۔ اس نجات کے ایک سال بعد سلمیٰ اور ملزم کی شادی ہوگئی۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے سلمیٰ کے بیان پر یقین نہیں......" میں سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ جو انکشاف ملزم ریحان پر ہوا وہ مبنی برحقیقت ہو یعنی مظلوم شاہدہ اور اس کی ماں سلمیٰ واقعی کردار کی صاف نہ ہو اور اسی بنا پر قادر نے سلمیٰ کو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا ہو۔ میں نہایت ہی خفیہ انداز میں سلمیٰ کے سابق شوہر اور مظلوم شاہدہ کے حقیقی باپ پر تحقیق کر رہا ہوں۔ وہ چار روز میں قادر کے حوالے سے تمام تر سچ اور جھوٹ مجھے معلوم ہوجائے گا۔ اسی لیے میں نے وکیل استغاثہ کو آئندہ پیشی تک انتظار کا مشورہ دیا ہے۔"

"آپ اپنی تحقیق و تفتیش جاری رکھیں۔" وکیل استغاثہ برہمی سے بولا۔ "لیکن کسی تصویر کے ذریعے اپنے والد کی شناخت کیا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق نہیں' بہت ہی سنجیدہ معاملہ ہے وکیل صاحب۔" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس کو اتنا بھی ایزی نہ لیں۔"

"اس میں ایسا کون سا سنجیدہ پہلو ہے جو مجھے نظر نہیں آرہا؟" وہ تڑخ کر بولا۔

"یہ فی الحال آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔" میں نے سلگانے والے انداز میں کہا۔

"اسی لیے میں نے آپ کو آئندہ پیشی تک انتظار کا مشورہ دیا ہے۔" وہ معاندانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں مظلوم کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"جی شاہدہ بی بی! اگر میں تمہیں قادر کی تصویر دکھاؤں تو کیا تم اسے اپنے باپ کی حیثیت سے پہچان لوگی؟"

"اگر وہ میرے باپ کی تصویر ہوگی تو میں اسے ضرور پہچان لوں گی۔"

"ویری گڈ" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے پوچھا۔ "شاہدہ بی بی! میں جاننا چاہوں گا کہ وقوعہ کے روز ملزم کے گھر آنے کے بعد سے لے کر تمہارے ساتھ مبینہ ظلم یا زیادتی ہونے تک واقعات کس طرح پیش آئے تھے؟"

اس نے چند لمحات تک آنکھیں بند کر کے گزرے ہوئے واقعات کو ذہن میں مجتمع کرنے کی کوشش کی' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔

"اس روز میں گھر میں امی کا انتظار کر رہی تھی۔ امی نے سات بجے تک واپس آنے کا کہا تھا' لیکن جب آٹھ بجے تک بھی وہ واپس نہیں آئیں تو مجھے پریشانی ہونے لگی۔ نو بجے انکل آگئے۔" اس نے رک کر ملزم ریحان کی جانب دیکھا پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"انکل نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی امی کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال کیا۔ یہ سیدھا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے کچن کا کام ختم کیا اور لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میری تشویش بڑھتی چلی گئی کہ امی اب تک واپس کیوں نہیں آئیں۔ کوئی ساڑھے دس بجے انکل نے مجھے آواز دی۔

"شاہدہ بیٹی' ذرا میرے پاس آنا۔" انکل کا کمرہ ٹی وی لاؤنج کے ساتھ ہی ہے۔ میں یہی سمجھی کہ انکل مجھ سے کھانے کے لیے کہیں گے۔ ہم لوگ رات کا کھانا دس بجے تک کھاتے ہیں۔ میں لاؤنج سے اٹھی اور ان کے کمرے میں چلی گئی۔"

"ایک منٹ۔" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "شاہدہ بی بی' تمہارا بیان ہے کہ ملزم کی تم پر نیت خراب ہو چکی تھی اور یہ اٹھتے بیٹھتے تمہیں ہوس بھری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا پھر تم اس کے کمرے میں چلی گئیں جبکہ تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس وقت سلمیٰ بھی گھر میں موجود نہیں تھی؟"

"یہ ٹھیک ہے کہ امی کی غیر موجودگی کے باعث مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں نے کئی بار سوچا تھا کہ اٹھ کر پڑوس میں چلی جاؤں' لیکن پھر اس خیال سے میں اپنے ارادے پر عمل کرنے سے باز آگئی کہ انکل نے پہلے ہی ہمیں کافی برا سمجھ

رکھا ہے۔ امی پہلے ہی گھر میں موجود نہیں تھیں۔ میں بھی پڑوس میں چلی جاتی تو ہمارے خلاف کیس اور بھی مضبوط ہو جاتا کہ ہمارا تو گھر کے اندر دل ہی نہیں لگتا پھر......" وہ سانس درست کرنے کے لیے رکی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"پھر انکل نے اتنے پیار سے مجھے شاہدہ بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا کہ چند لمحات کے لیے میرے ذہن سے سارے اندیشے اور خوف جاتا رہا۔ میں بے دھڑک ان کے کمرے میں چلی گئی اور پوچھا۔

"کھانا لے آؤں؟"

"کھانے نہیں' مجھے اس وقت بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس ہو رہی ہے۔" انکل نے کہا۔ "میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ اگر ایک کپ چائے......"

"ٹھیک ہے' میں چائے لا دیتی ہوں۔" میں نے ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا اور کمرے سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے چائے بنا کر ان کے کمرے میں رکھ دی۔ لگ بھگ گیارہ بجے انہوں نے مجھے دوبارہ آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا۔ میں سمجھی' چائے کے برتن اٹھانے کے لیے کہہ رہے ہوں گے۔ میں کمرے میں پہنچی تو انہوں نے چائے کے برتن والی ٹرے میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شاہدہ بیٹی' یہ ٹرے کچن میں رکھ کر میرے پاس آ جاؤ۔ مجھے تم سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔" میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ بدستور محبت بھرے انداز میں بولے۔ "گھبراؤ نہیں' مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں نے اس رات تم سے اور سلمٰی سے جو کچھ بھی کہا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ تم دونوں کردار کی صاف و شفاف ہو۔ میں تم لوگوں سے اپنے رویے کے لیے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ تمہاری ماں آ جائے تو تم دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر بات کروں' وہ تو پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے۔" انکل کے مشفق اور مہربان رویے کی وجہ سے میرا سارا ڈر اور خوف جاتا رہا۔ میں نے انہیں امی کے بارے میں مزید بتایا۔

"امی منظور کالونی گئی ہیں خالہ کے گھر۔" میں نے بتایا۔ "کہہ رہی تھیں زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک واپس آ جائیں گی لیکن ابھی تک نہیں آئیں۔"

نہیں آئی تو آ جائے گی وہ بھی۔ انکل نے بے پروائی سے کہا۔ "تم کچن میں برتن رکھ کر آؤ پھر ہم باتیں کرتے ہیں۔"

میں چائے کے برتنوں والی ٹرے کچن میں رکھ کر آئی تو وہاں کا منظر ہی بدل گیا۔ میں جیسے ہی انکل کے کمرے میں داخل ہوئی یہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیئے۔ مجھے حیرت کا جھٹکا سا لگا کہ یہ کہاں چلے گئے پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتی' مجھے ایک زور کا دھکا لگا اور میں جا کر انکل کے بیڈ پر گری۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو یہ شیطان دروازے کو لاک کر رہا تھا پھر...... پھر...... اس مردود نے مجھے بے بس کر دیا۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "کاش اس واقعے سے پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی۔"

"شاہدہ بی بی' تم کوئی سیل سے چلنے والی گڑیا نہیں تھیں جو ملزم کا دھکا لگنے کے بعد آف ہو گئی تھیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم نے اپنی عزت کی حفاظت کے لیے تگ و دو تو کی ہو گی یا نہیں؟"

"میں نے خود کو اور اپنی عزت کو بچانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے تھے۔" وہ دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس شیطان نے میری کوئی پیش نہیں چلنے دی۔ اس کے اندر جیسے کسی وحشی گینڈے کی طاقت بھر گئی تھی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے ہوس ٹپکتی تھی۔ میں نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ناخنوں سے اس کے چہرے اور گردن کو بھی نوچا۔ آپ میرے نوچنے کے نشانات اس کے چہرے اور گردن پر دیکھ سکتے ہیں۔"

وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ اس کے ناخنوں نے واقعتاً ریحان کی گردن اور چہرے کو گھائل کر دیا تھا۔ ان زخموں کے نشانات کھرنڈ کی شکل میں اب بھی نظر آ رہے تھے۔ شاہدہ اپنے اشک بار بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"اپنے بچاؤ کی کوشش میں میرا لباس تار تار ہوتا چلا گیا۔ اس رات میری ہر کوشش ناکام رہی۔ میرے چیخنے چلانے کی آوازیں بند کمرے سے باہر نہ جا سکیں اور یہ ہوس پرست مجھے برباد کرتا چلا گیا۔ جب امی کمرے کے اندر داخل ہوئیں تو میرا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس شیطان کی اولاد نے مجھے تباہ کر ڈالا تھا۔" اس نے نفرت بھرے انداز میں' اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ کیا اور اضافہ کرتے

ہوئے بولی۔

''کاش' میں اپنی تباہی اور بربادی کی داستان سنانے کے لیے آج زندہ نہ ہوتی۔ اس ذلت کی زندگی سے تو موت اچھی تھی۔''

پھر وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ عدالت کے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حاضرین عدالت کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ جج بھی شاہدہ کے بیان سے متاثر نظر آتا تھا۔ میں اس کیفیت کو زیادہ دیر برقرار رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔

''شاہدہ بی بی!'' میری گونج دار آواز نے عدالت کے کمرے میں چھائے ہوئے سکوت کا سینہ چیر ڈالا۔ ''ٹریجڈی سین ختم ہو چکا۔ تم نے اپنی لائنیں بول دی ہیں۔ اب اداکاری روک دو...... کیمرہ رک چکا ہے۔ کیا تم نے کٹ کی آواز نہیں سنی؟''

''کیا مطلب؟'' شاہدہ کے بجائے وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ مظلوم شاہدہ اب تک اداکاری کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی جبر' کوئی زیادتی نہیں ہوئی؟''

''جی ہاں۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''یہی حقیقت ہے۔''

''آپ مظلوم کی بے عزتی کر رہے ہیں۔''

''جس شخص کو اپنی عزت کا خود خیال نہ ہو' معاشرہ اسے عزت نہیں دیتا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''اگر مظلوم عزت دار لڑکی ہوتی تو درجنوں افراد کے سامنے اتنا بڑا اسٹیج ڈرامہ نہ رچاتی۔ اس کے مگرمچھ کے آنسو افسانوی تصویر میں حقیقت کے رنگ نہیں بھر سکے۔''

''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟'' وکیل استغاثہ نے خاصی بدتمیزی سے پوچھا۔

''بیگ صاحب۔'' جج کو بھی مجبوراً مداخلت کرنا پڑی۔ ''آپ اپنے مؤقف کی وضاحت کریں۔''

''آف کورس یور آنر۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا پھر وکیل استغاثہ' مظلوم شاہدہ سمیت حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اپنے مؤکل کی بے گناہی کے حق میں کچھ اس انداز میں دلائل دینا شروع کیے۔

''جناب عالی! مظلوم شاہدہ نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ وقوعہ سے چند روز پہلے ملزم اور ان ماں بیٹی کے درمیان ایک رات شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا جس میں ملزم نے واضح

طور پر دو آپشنز استعمال کرنے کی دھمکی دی تھی۔ ملزم کو ان ماں بیٹی کے کردار پر بڑا مضبوط شک تھا اور اس نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ اگر انہوں نے اپنے طور طریقے درست نہ کیے تو وہ یا تو انہیں گھر میں تالا بند کر کے اپنے کام کاج کے لیے نکلے گا یا پھر وہ انہیں اپنی زندگی اور اپنے گھر ہی سے نکال باہر کرے گا اور اس نے سیکنڈ آپشن استعمال کرنے پر زیادہ زور دیا تھا یعنی اگر یہ ماں بیٹی اپنی غیر نصابی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو وہ انہیں سیدھا سیدھا اپنے گھر سے چلتا کر دے گا۔ ان حالات کی روشنی میں مظلوم شاہدہ کے بیان کا آخری حصہ کوئی اور ہی بھونڈی اور غیر منطقی کہانی سناتا ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر سلسلہ دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ریحان کے خانگی حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ جب وقوعہ کی رات وہ لگ بھگ نو بجے گھر پہنچا اور اس نے اپنی مبینہ بدکردار بیوی کو گھر میں موجود نہ پایا تو اسے مظلوم شاہدہ سے سلمٰی کے بارے میں سوال کرنا چاہیے تھا کہ وہ کہاں گئی ہے' کیوں گئی ہے اور کب تک واپس آئے گی لیکن مظلوم شاہدہ کے بیان کے مطابق ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جو کہ ایک سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ نمبر دو......'' میں نے تھوڑی دیر رک کر پھر بولنا شروع کیا۔ ''ہم چند سیکنڈ کے لیے مظلوم شاہدہ کے بیان کو درست مان لیتے ہیں مگر جب مظلوم نے ملزم کے کمرے میں جا کر اسے خود بتایا کہ اس کی امی منظور کالونی اپنی بہن فریدہ سے ملنے گئی ہے اور اس نے سات آٹھ بجے تک واپس آنے کو کہا تھا لیکن جب رات کے گیارہ بجے تک بھی سلمٰی کی واپسی نہیں ہوئی تو ملزم کو اصولاً آگ بگولا ہو جانا چاہیے تھا۔ اسے فوری طور پر اپنی سالی فریدہ کے گھر فون کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی کہ سلمٰی اب تک واپس کیوں نہیں آئی لیکن مظلوم شاہدہ کے مطابق' ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ میری معلومات کے مطابق دونوں گھروں میں ٹیلی فون کی سہولت موجود ہے اور سب سے اہم نکتہ......'' میں نے ڈرامائی انداز میں رک کر جج کی جانب دیکھا اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ملزم وقوعہ کی رات نو بجے اپنے گھر آ گیا تھا۔ بیوی کو گھر میں نہ پا کر یقیناً اس کا دماغ گرم ہو گیا ہوگا یہ تو ممکن نہیں کہ اس نے مظلوم شاہدہ سے اس کی امی کے برے میں پوچھ کچھ نہ کی ہو۔ ان دنوں ملزم کے گھر میں جس نوعیت کے حالات چل رہے تھے اس میں اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ملزم نے مظلوم کو بڑی محبت اور دلار سے شاہدہ بیٹی کہہ کر مخاطب

کیا ہو؟اس سے چائے کی فرمائش کی ہو اور بڑی ندامت کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ان تمام امور کو بھی چند لمحات کے لیے اگر درست مان لیا جائے تو پھر ایک بات کسی بھی طور قابل ہضم نہیں ہے......" میں نے اپنا بیان نامکمل چھوڑ کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ وہ اضطراری انداز میں مستفسر ہوا۔

"کون سی بات ناقابل ہضم ہے؟"

میں نے وکیل مخالف کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے جج سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جناب عالی! کوئی انسان کتنا شریف ہے یا کتنا بدمعاش' یہ اس انسان کا ذاتی فعل شمار ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ہم انسان کی بنیادی فطرت کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اگر ملزم ریحان کو اپنی بیوی اور سوتیلی بیٹی کے کردار پر بھروسا نہیں تھا اور وہ ان ماں بیٹی کو راہ راست پر دیکھنے کا خواہاں تھا تو پھر فطرت کے اصول کے مطابق' وہ خود کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا جو اس کے کردار کو داغ دار کرنے کا وسیلہ کے ساتھ......ایسے موقع پر کہ کسی بھی لمحے اس کی بیوی وہاں پہنچنے والی ہو۔ کسی بھی صورت میں یہ ممکن دکھائی نہیں دیتا لہٰذا......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میرے مؤکل کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس مجرمانہ کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ وہ عدالت سے ایک ناکردہ جرم کی سزا پا کر جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے چلا جائے اور اس دوران میں یہ ماں بیٹی اس کے کاروبار' دولت اور جائیداد پر قابض ہو کر اپنی مرضی کے گل چھرے اڑانے والی زندگی سے لطف اندوز ہوسکیں۔ ملزم ان کے راستے کا کانٹا تھا۔ یہ کانٹا ہٹتے ہی یہ دونوں شاہراہ آوارگی پر اس طرح سرپٹ دوڑتی چلی جائیں کہ......"

"تو آپ کے خیال میں ملزم اپنی بیوی اور سوتیلی بیٹی کی مشترکہ سازش کا شکار ہوا ہے؟"

جج نے مجھ سے سوال کیا۔ "درحقیقت وہ بے گناہ ہے۔ اس سارے بکھیڑے میں اس کا کوئی کردار نہیں؟"

"یس یور آنر۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "آبروریزی کا یہ کیس کسی اسکرپٹ ڈرامے سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے۔"

"کیا آپ اپنے اس مؤقف کو عدالت کے سامنے سچ ثابت کر سکتے ہیں؟"

"جی ہاں' ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ۔" میں نے غیر متزلزل لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈجارنڈ۔"

◈◇◈

آئندہ روز ملزم کی بڑی بہن مسز سفیان یعنی عطیہ بیگم مجھ سے ملنے میرے آفس آئی۔ اس دن وہ بہت خوش تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔

"بیگ صاحب' کل والی پیشی پر تو آپ نے اس حرافہ شاہدہ کی پیش نہیں چلنے دی۔ سچ پوچھیں تو مجھے بہت مزہ آیا تھا۔"

"آگے آگے دیکھیں ہوتا ہے کیا۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ ہے کہ آپ میری کارکردگی سے خوش ہیں۔"

"خوش بھی اور پُرامید بھی" وہ بڑے جوش سے بولی پھر پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ نے قادر کے حوالے سے تصویر اور شناخت کا کیا چکر چلا دیا ہے؟"

"کوئی چکر نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دراصل ایک چھوٹا سا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسا تجربہ؟" وہ حیرت بھری نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ "پہلے آپ یہ بتائیں کہ میں نے آپ کو قادر کے حوالے سے جو کام کرنے کو کہا تھا اس کا کیا بنا؟"

"وہ کام ہو گیا ہے۔" وہ بڑے فخریہ انداز میں بولی۔ "میں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے پتا چلا لیا ہے کہ قادر آج کل کہاں ہے۔"

"ویری گڈ۔" میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے ہینڈ بیگ میں سے ایک تہ شدہ کاغذ نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے مذکورہ کاغذ کھول کر دیکھا۔ اس میں قادر کا موجودہ ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ میں نے ایڈریس والے کاغذ کو اپنی میز کی دراز میں ڈالا پھر مسز سفیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جیسا کہ میں نے پہلے بھی اس امر کا اظہار کیا تھا کہ عین ممکن ہے' قادر کوئی نیک اور صلح

جو شخص ہو اور اس نے سلمٰی اور شاہدہ کے کردار کی وجہ سے انہیں اپنی زندگی سے الگ کیا ہو۔ یہ ناممکن تو نہیں...... سلمٰی کا بیان' قادر کے خلاف ایک سوچا سمجھا پروپیگنڈا بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"آپ کی بات میں بھی وزن ہے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "ایسا بالکل ہو سکتا ہے۔"

"اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ میں سوچ رہا ہوں اور میری اس سوچ کی تصدیق بھی کر رہی ہیں تو پھر قادر سے میری ملاقات' ہمارے کیس کے سلسلے میں بڑی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"اگر قادر عدالت میں آ کر سلمٰی اور شاہدہ کے کردار کے حوالے سے گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو ریحان کی بے گناہی ثابت کرنے میں بہت آسانی ہو جائے گی۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔ "لیکن آپ کی ایک بات میری سمجھ میں نہیں بیٹھ سکی۔"

"کون سی بات؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"وہ تصویر شناخت والا معاملہ۔"

"وہ میں نے محض شاہدہ' سلمٰی اور وکیل استغاثہ کو چکر دینے اور الجھانے کے لیے ایک چال چلی ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ تصویر اور شناخت کے حوالے سے مختلف انداز میں قیاس آرائیاں کرنے میں پھنسے رہیں گے اور اگر اللہ نے چاہا تو میں آئندہ پیشی پر قادر کو صفائی کے گواہ کے حیثیت سے عدالت میں پیش کر کے ان پر ایٹم بم گرا دوں گا۔"

"آپ کا آئیڈیا بہت دھانسو اور جاندار ہے۔" وہ ستائشی نظر سے میری طرف دیکھنے لگی۔ "اگر قادر والا معاملہ آپ کی اُمید کے مطابق نکل آئے تو؟"

"امید پر دنیا قائم ہے مسز سفیان۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میں کسی بھی حال میں امید کے دامن پر اپنی گرفت کمزور نہیں پڑنے دیتا۔ میں خدا کی رحمت' اپنی محنت اور امید کی کرن کے سہارے زندہ ہوں۔"

"واہ واہ...... سبحان اللہ!" وہ بے ساختہ بولی۔

ہمارے درمیان مزید پندرہ منٹ تک ریحان، سلمٰی اور شاہدہ کے حوالے سے بات چیت ہوتی رہی پھر وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد میرے دفتر سے رخصت ہوگئی۔

آئندہ روز میں نے مسز سفیان کے فراہم کردہ ایڈریس پر جا کر اپنے تئیں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو مجھ پر حیرت اور دلچسپی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکل آیا تھا۔ میں جو کچھ سوچ کر گیا تھا اس سے انتہائی مختلف صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ نئی سچویشن کا تقاضا یہی تھا کہ میں سردست قادر سے ملاقات نہ کروں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ میرے ذہن میں ایک نیا اچھوتا آئیڈیا آ گیا تھا۔ اگر میں احتیاط سے کام لیتا تو وہ بندہ اس کیس کے لیے ہماری توقع سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا تھا۔

کیسے ...... فی الحال میں آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ سلمٰی، شاہدہ، وکیل استغاثہ جج اور حاضرین عدالت کے ساتھ آپ بھی اگلی پیشی کا انتظار کریں۔ چلتے چلتے صرف اتنا جان لیں کہ میں نے اپنے مخصوص ذرائع استعمال کر کے قادر کی ایک تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ یہ پانچ ضرب سات انچ کی ایک واضح تصویر تھی جو شناخت کے مقاصد کے لیے بہت عمدہ ثابت ہوسکتی تھی۔ اب میں بے حد مطمئن اور پُرسکون تھا۔

◈◇◈

آئندہ پیشی پر سب سے پہلے استغاثہ کی جانب سے دو گواہ یکے بعد دیگرے عدالت میں پیش کیے گئے۔ یہ دونوں افراد ملزم ریحان کے محلے دار تھے جو وقوعہ کی رات سلمٰی کی چیخ و پکار پر اس کے گھر پہنچ گئے تھے۔ دونوں نے جو بیان دیا وہ شاہدہ کی حمایت اور میرے مؤکل کے خلاف جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے شاہدہ کی جو حالت دیکھی تھی بلکہ سلمٰی نے انہیں جو کچھ دکھایا اور بتایا تھا وہ اسی کی روشنی میں گواہی دینے آئے تھے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان دونوں افراد نے استغاثہ کے ہاتھ پاؤں مضبوط کرنے کے لیے کیا کیا تیر مارے ہوں گے۔ میں نے ان دونوں کے بیانات میں کوئی خاص بات محسوس نہیں کی لہٰذا ان کا ذکر گول کرتے ہوئے میں آگے بڑھتا ہوں۔

اس سے قبل کہ وکیل استغاثہ کسی اور گواہ کو شہادت کے لیے کٹہرے تک لانے کی زحمت کرتا، میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے صرف ایک

سوال کرنا چاہوں گا۔"

جج نے فوراً مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ کسی بھی کیس کے تفتیشی افسر کو ہر پیشی عدالت میں موجود رہنا ہوتا ہے۔ مذکورہ تفتیشی افسر جج کے حکم سے وٹنس باکس میں آکر کھڑا ہوگیا۔

وہ ایک ڈھیلا ڈھالا، موٹا تازہ اور ست الوجود سب انسپکٹر تھا جس کا نام خیر سے خیر دین تھا۔ میں گواہوں والے کٹہرے کے قریب پہنچا تو آئی او انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"خیر دین صاحب، کیا آپ نے وقوعہ کے فوراً بعد جبر اور ظلم کا شکار ہونے والی شاہدہ بی بی کا مخصوص نوعیت کا میڈیکل چیک اپ کروایا تھا؟"

"نہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیوں نہیں؟"

"ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے تحیر خیز آواز میں کہا۔

"مظلوم شاہدہ موقع پر موجود تھی" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس کی حالت ظلم و جبر کی کہانی سنا رہی تھی۔ اس کی تباہی و بربادی کو نوٹ کرنے والے تین گواہ (سلمٰی سمیت) ہمیں میسر آ گئے تھے پھر......" وہ لمحے بھر کے لیے تھما پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"پھر...... مظلوم شاہدہ بی بی از خود چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ ملزم ریحان یعنی اس کے سوتیلے باپ نے اسے بری طرح برباد کر ڈالا ہے......"

"یہ......!" میں نے شاہدہ بی بی کی جانب انگلی سے اشارہ کیا پھر وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہ آواز بلند کہا۔ "چیخ چیخ کر اپنی بربادی کا اعلان کر رہی تھی یا سرگوشیوں کے ذریعے لوگوں کو اپنے غم سے آگاہ کر رہی تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس کو ہر حال میں قانونی تقاضے پورے کرنے چاہئیں تھے جو کہ نہیں کیے گئے۔" میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرنے کے لیے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! مظلوم شاہدہ بی بی کا مخصوص میڈیکل چیک اپ بہت ضروری تھا تاکہ اس کے دعوے اور ملزم کے جرم کی تصدیق کی جا سکتی، لیکن پولیس نے اس چیک اپ کی

ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ یہ فرائض سے غفلت' پیشہ وارانہ کوتاہی اور استغاثہ کے ایک بھیانک سقم کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ یہاں یہ موقف اختیار کروں گا کہ یہ پولیس اور استغاثہ کی سازشانہ ملی بھگت کا شاخسانہ ہے۔ اگر مذکورہ چیک اپ کروا لیا جاتا تو دودھ کا دودھ' پانی کا پانی ہو جاتا تھا۔ اس کوشش کے نتیجے میں میرا موکل بے گناہ ثابت ہو جاتا' لیکن استغاثہ کی بدنیتی کہ وہ ملزم کو ایک ناکردہ جرم میں لمبے عرصے کے لیے جیل بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہے...... دیٹس آل یور آنر۔"

جج تھوڑی دیر تک گردن جھکائے اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر مختلف انداز میں قلم چلاتا رہا پھر وکیل استغاثہ کو عدالتی کارروائی کو آگے بڑھانے کے لیے کہا۔

وکیل استغاثہ نے اس کیس میں استغاثہ کی سب سے اہم گواہ اور ملزم کی بیوی سلمیٰ کو شہادت کے لیے بلانے کا اعلان کیا تو میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے درخواست کی۔

"جناب عالی! میں سلمیٰ کی گواہی سے پہلے اس کیس کی مظلوم شاہدہ سے ایک ضروری سوال کرنا چاہتا ہوں...... اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو......!"

"اجازت ہے......" جج نے دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو شاہدہ بی بی سے جو بھی پوچھنا ہے' اس میں زیادہ وقت صرف نہیں ہونا چاہیے۔"

"صرف ایک سوال یور آنر......!" میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "اور اس سوال کا تعلق "شناخت" کے معاملے سے ہے۔ وہ میں نے پچھلی پیشی پر......" میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر چبھتی ہوئی نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور کہا۔

"پچھلی پیشی پر میں نے کسی تصویر کا ذکر کیا تھا۔ وہ تصویر میں نے حاصل کر لی ہے۔ یہ سوال اسی تصویر سے متعلق ہے۔"

وکیل استغاثہ کے چہرے پر تشویش دوڑ گئی۔ شاہدہ بھی چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ جج کی نگاہ میں بھی دلچسپی شامل ہو گئی تھی۔

میں نے اپنے بریف کیس میں سے بھورے رنگ کا ایک لفافہ نکالا۔ قادر کی تصویر کو میں نے اسی لفافے میں رکھا ہوا تھا۔ میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد شاہدہ بی بی والے کٹہرے کے پاس پہنچا تو پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"شاہدہ بی بی! آپ نے گزشتہ پیشی پر مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا۔ آپ کو یاد تو ہو

گا......؟"

میں چونکہ چند لمحے پہلے فوٹو کا ذکر کر چکا تھا اور شاہدہ اس ذکر پر چونکی بھی تھی' لہٰذا وہ بڑے اطمینان سے بولی۔ "جی ہاں...... مجھے یاد ہے' آپ مجھے میرے باپ قادر کی تصویر دکھانا چاہتے ہیں اور مجھ سے شناخت کرانا چاہتے ہیں کہ میں تصویر دیکھ کر اپنے باپ کو پہچان سکتی ہوں یا نہیں......"

"ویری گڈ......" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "تمہاری یادداشت قابلِ تحسین ہے۔"

پھر آئندہ چند سیکنڈ میں' میں نے بھورا لفافہ کھول کر اس کے اندر سے قادر کی تصویر نکالی اور شاہدہ بی بی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"لو...... اس فوٹو کو اچھی طرح دیکھ کر شناخت کرو۔"

مذکورہ تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھوں اور چہرے پر شناسائی کے تاثرات نمودار ہوئے اور اگلے ہی لمحے اس کی سرسراتی ہوئی آواز عدالت کے کمرے میں سنائی دی۔

"مم...... میں نے پہچان لیا...... یہ میرے باپ...... قادر کی تصویر ہے۔ ایک سو ایک فیصد قادر کی تصویر......!"

"دیٹس آل یور آنر......!" میں نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

وکیل استغاثہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اس قسم کی شناخت سے آپ کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں......؟"

میں نے وکیل مخالف کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور شاہدہ بی بی کے ہاتھ سے قادر کی تصویر لے کر جج کی جانب مڑ گیا۔ پھر میں نے وہ تصویر جج کی سمت بڑھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"جناب عالی! آج کی کارروائی کے اختتام تک یہ تصویر معزز عدالت کے پاس امانت کے طور پر محفوظ رہے گی۔"

"جج نے میرے ہاتھ سے وہ تصویر لے لی۔ چند لمحات تک وہ کھوجتی ہوئی نظر سے مذکورہ تصویر کو گھورتا رہا پھر اسے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات کے نیچے دبا دیا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"بیگ صاحب! آپ شاہدہ سے کچھ اور پوچھنا چاہیں گے؟"

"ناٹ ایٹ آل یور آنر......" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

جج نے وکیل استغاثہ سے کہا۔ "آپ اب گواہ کو پیش کر سکتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد استغاثہ کی سب سے اہم گواہ سلمیٰ وٹنس باکس میں آکر کھڑی ہو گئی۔ اس امر کی پہلے بھی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ عدالت میں باری باری ایک ایک گواہ کو بلا کر اس کا بیان لیا جاتا ہے تاکہ کسی ایک کی گواہی دوسرے کے بیان کو متاثر نہ کر سکے۔ میں نے فوٹو کی شناخت کے حوالے سے شاہدہ کے ساتھ جو بھی ٹرائل کیا تھا' سلمیٰ اس کی تفصیل سے واقف نہیں تھی اور میری پلاننگ کا حصہ تھا...... وہ پلاننگ جس کی مدد سے میں شاہدہ بی بی اور سلمیٰ کو چاروں خانے چت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سلمیٰ نے اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ سلمیٰ نے عدالت کے روبرو کم وبیش وہی بیان دیا تھا جو وہ وقوعہ کے روز پولیس کو بھی دے چکی تھی۔ وکیل استغاثہ نے مختلف سوالات کے ذریعے سلمیٰ کے تصدیقی جوابات کی مدد سے شاہدہ بی بی کی "فریاد" کو حق سچ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جج بڑی دلچسپی سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وکیل استغاثہ نے اپنی جرح ختم کر دی۔

میں اپنی باری پر جج سے اجازت حاصل کرنے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔

"سلمیٰ بی بی!" میں نے استغاثہ کی گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ آپ ملزم کی بیوی ہیں......؟"

میرے اس عجیب وغریب سوال پر وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی پھر اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ "جی ہاں...... یہ سچ ہے!"

"اور یہ بھی سچ ہے کہ ملزم آپ کا شوہر ہے؟"

"ظاہر ہے...... جب میں اس کی بیوی ہوں تو وہ میرا شوہر ہی ہوگا نا......!"

"اس تصدیق کے لیے بہت بہت شکریہ۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ "میرے فاضل دوست یہ کس قسم کی جرح کر رہے ہیں؟"

"جب اس جرح پر استغاثہ کی سب سے اہم گواہ سلمیٰ بیگم کو کوئی اعتراض نہیں اور وہ

بڑے صبر وسکون سے میرے سوالات کے جوابات دے رہی ہیں تو پھر استغاثہ کی جانب سے کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی......" میں نے بڑے مضبوط انداز میں کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وکیل سرکار کو کیا پریشانی ہے......؟"

جج نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ......"

"سلمیٰ بیگم!" میں گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ "کیا آپ معزز عدالت کے سامنے اس بات کی تصدیق کریں گی کہ شاہدہ آپ کی سگی بیٹی ہے؟"

"جی ہاں۔ شاہدہ میری سگی بیٹی ہے۔"

"لیکن...... شاہدہ ملزم ریحان کی سگی بیٹی نہیں؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ بڑی رسان سے بولی۔

"ریحان' شاہدہ کا سوتیلا باپ ہے......؟"

"شاہدہ کے سگے باپ کا نام قادر ہے؟"

اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں جواب دیا۔

"قادر سے آپ نے ساڑھے تین' چار سال پہلے نجات حاصل کر لی تھی؟" میں نے بڑے سنجیدہ انداز میں جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... جی ہاں!" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"وقوعہ کے روز آپ گھر میں موجود نہیں تھیں؟"

"میں اپنی بڑی بہن فریدہ سے ملنے منظور کالونی گئی ہوئی تھی۔"

"کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ کے روز آپ سہ پہر چار بجے گھر سے نکلی تھیں اور مظلوم شاہدہ سے سات' آٹھ بجے تک واپس آنے کو کہا تھا۔" میں نے پوچھا۔ "لیکن آپ کی واپسی رات گیارہ' سوا گیارہ بجے ہو سکی تھی؟"

"جی' یہ درست ہے۔" وہ نفرت بھری نظر سے ریحان کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اور جب تک یہ شیطان' میری بچی کو تباہ کر چکا تھا۔"

"جب وقوعہ کی رات آپ منظور کالونی سے واپس گھر پہنچیں تو آپ نے کیا دیکھا۔" میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے' اپنے گھر کے اندر کیا

دیکھا؟"

"میرا خیال تھا' میں زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے رات تک واپس آ جاؤں گی۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "میں خود یہ نہیں چاہتی تھی کہ جب ریحان دکان سے واپس آئے تو شاہدہ اسے گھر میں اکیلی ملے۔ شاہدہ مجھے ریحان کی بری نیت کے بارے میں تفصیلاً بتا چکی تھی لیکن ایک تو فریدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' مجھے وہاں سے نکلنے میں دیر ہو گئی' دوسرے ٹریفک جام نے بھی بہت سا وقت ضائع کر دیا تھا چنانچہ گھر پہنچتے پہنچتے کوئی گیارہ بج گئے تھے' آپ سوا گیارہ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور سوال کیا۔ "پھر آپ نے گھر کے اندر کیا تماشا دیکھا؟"

"بتا تو دیا ہے......" وہ بیزاری سے بولی۔ "جب میں گھر پہنچی تو میری بچی کی عزت کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ یہ اجڑی پجڑی زاروقطار رو رہی تھی۔ اس کے بدن کا لباس تار تار ہو چکا تھا اور......اور......بس' میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔ "وقوعہ کی رات جب آپ گھر پہنچیں تو آپ نے گھر کے اندر سے مظلوم شاہدہ کی چیخ پکار تو سنی ہو گی؟"

"چیخ پکار سن کر ہی تو میں تیزی سے اندر کی طرف بھاگی تھی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "شاہدہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔"

"آپ مظلوم کی پکار پر دوڑتے ہوئے ملزم کے کمرے میں پہنچ گئیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اس وقت تک' آپ کے بیان کے مطابق ملزم اپنے شیطانی عزائم کی تکمیل کر چکا تھا......پھر آپ کے شور مچانے پر محلے والے بھی وہاں جمع ہو گئے تھے جن میں سے دو افراد' استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے بیان بھی دے چکے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں بولی۔ "ایسا ہی ہوا تھا۔"

"وقوعہ کی رات آپ منظور کالونی سے واپس آئیں۔ گھر پہنچ کر آپ کو پتا چلا کہ مظلوم شاہدہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ مدد کے لیے پکار بھی رہی تھی۔ آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' دوڑتے ہوئے سیدھی اس کمرے میں پہنچ گئیں جہاں آپ کے بقول' ملزم نے آپ کی

دلاری کی عزت کا جنازہ نکال دیا تھا۔" میں نے رفتہ رفتہ اپنے مقصد کی طرف بڑھتے ہوئے جرح کا سلسلہ جاری رکھا۔ "گھر کے مین گیٹ سے جائے وقوعہ یعنی ملزم کے کمرے تک رسائی حاصل کرنے میں آپ کو کسی دشواری کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا تھا......؟"

"جی' بالکل نہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "میں کسی پرندے کی طرح اڑ کر پلک جھپکتے میں وہاں پہنچ گئی تھی۔"

میں نے جج کی سمت دیکھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "جناب عالی! استغاثہ کی معزز گواہ کے بیان میں شامل اس نکتے کو خاص طور پر نوٹ کیا جائے کہ یہ وقوعہ کی رات مظلوم کی پکار بلکہ فریاد پر' کسی پرندے کے مانند اڑ کر سیدھی اس کمرے میں جا پہنچی تھی جہاں استغاثہ کے مطابق ملزم نے مظلوم شاہدہ کو بے آبرو کیا تھا۔"

میری اس اسپیشل استدعا پر وکیل استغاثہ اور سلمٰی بڑی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے ان کی نظروں کو نظرانداز کر کے سلمٰی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ کی بیٹی مظلوم شاہدہ بی بی کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے؟"

"نہیں......نہیں تو......" اس استفسار پر وہ گڑبڑا گئی۔ "اس کے ساتھ جو ظلم اور زیادتی ہوئی ہے اس میں کسی غلط بیانی کا ہاتھ نہیں۔ اس کی فریاد کا ایک ایک لفظ سچ میں ڈوبا ہوا ہے۔"

"میں نے ایک عمومی عادت کی بات کی تھی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "آپ نے میرے استفسار کو زیرِ سماعت کیس سے جوڑ ڈالا ہے۔"

"م......میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ شاہدہ جھوٹ نہیں بولتی۔"

"پھر یہ مرض آپ کو لاحق ہو گا......؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

"مطلب یہ کہ......" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "پھر جھوٹ بولنا آپ کی گھٹی میں شامل ہو گا......؟"

"ہرگز نہیں!" وہ قطعیت سے بولی۔ "یہ بری عادت ہم ماں بیٹی دونوں میں نہیں ہے۔ انسان اپنے کسی جرم کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ جب ہمارا کردار' ہمارے ہاتھ صاف ہیں تو پھر ہمیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں سلمٰی بیگم!"

میں نے یہ جملہ بڑے وثوق انداز میں ادا کیا تھا لیکن چونکہ سلمٰی کو مجھ سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی لہٰذا وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اس کے تعزیے ٹھنڈے کرنے کی غرض سے کہا۔

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں سلمٰی بیگم کہ انسان اپنے کسی جرم کو چھپانے کے لیے جھوٹ اور دروغ گوئی کا سہارا لیتا ہے۔ اب مجھے معزز عدالت کے سامنے یہ حقیقت منکشف کرنا ہے کہ اگر مظلوم شاہدہ نے کوئی جرم نہیں کیا تو پھر اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟" سلمٰی متعجب نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

"گزشتہ پیشی پر......" میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "میرے سوال کے جواب میں' مظلوم شاہدہ بی بی نے خود پر بیتنے والی قیامت کا احوال بیان کرتے ہوئے معزز عدالت کے روبرو اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ جب وہ چائے کے برتنوں والی خالی ٹرے کچن میں رکھ کر ملزم کی بات سننے کے لیے اس کے کمرے میں پہنچی تو ملزم نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اسے بیڈ پر گرا کر دروازے کو اندر سے لاک کر دیا تھا۔ اگر دروازہ کھلا ہوتا یا مظلوم اسے کھول سکنے کی پوزیشن میں ہوتی تو وہ یقیناً اپنی عزت بچانے کے لیے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتی لیکن اب ......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنے مدلل بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب استغاثہ کی سب سے معتبر گواہ سلمٰی بیگم بتا رہی ہے کہ جب اس نے مظلوم شاہدہ کی چیخ و پکار سنی تو وہ کسی پرندے کی طرح اڑ کر پلک جھپکتے میں ملزم کے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ اسے گھر کے مین گیٹ سے جائے وقوعہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جبکہ مظلوم کا دعویٰ ہے کہ اس کی تباہی اور بربادی کمرے کے لاک دروازے کے پیچھے عمل میں آئی تھی......؟"

"وہ ......شاید ...... میں بھول رہی ہوں۔" وہ بے حد گڑبڑائے ہوئے انداز میں بولی۔

"جب میں نے شاہدہ کی چیخیں سنی تھیں تو میں اندھا دھند اندر کی جانب دوڑ پڑی تھی۔" وہ بگڑی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "دروازہ واقعی لاک تھا۔ میں

نے جب وہ دروازہ پیٹ ڈالا تو شاہدہ نے کھولا تھا۔"

"شاہدہ نے یا ریحان نے......؟"

"شاہدہ نے......"

"مظلوم شاہدہ بی بی تو کمرے کے اندر' ملزم کے سامنے بے بس اور لاچار تھی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ یہ کام کس طرح کر سکتی تھی......؟"

وہ آئیں' بائیں' شائیں کرنے لگی۔ میں نے اسے مکمل طور پر چت کرنے کے لیے دوسری سمت سے حملہ کیا۔

"سلمٰی بیگم! کیا یہ درست ہے کہ ملزم کو آپ ماں بیٹی دونوں کے کردار پر شک تھا؟"

"کوئی ایسا ویسا شک!" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "اس شکی آدمی کا بس چلتا تو ہمیں گھر میں تالا بند کر کے ہی باہر نکلتا...... یا کسی جیل میں سڑوا دیتا۔"

"تالا بند کرنے کی بات تو شاید ہوئی بھی تھی۔" میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اسے گھسنا شروع کیا۔ "اور اس پر ملزم کا یقیناً بس بھی چلتا تھا۔"

"ہاں یہ کئی بار ایسی بات کر چکا تھا۔" وہ ملزم کی طرف ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وقوعہ سے کتنا عرصہ پہلے ملزم کو آپ ماں بیٹی کے کردار پر شبہ ہوا تھا؟"

"کوئی چار ماہ پہلے......"

"اس شک کی وجہ؟"

"محلے والوں نے ہمارے خلاف اس کے کان بھر دیئے تھے۔" سلمٰی نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔ "اور میں سمجھتی ہوں' اس لگائی بجھائی میں اس کی آپا کا بھی بڑا ہاتھ رہا ہے۔"

"آپا......!" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کون آپا؟"

"اس کی بڑی بہن۔" وہ ملزم ریحان کی جانب دیکھتے ہوئے بیزاری سے بولی۔ "خود تو بیوہ ہو کر بیٹھ گئی ہے اور چاہتی ہے کہ دوسرے بھی سکون کی سانس نہ لیں......"

اس کا واضح اشارہ مسز سفیان کی جانب تھا۔ ریحان کا کیس مسز سفیان ہی کے توسط سے مجھ تک پہنچا تھا۔ میں سلمٰی کو جس ڈھب پر لانا چاہتا تھا' وہ رفتہ رفتہ ادھر ہی کا رخ کر رہی تھی۔

میں نے بڑے انجان پن سے پوچھا۔ عطیہ بیگم کو آپ سے کیا دشمنی تھی؟"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "ہم نے تو کبھی اس کی کوئی مرغی

چوری نہیں کی۔ ویسے یہ مجھے پتا ہے کہ وہ ریحان کی مجھ سے شادی سے خوش نہیں تھی۔"

"کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ سے چند روز پہلے بھی ملزم نے آپ ماں بیٹی دونوں کے ساتھ شدید نوعیت کا جھگڑا کیا تھا؟" میں نے اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

"جی..... یہ درست ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جھگڑے کا سبب وہی تھا..... آپ دونوں کے کردار پر شک؟"

"جی ہاں.....!"

"اس رات ملزم نے دو آپشنز کا ذکر بھی کیا تھا؟"

"ایسی باتیں تو یہ اٹھتے بیٹھتے کرتا ہی رہتا تھا۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"اٹھتے، بیٹھے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے کی نہیں، میں اس رات کی بات کر رہا ہوں جس کے چند روز بعد وقوعہ پیش آ گیا تھا؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... اس رات بھی دو آپشنز کی بات ہوئی تھی۔" اس نے تصدیق کر دی۔

"اور ملزم نے اس بات پر زور دیا تھا کہ آپشنز استعمال کرنے کی نوبت آ ہی گئی تو وہ "سیکنڈ آپشن" کو منتخب کرنا پسند کرے گا..... ہیں نا؟"

"جی ہاں..... اس نے یہی دھمکی دی تھی۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"یعنی وہ آپ ماں بیٹی کو گھر میں تالا بند کرنے کے بجائے اپنی زندگی ہی سے الگ کر دے گا؟" میں نے تائید طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے ایک بار پھر گردن کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے اپنے سوالات میں ایک دم تیزی لاتے ہوئے پوچھا۔ "ملزم آپ لوگوں کو کردار کے حوالے سے اٹھتے بیٹھتے نشانہ تو بناتا ہی رہتا تھا لیکن وقوعہ سے چند روز پہلے جو فساد عظیم برپا ہوا اس میں ملزم نے کسی شخص..... کسی خاص شخص کا نام لے کر استفسار کیا تھا.....؟"

"پتا نہیں..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولی۔

"کیا ملزم نے صفدر نامی کسی شخص کا حوالہ نہیں دیا تھا؟" میں نے وٹنس باکس میں کھڑی سلمٰی بیگم کو گھورا۔ "جو ادھر محمود آباد میں رہتا ہے۔ اس شخص کا کردار اور چال چلن اچھا نہیں۔ ملزم نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ صفدر محمود آبادی سے ملنے کیوں جاتی ہیں.....؟"

"ہاں..... ہاں..... ایسی کوئی بات ہوئی تو تھی۔"

"شکر ہے، آپ کی یادداشت نے واپسی کا ٹکٹ تو کٹوایا۔" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔"

وہ کوئی سوال کیے بغیر خاموشی سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔

میں نے بڑی سرعت سے اپنے ہدف کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "سلمٰی بیگم! آپ نے ملزم کے کڑے استفسار کے جواب میں، دوٹوک الفاظ میں اس پر واضح کر دیا تھا کہ آپ صفدر نامی کسی شخص سے واقف ہیں اور نہ ہی ملتی ہیں؟"

"جو حقیقت تھی، میں نے وہی کہا تھا۔"

"ملزم نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے پاس، اس سلسلے کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی موجود ہے؟" میں نے سوالیہ نظر سے سلمٰی کی جانب دیکھا۔

"صرف دعویٰ کیا تھا، ثبوت پیش نہیں کیا تھا۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"ثبوت پیش نہ کرنے کی وجہ؟"

"جھوٹ!" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ "اس کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ اگر واقعی اس کے پاس کوئی ثبوت ہوتا تو یہ اسے استعمال کرنے میں ذرا دیر نہ لگاتا۔"

"آپ کا اندازہ غلط ہے سلمٰی بیگم!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ "میرا کون سا اندازہ..... ملزم کے پاس ہمارے خلاف کوئی ثبوت ہونے کا یا استعمال نہ کرنے کا.....؟"

"میرا اشارہ ثبوت کی طرف ہے....."

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کے پاس، ہمارے خلاف کوئی ثبوت تھا؟"

"جی میرا یہی مطلب ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

وہ الجھن زدہ انداز میں مستفسر ہوئی۔ "تو پھر اس نے استعمال کیوں نہیں کیا؟"

"شاید یہ میری آمد کا انتظار کر رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ....." میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے توسط سے وہ ٹھوس ثبوت سامنے لانا چاہتا تھا۔"

"تو وہ ثبوت آپ کے پاس ہے.....؟"

"بالکل میرے پاس ہے۔"

"آپ اس ثبوت کو کب سامنے لائیں گے؟"

"ابھی...... اور اسی وقت......!"

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے اپنے بریف کیس میں سے ایک سفید لفافہ برآمد کیا اور وٹنس باکس کے قریب آ کر سلمٰی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس لفافے میں دو تصویریں ہیں۔ ایک میں صفدر اکیلا ہی نظر آ رہا ہے اور دوسری تصویر میں آپ بھی صفدر کے ساتھ موجود ہیں۔ اگر آپ کسی صفدر کو نہیں جانتیں تو پھر اس کے ساتھ تصویر کھنچوانے کی کیا تک بنتی ہے......؟"

"لائیں دکھائیں......" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "میں بھی تو دیکھوں کہ آپ کیا بکواس کر رہے ہیں......"

میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے رفتہ رفتہ اس کھیل کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکا تھا لہٰذا سلمٰی کی کسی بداخلاقی پر اعتراض کر کے میں کوئی بدمزگی کھڑی نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر جج نے سلمٰی کے ریمارکس کو فوراً نوٹ کیا۔ نہ صرف نوٹ کیا بلکہ اسے کڑی تنبیہ بھی کی۔

"سلمٰی بیگم! لینگویج پلیز...... ورنہ میں آپ کو توہین عدالت کے کیس میں جیل بھی بھجوا سکتا ہوں......" پھر وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیگ صاحب! آپ جرح جاری رکھیں۔"

میں نے استغاثہ کی گواہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "سلمٰی بیگم! پہلے میں آپ کو وہ تصویر دکھاؤں گا جس میں صفدر نامی وہ غنڈا اکیلا نظر آ رہا ہے۔ اگر آپ نے اس تصویر کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو پھر میں آپ کی خدمت میں دوسری تصویر پیش کروں گا تاکہ آپ کے پاس انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ دوسری تصویر میں اس غنڈے اوباش صفدر کے ساتھ آپ بھی دکھائی دیں گی......"

قارئین! یہ میرے ڈرامے کا کلائمیکس تھا جس کے بارے میں آپ سمیت کوئی بھی نہیں جانتا تھا میں نے سفید لفافے میں سے ایک تصویر اتنی احتیاط کے ساتھ برآمد کی کہ اسے وٹنس باکس میں کھڑی سلمٰی بیگم کے سوا اور کوئی نہ دیکھ سکے۔ عدالت کے کمرے میں اس وقت

سناٹے کا راج تھا۔ وہ الفریڈ ہچکاک کی کسی فلم کا سین معلوم ہوتا تھا۔ وکیل استغاثہ ایسی نظر سے مجھے دیکھ رہا تھا جیسے میں نے لفافے میں سے کوئی تصویر نہیں بلکہ پٹاری میں سے کوئی سانپ برآمد کیا ہو۔

میں نے مذکورہ تصویر سلمٰی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ صفدر بدمعاش کی تصویر ہے۔ کیا آپ اسے جانتی ہیں......؟"

تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اسے ایک جھٹکا سا لگا' اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں اور چہرے پر شناسائی کے تاثرات پیدا ہوئے۔ اس سے اگلے ہی لمحے پر اس نے خود کو سنبھال لیا اور بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں اس بندے کو نہیں جانتی......"

"اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دے رہی ہیں نا......؟"

"ہاں ہاں۔" وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ "میں واقعی اس بندے کو نہیں جانتی۔ ریحان نے آپ کو بالکل غلط بتایا ہے۔ میں نے آپ پہلی مرتبہ اسے دیکھا ہے...... میرا مطلب ہے' اس کی تصویر کو دیکھا ہے۔"

"دی ڈرٹی گیم از اپ......!" میں نے فاتحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا پھر سلمٰی کے ہاتھ سے تصویر لے کر جج کی جانب مڑا اور کہا۔

"جناب عالی! میں اپنے مؤکل کی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"وہ کس طرح......!" جج کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "بیگ صاحب! آپ استغاثہ کی گواہ کو دوسری تصویر نہیں دکھائیں گے؟"

"اس کی اب ضرورت نہیں رہی۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "بلکہ میرے پاس دوسری کوئی تصویر ہے ہی نہیں۔"

"بیگ صاحب! پ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔" جج کی حیرت دیدنی تھی۔ "وہ جو آپ نے دوسری تصویر کا ذکر کیا تھا وہ کیا ہوئی...... وہ جس میں آپ کے بقول صفدر اور استغاثہ کی گواہ سلمٰی بیگم ایک ساتھ نظر آ رہے تھے......؟"

"جناب عالی! میں نے عرض کیا ہے نا' ایسی کوئی تصویر سرے سے ہے ہی نہیں۔ میں نے یہ سارا کھٹ راگ استغاثہ کی معزز گواہ کو گھیرنے کے لیے پھیلایا تھا اور اللہ کا شکر ہے کہ

میں اس میں کامیاب رہا ہوں۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ کی کامیابی کی کنجی صفدر غنڈے کی تصویر ہے؟" جج کی حیرت دو چند ہوگئی۔

"آف کورس یو آنر!" میں نے بہ آواز بلند کہا۔ "یہ تصویر آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔"

پھر میں نے وکیل استغاثہ کی نظر بچا کر مذکورہ تصویر جج کی جانب بڑھا دی۔

اس تصویر کو دیکھتے ہی جج گویا اپنی کرسی پر اچھل پڑا۔ اس نے بڑی سرعت کے ساتھ اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو چھیڑا اور ان کے نیچے سے شاہدہ بی بی کے باپ قادر کی تصویر کو برآمد کرلیا' پھر وہ غلام قادر اور صفدر کی تصاویر کو پہلو بہ پہلو رکھ کر بڑی سنسنی خیز نظر سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ چند سیکنڈ کے جائزے کے بعد وہ میرے جانب دیکھتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

"بیگ صاحب! یہ تو ایک ہی شخص کی دو ایک جیسی تصاویر ہیں......!"

"یس یور آنر!" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ جج نے پوچھا۔ "کون ہے یہ شخص؟"

"جناب عالی! میں نے بڑی رسان سے کہا "تھوڑی دیر پہلے مظلوم شاہدہ معزز عدالت کے رو بہ رو اس شخص کو اپنے سگے باپ قادر کی حیثیت سے پہچان چکی ہے۔ اس کی شناخت پر شک کی گنجائش ممکن نہیں۔"

"پھر سلمٰی بیگم اپنے سابق شوہر کو پہچاننے سے کیوں انکاری ہے؟"

"تاکہ صفدر کا پردہ چاک نہ ہو......"

"صفدر کا قادر سے کیا تعلق ہے؟"

"ایک شخصیت' دو نام!" میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"بیگ صاحب! اس نکتے کی وضاحت کریں؟"

"اس نکتے کی وضاحت سلمٰی بیگم کی زبانی ہو تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"سلمٰی بیگم!" جج نے استغاثہ کی سب سے معزز گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "نہایت ہی آسان الفاظ میں اس امر کی وضاحت کرو کہ تم نے اپنے سابق شوہر قادر کو پہچاننے سے کیوں انکار کیا اور......معزز عدالت یہ بھی جاننا چاہتی ہے کہ تمہارے سابق شوہر قادر اور

صفدر غنڈے میں کیا تعلق ہے......؟"

ادھر جج کی بات ختم ہوئی' ادھر سلمٰی بیگم "پپ......پانی......" کا نعرہ لگاتے ہوئے کٹہرے کے فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔

سلمٰی بیگم کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا لہٰذا آئندہ پیشی پر اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ سلمٰی نے اپنے اقبالی بیان میں جو تفصیل سنائی وہ بہت حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھی۔ میں یہاں پر اس کا خلاصہ پیش کروں گا۔

قادر اور صفدر ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔ شاہدہ اس شخص کو صرف قادر کے نام سے جانتی تھی اور اسے اپنا باپ مانتی تھی جبھی اس نے تصویر دیکھتے ہی اسے اپنے باپ کی حیثیت سے شناخت کرلیا تھا جبکہ سلمٰی کو یہی تصویر میں نے صفدر کی شناخت کے حوالے سے دکھائی تھی اور اس نے فوراً انکار کردیا تھا کیونکہ اگر وہ صفدر کو شناخت کرلیتی تو پھر باقی کی کہانی بھی کھل جاتی تھی۔ صفدر ایک اختیار کیا ہوا نام تھا ورنہ درحقیقت یہ شخص سلمٰی کا سابق شوہر قادر ہی تھا۔ میرے اس وضاحتی بیان سے یقیناً آپ کا ذہن بھی الجھ رہا ہوگا لہٰذا میں تھوڑا اور پیچھے جاتا ہوں۔

یہ ٹھیک ہے کہ قادر ایک بدمعاش اور غنڈہ ٹائپ شخص تھا۔ سلمٰی شروع ہی سے چکر بازیوں کی ماہر تھی لہٰذا قادر اس سے مار پیٹ کرتا رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قادر نے اسے طلاق دے دی (خلع والا بیان سلمٰی کی دروغ گوئی کا شاخسانہ تھا) اس موقع پر شاہدہ نے ماں کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ قادر نے دونوں پر لعنت بھیجی اور اپنی غنڈا گردی میں مصروف ہوگیا۔

کچھ عرصہ پہلے غلام قادر کو پتا چلا کہ سلمٰی نے کسی ریحان نامی شخص سے شادی کرلی ہے اور اس نے اپنی بیٹی شاہدہ کو بھی بری راہ پر لگا لیا ہے۔ سلمٰی کے ساتھ وہ کسی اور علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ بعد میں اسے مجبوراً وہ علاقہ چھوڑ کر محمود آباد آنا پڑا تھا اور یہاں آکر اس نے اپنے نام صفدر رکھ لیا تھا۔ یہاں سب اسے صفدر کے نام سے جانتے تھے۔ میں نے اپنے ذرائع استعمال کرکے نہایت ہی خفیہ طور پر قادر کا راز جان لیا تھا جبھی میں نے ایک سنسنی خیز کھیل کھیلنے کے لیے دو ایک جیسی تصاویر والا ڈرامہ رچایا تھا۔ قصہ مختصر...... قادر نے مختلف

ذرائع سے اس امر کی تصدیق کی اور پھر سلمٰی کو بلیک میل کرنے لگا۔ اس نے سلمٰی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے قادر کو ایک بھاری رقم ادا نہ کی تو وہ اس کے شوہر کو سب کچھ بتا دے گا۔ اس سلسلے میں وہ دو تین مرتبہ محمود آباد جا کر صفدر (قادر) سے ملی بھی تھی اور ایک بار تعاقب کرتے ہوئے ریحان بھی محمود آباد پہنچ گیا تھا۔ سلمٰی نے شاہدہ کو اس معاملے سے بالکل بے خبر رکھا ہوا تھا۔

سلمٰی نے دو' تین مرتبہ قادر کے چھوٹے موٹے مطالبات پورے کر دیے تو وہ اور زیادہ پھیلنے لگا۔ جب اس نے بہت بھاری رقم کا مطالبہ کیا تو سلمٰی کے ذہن میں ایک تیر' دو شکار والا آئیڈیا چمکا۔ اس نے شاہدہ کو تیار کیا اور نہایت ہی ہوشیاری کے ساتھ ریحان کو جیل بھجوانے کا پکا بندوبست کر دیا۔ اس کھیل کی کامیابی پر ریحان ایک لمبے عرصے کے لیے جیل چلا جاتا۔ سلمٰی اور شاہدہ اس کی دولت' گھر اور کاروبار پر قابض ہو جاتیں اور قادر کی بلیک میلنگ کے لیے کوئی راستہ کھلا نہ رہتا۔ سلمٰی کے شیطانی ذہن نے خاصا خطرناک منصوبہ بنایا تھا۔ شومئی قسمت کہ ایسا ہو نہ سکا۔ میری مداخلت اور وکالت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا تھا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آئندہ پیشی پر' عدالت نے میرے مؤکل ریحان کو باعزت بری کر دیا تھا۔ ریحان نے سلمٰی چالباز کو طلاق دینے میں ذرا سی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا اور ان ماں بیٹی کو پہلی فرصت میں اپنے گھر اور اپنی زندگی سے دفع دور کر دیا تھا۔ ان دونوں کے لیے سب سے بڑی سزا یہی ہو سکتی تھی۔

بعض لوگوں کو عزت راس نہیں آتی۔ سلمٰی اور شاہدہ کا شمار بھی انہی بعض لوگوں میں ہوتا تھا۔ اگر وہ عقل مندی سے کام لیتیں تو اس معاشرے میں خوش حال اور باوقار زندگی گزار سکتی تھیں۔ اب ان کے مقدر میں ذلت رسوائی اور جیل کی سنگلاخ دیواریں تھیں۔

دوسری جانب ریحان کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ چھوٹا سا کرائسس اس کے لیے راحت کا سامان بن گیا تھا...... اس ہنگامہ آرائی اور مصیبت کو بلا مبالغہ جزائے سزا بھی کہا جا سکتا ہے۔

◇◇◇

میٹھا زہر

میں آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ معین صاحب کا فون آ گیا۔ معین اختر ایک سرکاری محکمے میں چیف اکاؤنٹینٹ تھے۔ محکمے کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوگا' بس اتنا ہی ذہن میں رکھیں کہ معین صاحب سے میری خاصی پرانی یاد اللہ تھی۔

ریسیور میں مانوس آواز سن کر میں نے کہا۔ ''ہیلو...... معین صاحب! کیسے ہیں آپ...... معین صاحب! اتنی صبح کیسے یاد کر لیا...... کوئی خاص بات......؟''

''بات تو خاص ہی ہے بیگ صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے۔ ''میرے ایک کولیگ' کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اسی لیے آپ کو فون کیا ہے۔''

گویا ان کی مصیبت کا تعلق کسی قانونی معاملے سے ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں غلط تو نہیں سمجھ رہا......؟''

''نہیں بیگ صاحب...... آپ بالکل ٹھیک سمجھ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولے۔ ''اور اسے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے قانونی مدد کی ضرورت ہے۔''

''مصیبت کی نوعیت کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

معین صاحب نے جواب دیا۔ ''اعجاز صاحب پر قتل کا الزام عائد کیا گیا ہے۔''

''اوہ......!'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''اعجاز صاحب یعنی آپ کے دوست اس وقت کہاں ہیں...... میرا مطلب ہے' وہ پولیس کسٹڈی میں ہیں یا جیل کی دیواروں کے پیچھے......؟''

''وہ اس وقت پولیس کی تحویل میں ہیں۔'' معین صاحب نے بتایا۔ ''انہیں گزشتہ رات ان کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ عین ممکن ہے' آج اعجاز صاحب کو عدالت میں پیش

کر کے پولیس ریمانڈ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

"جی ہاں ...... یہ عین ممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر اعجاز صاحب کو پچھلی رات گرفتار کیا گیا ہے تو آج انہیں یقیناً عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"میں نے اسی لیے آپ کو صبح صبح زحمت دی ہے کہ آپ آج دن میں کسی وقت ملزم کی بیوی سے ملاقات کرلیں ...... بیگ صاحب! یہ کیس آپ ہی کو ہینڈل کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثباتی انداز میں جواب دیا۔ "آپ نے کہا ہے تو میں انکار نہیں کرسکتا...... اس کیس کے حوالے سے آپ کو اور بھی جو کچھ معلوم ہے وہ مجھے بتادیں۔"

"میں جتنا جانتا تھا وہ آپ کو بتادیا۔" وہ بات ختم کرنے والے انداز میں بولے۔ "باقی کی معلومات آپ کو اعجاز صاحب کی بیگم سے حاصل ہوجائیں گی۔"

"او کے معین صاحب!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ مسز اعجاز کو دوپہر کے بعد میرے دفتر بھیج دیں۔ میں ان سے بات کرلوں گا۔"

"تھینک یو بیگ صاحب......!"

میں نے ریسیور کریڈل کردیا۔

◈◇◈

عدالتی بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے لنچ کیا اور اپنے آفس چلا آیا۔ جب میں اپنے چیمبر کی طرف بڑھ رہا تھا تو میں نے وزیٹنگ لابی میں ایک خاتون کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ بارہ سال کا ایک لڑکا بھی تھا۔ اس خاتون نے مجھے سلام کیا۔ میں نے سر کی خفیف جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد میری سیکرٹری نے اس خاتون کو اندر بھیج دیا۔ میں نے پیشہ وارانہ مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ وہ میری میز کے سامنے بچھی کرسیوں پر بیٹھ چکے تو میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد سوالیہ نظر سے خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی فرمائیں ...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"میرا نام نفیسہ بیگم ہے۔" عورت گہری سنجیدگی سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بولی۔

"آج صبح معین صاحب نے آپ کو فون کیا تھا نا......!"

"آپ مسز اعجاز ہیں؟" میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے پوچھ لیا۔

"جی ہاں!" نفیسہ بیگم نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "یہ میرا بیٹا شعیب ہے۔" اس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے بارہ سالہ لڑکے کی جانب اشارہ کیا۔ "اس سے چھوٹی دو بچیاں ہیں۔ میں انہیں گھر پر چھوڑ کر آئی ہوں۔"

"معین صاحب نے بتایا تھا کہ آپ کے شوہر اعجاز کو پولیس نے گزشتہ رات قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے؟" میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں!"

اس نے گمبھیر انداز میں گردن ہلائی۔ "وکیل صاحب! ہم بیٹھے بٹھائے ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔"

"مقتول کون تھا......؟" میں نے استفسار کیا۔ "اور آپ کے شوہر کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا؟"

"مقتول کا نام رفیق شاہ معلوم ہوا ہے جو ناظم آباد کے علاقے میں رہتا تھا۔" نفیسہ بیگم نے بتایا۔ "اور...... میں سمجھتی ہوں، اعجاز کی اس کے ساتھ نہ تو کوئی دوستی تھی اور نہ ہی دشمنی۔"

"نہ دوستی، نہ دشمنی ...... نہ تعلق، نہ واسطہ......!" میں نے نفیسہ بیگم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر رفیق شاہ کے قتل کے الزام میں آپ کے ہی شوہر کو کیوں گرفتار کیا گیا...... اس کا کوئی تو سبب ہوگا؟"

"سبب ہے......!" وہ اٹل انداز میں بولی۔ "اور اس سبب کا نام ہے، نگینہ بیگم!"

"نگینہ بیگم......!" میں نے زیر لب دُہرایا۔ "یہ کون ذات شریف ہیں......؟"

"یہ ذات شریف نہیں بلکہ ذات بدمعاش ہیں۔" نفیسہ بیگم نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں، میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ اس عورت کی وجہ سے اعجاز اس مصیبت میں پھنسے ہیں......"

"ذرا اس نگینہ بیگم کی تاریخ اور جغرافیہ بیان کریں؟" میں نے کہا۔

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "نگینہ ایک بیوہ عورت ہے۔ ادھر نیو کراچی میں رہتی ہے۔ اس کی ایک جوان بیٹی بھی ہے۔ اعجاز کا نگینہ کے گھر میں آنا جانا تھا۔ رفیق شاہ بھی ادھر آیا کرتا تھا اور اعجاز کی وہاں آمد کو ناپسند کرتا تھا۔ میں نے اعجاز کو کئی بار

سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ نگینہ بیگم سے زیادہ تعلقات نہ بڑھائیں۔ مجھے وہ عورت ٹھیک نہیں لگتی لیکن وہ ہر بار وعدہ کرتے کہ اب وہاں نہیں جاؤں گا اور پھر وہ چند روز بعد وعدہ توڑ کر نگینہ کے گھر پہنچ جاتے تھے۔ اب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ لیکن ...... وقت گزرنے کے بعد پچھتانے کا کیا فائدہ۔ میں آج صبح عدالت بھی گئی تھی جب پولیس انہیں عدالت لائی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو گئیں' ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے...... نفیسہ! کاش میں تمہاری بات مان لیتا تو...... آج اس وبال میں نہ پھنستا......!"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بات پوری کر کے خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔ "یہ مان لیا کہ آپ کے شوہر اعجاز کا مقتول رفیق شاہ کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا مگر رفیق شاہ اور نگینہ بیگم میں تو ربط ضبط ہوگا جو وہ نگینہ بیگم کے گھر جایا کرتا تھا۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گی؟"

نفیسہ بیگم سے گفتگو کے دوران میں میرا قلم مسلسل مصروف تھا اور میں اہم پوائنٹس کو رف پیڈ پر نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

"میں نے آج تک نہ تو نگینہ بیگم کو دیکھا اور نہ ہی رفیق شاہ کو' اس لیے میں ان کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس' میرا دل یہ کہتا ہے کہ نگینہ بیگم کوئی اچھی عورت نہیں ہو سکتی......"

"دل کی زبان عدالت کی سمجھ میں نہیں آتی نفیسہ صاحبہ اس لیے ہمیں زمینی حقائق کو مدنظر رکھ کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ یہ تو بتا ہی سکتی ہیں کہ آپ کے شوہر اور نگینہ بیگم کے بیچ کس نوعیت کا تعلق تھا' جو وہ اکثر و بیشتر اس کے گھر پہنچ جایا کرتے تھے؟"

"ہمدردی کا رشتہ" اس نے جواب دیا۔ "نگینہ کے مرحوم شوہر وہاب دین کے ساتھ اعجاز کی جان پہچان رہی تھی اس لیے وہ وہاب کی بیوہ اور یتیم بچی کو دیکھنے ان کے گھر چلے جایا کرتے تھے۔"

"یہ جان پہچان والی بات آپ کو اعجاز صاحب نے بتائی تھی یا یہ آپ کی تحقیق ہے؟" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"انہوں نے ہی بتائی تھی۔" وہ بولی۔ "میری اس معاملے میں کوئی تحقیق نہیں ہے۔

ویسے میں دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ اعجاز بہت ہی ہمدرد اور گداز دل انسان ہیں' کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا غیر کوئی بھی ہو' مصیبت کے وقت وہ اس کی مدد کو دوڑ پڑتے ہیں۔ بعض لوگ تو اپنی تنگی پریشانی کا رونا رو کر انہیں بے وقوف بھی بناتے ہیں اور کچھ نہ کچھ اینٹھ لیتے ہیں۔ بہرحال ...... اعجاز ایسے ہی ہیں' ان کی اسی نرم دلی اور خدا ترسی کی وجہ سے ہم مصیبت میں آ گئے ہیں۔"

"کیا مقتول رفیق شاہ کے بارے میں اعجاز آپ سے بات کیا کرتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔ "میں دراصل مقتول کے حوالے سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں......؟"

"ایک آدھ بار انہوں نے مقتول کا تذکرہ کیا تو تھا اور وہ بھی سرسری انداز میں۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "میں نے بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اور وہ کس قسم کا تذکرہ تھا......؟"

"یہی کہ...... رفیق شاہ کی وجہ سے نگینہ بہت پریشان ہے۔" نفیسہ بیگم نے بتایا۔ "وہ بدذات' نگینہ کے لیے دردِسر بنا ہوا ہے۔"

"نفیسہ بیگم! اعجاز نے مقتول کے لیے "بدذات" کے الفاظ استعمال کیے تھے اور آپ کا دل یہ بھی کہتا تھا کہ نگینہ بیگم کوئی اچھی عورت نہیں اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے شوہر کو اس پھڈے والی جگہ پر جانے سے نہیں روکا...... کیوں؟"

"میں نے انہیں روکنے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "چند دن کے لیے وہ باز آ جاتے تھے' پھر یہ سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔"

"اگر آپ نے سختی برتی ہوتی تو شاید یہ سلسلہ رک جاتا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں وکیل صاحب!" وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "واقعی' میں نے سختی نہیں کی تھی اور اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی......"

"کیسی وجہ؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مجھے اعجاز پر اندھا اعتماد ہے۔" وہ بڑے فخر سے بولی۔ "اس لیے بھی میں ان پر کبھی سختی نہیں کرتی۔ وہ اپنی انسان دوستی اور خدائی فوجداری کے جذبے کے باعث اکثر و بیشتر مشکلات میں پڑتے رہتے ہیں اور ان مشکلات سے نکل بھی آتے ہیں' لیکن میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن وہ قتل کے مقدمے میں پھنس جائیں گے......"

بات ختم کرتے کرتے اس کی آواز رندھ گئی۔ میں نے پوچھا۔

"واردات کب اور کہاں پیش آئی......؟"

"پچھلی رات کو...... نگینہ بیگم کے گھر میں......!" اس نے جواب دیا۔ "اعجاز رات کو گھر آئے۔ کھانا کھایا اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ یہ ان کا روز کا معمول ہے۔ وہ رات کھانے کے بعد بیڈ پر لیٹے لیٹے تھوڑی دیر ٹی وی دیکھتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں لیکن گزشتہ رات معمول کے خلاف واقعہ پیش آیا......" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے تھمی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہم سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔ البتہ بچے سو چکے تھے۔ آدھی رات کے وقت پہلے ہمارے گھر کی اطلاعی گھنٹی بجی پھر بڑے طوفانی انداز میں دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ یہ بڑی عجیب و غریب صورت حال تھی۔ لگتا تھا' باہر بھونچال آ گیا ہو۔ اعجاز افراتفری میں اٹھے اور انہوں نے جیسے ہی دروازہ کھولا' تین پولیس والے گھر کے اندر گھس آئے۔ پولیس والوں نے صرف ایک ہی سوال کیا۔ اعجاز حسین کون ہے؟ اعجاز نے جواب دیا۔' میں ہوں اعجاز حسین۔ پولیس والوں نے انہیں فوراً گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے گاڑی کی تلاشی لی اور گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے ایک ریوالور بھی برآمد کر لیا۔ پولیس والوں کا دعویٰ ہے کہ رفیق شاہ کو اسی ریوالور سے قتل کیا گیا ہے۔ انہوں نے مذکورہ ریوالور کو قبضے میں کیا اور اعجاز کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔"

"کیا وہ ریوالور اعجاز کی ذاتی ملکیت تھا یا......؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"جی ہاں' پولیس نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے جو ریوالور برآمد کیا وہ اعجاز کا ذاتی ریوالور تھا۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "اعجاز کے پاس اس اسلحے کا لائسنس بھی ہے......"

"جب پولیس والے اعجاز کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تو آپ نے ان سے کوئی بات' کوئی سوال نہیں کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو ان سے سیکڑوں سوالات کرنا چاہتی تھی......" وہ بے بسی سے بولی۔ "لیکن انہوں نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔"

میں نے اصرار کیا۔ "انہوں نے کچھ تو کہا ہوگا؟"

میں یہ ساری کرید اس لیے کر رہا تھا کہ اس کیس کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لوں تاکہ آگے چل کر مجھے کسی اچانک مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ملزم کی اہلیہ نفیسہ بیگم نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

"انہوں نے مجھ سے صرف اتنا کہا کہ میرے شوہر نے رفیق شاہ نامی ایک شخص کو نگینہ بیگم کے گھر میں قتل کر دیا ہے...... اعجاز اس سے پہلے رفیق شاہ کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی دے چکا تھا......" وہ متوقف ہوئی پھر روہانسی آواز میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"یہ ہو سکتا ہے کہ اعجاز نے کبھی رفیق شاہ کو ڈرانے اور نگینہ بیگم کو ہراساں نہ کرنے کے سلسلے میں کوئی دھمکی وغیرہ دی ہو لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ وہ کسی کی جان نہیں لے سکتے۔ دوسروں کی ہمدردی اور دکھ میں پریشان ہو جانے والا شخص کسی کا قتل کیسے کر سکتا ہے' وکیل صاحب...... مجھے شک ہے کہ انہیں کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے......"

"جو بھی سازش ہوگی وہ بہت جلد کھل کر سامنے آ جائے گی۔" میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ "آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ معین صاحب نے اس کیس کے لیے خاص طور پر سفارش کی ہے تو سمجھیں' اعجاز کا کیس اب میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو اگر اس حوالے سے کوئی اور اہم بات معلوم ہو تو مجھے بتا دیں تاکہ ابھی سے تیاری شروع کی جا سکے......"

"مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔" وہ بڑی سادگی سے بولی۔ "اس سے زیادہ اگر آپ کو کچھ جاننا ہے تو آپ اعجاز سے مل لیں۔"

"اعجاز صاحب سے ایک بھرپور ملاقات تو ازحد ضروری ہے۔" میں نے پرمعنی انداز میں کہا۔ "میں آج ہی تھانے جا کر ان سے ملوں گا۔"

نفیسہ بیگم اپنے ہینڈ بیگ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ "معین صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ آپ خاصے مہنگے وکیل ہیں' لیکن فکر نہ کریں' میں فیس میں رعایت نہیں کراؤں گی۔ بس' آپ پوری دل جمعی سے اعجاز کا کیس لڑیں اور جلد از جلد انہیں باعزت رہائی دلوا دیں۔"

"اگر آپ فیس میں رعایت کرواتیں' میں پھر بھی دلجمعی ہی سے کیس لڑتا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ یہ میرے پیشے کا تقاضا ہے۔"

وہ ستائشی نظر سے میری جانب دیکھنے لگی۔ نفیسہ بیگم کی عمر چالیس کے اریب قریب نظر آتی تھی۔ وہ ایک خوش شکل اور جاذب نظر عورت تھی۔ اس کے لیے ''گریس فل لیڈی'' کے الفاظ زیادہ مناسب تھے۔ اپنی وضع قطع' رکھ رکھاؤ اور پہناوے سے وہ خوش حال اور کھاتے پیتے گھر کی عورت نظر آتی تھی۔

''جی وکیل صاحب......؟ اس نے سوالیہ نظر سے میری جانب دیکھا۔

میں اس کی نظر کی تہ میں پہنچ گیا اور اسے اپنی فیس کے اماؤنٹ سے آگاہ کر دیا۔ اس نے گن کر رقم میرے حوالے کر دی اور میں نے بغیر گنے مذکورہ رقم کو اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالا پھر کہا۔

''نفیسہ بیگم! فیس تو آپ نے ادا کر دی۔ اس کے علاوہ کیس کے سلسلے میں جو بھی عدالتی اخراجات ہوں گے وہ بھی یقیناً آپ ہی کو دینا ہیں' لیکن میں یہاں ایک اہم امر کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا......''

''وہ کیا......؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کہا۔ ''آئندہ پیشی پر' ریمانڈ کی مدت پوری ہو جانے کے بعد پولیس اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دے گی۔ اس موقع پر مجھے اعجاز کی ضمانت کے لیے زور مارنا ہوگا اور آپ کو اس سے پہلے کسی معتبر اور معزز ضمانتی کا بندوبست کرنا ہے۔''

''وہ میں کرلوں گی' آپ بے فکر ہو جائیں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

اور میں واقعی بے فکر ہو گیا۔

آئندہ پانچ منٹ کے اندر میں نے نفیسہ بیگم کو فیس کی وصولی کی رسید بنا کر دے دی۔ اس نے رسید کو بہ غور دیکھا اور اس میں درج اماؤنٹ کے فگر کو دہراتے ہوئے بولی۔

''آپ کی نگاہ تو بہت تیز ہے وکیل صاحب!''

''نگاہ کو تیز رکھنا پڑتا ہے......'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ورنہ کورٹ میں دال نہیں گلتی۔''

اس نے تعریفی انداز میں مجھے دیکھا اور کہا۔ ''اچھا تو مجھے اجازت دیں......''

''ٹھیک ہے' اب ہماری ملاقات کورٹ ہی میں ہوگی۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ ''پولیس نے کتنے دن کا ریمانڈ حاصل کیا ہے؟''

''ایک ہفتے کا......!'' نفیسہ بیگم نے جواب دیا۔

◈◇◈

اسی روز میں آفس سے فارغ ہو کر اعجاز سے ملنے متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔ پولیس کسٹڈی میں ریمانڈ پر کسی ملزم سے ملاقات کے لیے کیسے کیسے حربے آزمانا پڑتے ہیں اس کا ذکر پہلے بھی کئی بار کیا جا چکا ہے لہٰذا صرف اتنا بتاتا چلوں کہ میں نے تھانے میں جا کر ایف آئی آر کی نقل حاصل کی اور اعجاز حسین سے ایک مختصر مگر سودمند ملاقات کر لی۔

اعجاز حسین کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ سانولے رنگ کا ایک دراز قامت شخص تھا۔ جسم مائل بہ فربہی اور سر کے بال نصف سے زیادہ غائب۔ اس نے آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا اور شکل سے خاصا معصوم اور سیدھا سادا بلکہ کسی حد تک احمق دکھائی دیتا تھا۔ وہ بندہ خدا کہیں سے بھی تیز نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر چالاکی یا شاطر پن کا فقدان تھا۔

ایف آئی آر کے مطابق' رفیق شاہ کو اعجاز حسین کے ریوالور سے قتل کیا گیا تھا۔ تین چار افراد نے فائرنگ کی آواز بھی سنی تھی اور ان معتبر افراد نے ملزم کو جائے وقوعہ سے فرار ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ یہ صورت حال خاصی گمبھیر تھی۔

میں نے لگ بھگ آدھا گھنٹا اعجاز حسین سے سوال و جواب کیے اور اس گفتگو میں چند کارآمد باتیں بھی پتا چلیں تاہم میں سردست ان کا ذکر نہیں کروں گا۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب مقامات پر انہیں بیان کیا جائے گا۔

واپسی پر میں تھانہ انچارج سے ملا اور پوچھا۔ ''جناب! آپ کی تفتیش کیا کہتی ہے؟''

اس نے طنزیہ نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''ابھی تک تو تفتیش خاموشی سے جاری و ساری ہے۔ جب یہ بولے گی تو اس کی آواز آپ کو بھی سنائی دے گی۔ تھوڑا انتظار کر لیں......''

''مطلب یہ کہ آپ کچھ بھی نہیں بتائیں گے......'' میں نے تھانہ انچارج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شاکی لہجے میں کہا۔

''آپ ابھی آدھا پونا گھنٹہ ملزم کے ساتھ لگا کر آئے ہیں۔'' وہ خشک انداز میں بولا۔

''یقیناً اس دوران میں آپ نے ملزم کے دماغ کا جوس نکال دیا ہوگا اور وہاں سے بیش بہا معلومات سمیت کر لوٹے ہیں آپ۔ میں نے آپ سے کوئی سوال کیا......؟''

"جناب انچارج صاحب!" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "میں نے آپ کو کب سوال کرنے سے منع کیا ہے......آپ پوچھیں' کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"جی شکریہ...... بہت مہربانی آپ کی......!" وہ رکھائی سے بولا۔

میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "یہ کیا بات ہوئی؟"

"آپ وکیل صفائی ہیں اور ہم استغاثہ!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "دریا کے دو ایسے کنارے جو پہلو بہ پہلو چلتے دکھائی دیتے ہیں مگر کبھی آپس میں مل نہیں سکتے اس لیے......" لمحاتی توقف کر کے وہ اپنی میز پر پھیلی ہوئی چیزوں کے ساتھ مصروف ہو گیا اور بیزار کن انداز میں بولا۔

"اس لیے آپ جا کر اپنا کام کریں اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔ جب تفتیش مکمل ہو گی تو اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ پھر ساری صورت حال خود بخود آپ کے سامنے آ جائے گی۔"

میں اس بدلحاظ اور کھرے تھانے دار کے پاس سے اٹھا اور گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

آئندہ چند روز مختلف نوعیت کی بھاگ دوڑ میں گزر گئے۔ پولیس اپنی کسٹڈی میں آئے ہوئے ملزم اعجاز حسین سے تفتیش کرتی رہی اور میں اپنے مؤکل اعجاز حسین سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں اپنی سوچ اور سورس کے گھوڑے دوڑا کر کیس کی تیاری میں مصروف تھا۔ اعجاز حسین سے حوالات میں ہونے والی ملاقات کے اختتام پر میں نے وکالت نامے اور دیگر ضروری کاغذات پر اس کے دستخط کرا لیے تھے لہٰذا اب وہ میرا مؤکل اور میں اس کا وکیل تھا......وکیل صفائی!

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔ اسی روز میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم کی درخواست ضمانت بھی عدالت میں دائر کر دی۔ نفیسہ بیگم نے اپنے شوہر کے لیے شخصی ضمانت کا انتظام کیا تھا اور ضمانتی شخصیت اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود تھی۔ میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ معین اختر صاحب تھے......چیف اکاؤنٹنٹ معین اختر!

عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا اور میں نے ملزم کی ضمانت کے حق میں بولنا شروع کیا۔

"جناب عالی! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک معزز شخص ہے۔ اسے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت قتل کے اس مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں ملزم کے محکمے کے اندر سے اور اس کے محلے میں سے درجن بھر ایسے افراد عدالت میں پیش کر سکتا ہوں جو اس کے نیک چلن ہونے اور ایمانداری کی گواہی دیں گے اور......سب سے بڑی مثال تو معین اختر ہی ہیں جو ملزم کی ضمانت کے لیے اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود ہیں۔"

"اگر یہ کوئی چوری' ڈکیتی یا خورد برد کا کیس ہوتا تو ملزم کی ایمانداری کو زیر بحث لا جا سکتا تھا۔" وکیل استغاثہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ تو قتل کا مقدمہ ہے۔ ایک قیمتی انسانی جان گئی ہے لہٰذا ملزم کی ضمانت منظور کرنا انصاف کے اصولوں کے منافی ہو گا۔"

"اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ ایک انسان موت سے ہمکنار ہوا ہے۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "لیکن مقتول کی موت میں میرے مؤکل کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ اس معاشرے کا ایک معزز فرد ہے اور اس کا پولیس ریکارڈ بالکل صاف ہے......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اس لیے معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ وہ میرے مؤکل کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اسے شخصی ضمانت پر رہا کر دے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔"

"انصاف کے تقاضے تو اس وقت پورے ہوں گے جب معزز عدالت ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کر دے گی۔" وکیل استغاثہ نے درخواست ضمانت کے خلاف دلائل دیتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی شخص کا پولیس ریکارڈ صاف ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ وہ زندگی میں کبھی کوئی جرم نہیں کرے گا......کسی بھی انسان کا پولیس ریکارڈ کسی بھی وقت داغ دار ہو سکتا ہے۔"

"میں وقت آنے پر یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ میرے مؤکل کو ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس کیس میں ملوث کرنے کی سازش کی گئی ہے......!" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

"آپ کو اپنے مؤکل کی بے گناہی ثابت کرنے سے کس نے روکا ہے میرے فاضل دوست۔" وکیل استغاثہ نے میری جانب دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "ابھی تو اس مقدمے کی عدالت میں ابتداء ہوئی ہے۔ آپ کو اپنے جوہر آزمانے کا پورا موقع دیا جائے گا۔"

آپ دل چھوٹا نہ کریں......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔

"جناب عالی! مقتول رفیق شاہ کو ملزم کے ریوالور سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ اس واردات کے وقت جائے وقوعہ پر ملزم کی موجودگی بھی ثابت شدہ ہے۔ استغاثہ کے پاس نصف درجن ایسے گواہ ہیں جنہیں معزز اور معتبر ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ انہوں نے جائے واردات پر فائرنگ کی آواز سنی تھی اور ملزم کو افراتفری کے عالم میں وہاں سے فرار ہوتے دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں استغاثہ ایسے گواہوں کو بھی عدالت کے سامنے لائے گا جو اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ملزم نے مقتول کو کئی بار سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں لہٰذا میں عدالت سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو نامنظور کرتے ہوئے اس کیس کو آگے بڑھایا جائے۔ دیٹس آل یور آنر......!"

جج نے ملزم کی ضمانت کی درخواست کو رد کرتے ہوئے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!"

◇◇◇

مجھے اس بات سے تعجب نہیں ہوا تھا کہ عدالت نے میرے مؤکل کی درخواست ضمانت کو نامنظور کر دیا تھا۔ فوج داری مقدمات میں کسی ملزم کی ضمانت کرانا اور وہ بھی پہلی پیشی پر...... جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے پھر اعجاز حسین کے کیس میں تو نگینہ بیگم اور اس کی بیٹی فوزیہ کا نام بھی استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل نظر آتا تھا اور تین چار افراد نے اعجاز کو جائے وقوعہ سے فرار ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور پولیس کے پاس اس امر کا بھی ٹھوس ثبوت موجود تھا کہ مقتول رفیق شاہ کو ملزم کے ریوالور ہی سے قتل کیا گیا تھا۔ ان گمبھیر حالات کی روشنی میں ضمانت کا سوال ہی پیدا ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نفیسہ بیگم کو اگرچہ درخواست ضمانت کے رد ہونے سے دھچکا سا لگا تھا' لیکن معین صاحب نے اسے حالات کی نزاکت اور واقعات کی حقیقت سے بڑی اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔ وہ اس وضاحت کے بعد خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں پوسٹ مارٹم اور میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹس کا ذکر کرتا

چلوں۔ ان رپورٹس کے مطابق مقتول رفیق شاہ کی موت آٹھ نومبر کی رات نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اس پر اعشاریہ تین دو کیلی بر کے ریوالور سے دو فائر کیے گئے تھے اور دوسری گولی نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیے تھے لہٰذا فوری طور پر اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ یہ اتنا اچانک اور مہلک وار تھا کہ مقتول رفیق شاہ کو چیخنے چلانے یا تڑپنے کا موقع ہی نہیں ملا اور وہ جائے واردات پر ہی دم توڑ گیا۔

آئندہ پیشی پندرہ روز بعد تھی اور میں ان پندرہ دنوں کو بڑی مہارت کے ساتھ استعمال میں لانا چاہتا تھا۔ دیگر نوعیت کی بھاگ دوڑ کے علاوہ میں نے ایک رسکی اسٹیپ بھی لیا۔ ایک روز میں دفتر سے فارغ ہونے کے بعد نگینہ بیگم سے ملنے چلا گیا۔

نگینہ بیگم کی رہائش نیو کراچی کے علاقے میں تھی۔ میں نے اعجاز حسین سے اس کے گھر کا ایڈریس اچھی طرح سمجھ لیا۔ وہ لگ بھگ ایک سو تیس گز کا ایک متوسط سا مکان تھا۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح نیو کراچی ابھی اتنا آباد نہیں ہوا تھا۔ نگینہ کا گھر بھی نیو کراچی کے اس حصے میں تھا جس کی تعمیر کو تین چار سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا۔ نگینہ کا گھر ڈھونڈنے میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

میں نے اطلاعی گھنٹی بجائی اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ یہ جاتے ہوئے نومبر کی تاریخیں تھیں۔ دن تو ابھی تک گرم ہی چل رہا تھا البتہ رات میں فضا خوشگوار خنکی سے بھر جاتی تھی۔ اسے ٹھنڈ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ بڑا سہانا سماں تھا۔

چند لمحات کے بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی نے باہر جھانکا۔ اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "جی...... آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

لڑکی کی عمر بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ ایک خوب صورت اور پرکشش لڑکی تھی۔ میرے ذہن میں خیال ابھرا کہ وہ نگینہ کی بیٹی فوزیہ ہو گی۔

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے نگینہ سے ملنا ہے۔ کیا یہ انہی کا گھر ہے؟"

"جی گھر تو انہی کا ہے لیکن امی اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" وہ گلی میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کون ہیں اور امی سے آپ کو کیا کام ہے......؟"

"بولنے پر وہ خاصی باتونی اور شوخ ثابت ہوئی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے نہیں جانتی ہو لیکن میں آپ کو جانتا ہوں...... آپ فوزیہ ہو نا؟"

"کمال ہے' آپ مجھے جانتے ہیں۔" اس نے حیرت بھرے انداز میں آنکھیں گھمائیں۔ "آپ کون ہیں...... آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام مرزا امجد بیگ ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور میں ایک ایڈووکیٹ ہوں......"

"ایڈووکیٹ...... یعنی وکیل!" اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "امی نے کہیں آپ کو کسی مشورے کے لیے تو نہیں بلایا۔ آج کل ہم ایک مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

"آپ کی امی نے خود تو مجھے نہیں بلایا البتہ میں آپ لوگوں کی مصیبت کے بارے میں سن کر ہی حاضر ہوا ہوں۔" میں نے موقع محل کی مناسبت سے دروغ گوئی کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کی امی کب تک واپس آئیں گی؟"

"میرا خیال ہے' وہ واپس آنے ہی والی ہیں......!" اس نے ایک مرتبہ پھر گلی میں دور تک جھانکا۔ "وہ کافی دیر سے گئی ہوئی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے......" میں نے مڑتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان کی واپسی کا انتظار کر لیتا ہوں۔"

"ارے نہیں وکیل صاحب......" وہ جلدی سے بولی۔ "آپ باہر کیوں بیٹھیں گے۔ امی آتی ہی ہوں گی۔ آپ اندر ڈرائنگ روم میں آجائیں۔"

میں فوزیہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

وہ ایک اوسط درجے کا ڈرائنگ روم تھا۔ اس نے مجھے ایک صوفے پر بٹھایا اور بولی۔

"آپ امی کا انتظار کریں۔ میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ میں اسے منع کرتا' وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ فرنیچر اور وہاں موجود دیگر اشیا نہ تو بہت زیادہ قیمتی تھیں اور نہ ہی گئی گزریں۔ انہیں مناسب اور متناسب کہا جا سکتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد فوزیہ چائے کے ساتھ واپس آگئی۔ ٹرے میں چائے کے ساتھ بسکٹ بھی تھے۔ اس نے یہ دونوں چیزیں میرے سامنے میز پر سجا دیں پھر ہمارے درمیان

گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ میں نے پوچھا۔ "آپ کی امی کہاں گئی ہیں؟"

"وہ گلشن اقبال تک گئی ہیں۔" اس نے جواب دیا "انکل مراد سے ملنے......!"

"مجھے پتا چلا ہے' پچھلے دنوں آپ لوگوں پر ایک بہت بڑی مصیبت آ کر گزری ہے۔" میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"گزری کہاں ہے وکیل صاحب...... آپ نے اپنے نام کیا بتایا تھا......؟" وہ بولتے بولتے مجھ سے پوچھ بیٹھی۔

جو لوگ بہت زیادہ باتونی ہوتے ہیں ان کی یادداشت اکثر گڑبڑ کر جاتی ہے۔ میں نے بھی فوزیہ کے اسی وصف کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسے گھسیٹنے کا فیصلہ کیا تھا وہ خاصی شوخ و شنگ اور اوور کانفیڈنٹ لڑکی تھی۔

"میرا نام مرزا امجد بیگ ہے۔" میں نے اپنا تعارف دہرایا۔

"کیا میں آپ کو صرف بیگ صاحب کہہ سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔" میں زیر لب مسکرایا۔ "اکثر لوگ مجھے "بیگ صاحب" کہہ کر ہی پکارتے ہیں......"

"بیگ صاحب...... تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ آپ نے جس مصیبت کا ذکر کیا ہے نا' وہ ابھی گزری کہاں ہے۔" وہ بڑی رسان سے بولی۔ "پولیس نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ آپ کسی طرح ہمیں اس جھنجٹ سے نکال دیں...... آپ ایسا کر سکتے ہیں نا؟"

"کیوں نہیں!" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں اسی لیے تو آپ کی امی سے ملنے آیا ہوں۔ جب تک مجھے حالات کی تفصیل معلوم نہیں ہوگی' میں کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کر سکوں گا......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی امی تو ابھی گھر میں موجود نہیں ہیں۔ جب تک آپ ہی مجھے اس معاملے سے آگاہ کریں۔ میں نے سنا ہے' اس گھر میں کسی کا قتل ہو گیا تھا......؟"

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے بیگ صاحب!" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولی۔ "آپ اس وقت جس صوفے پر بیٹھے ہوئے ہیں نا...... قتل اسی جگہ پر ہوا تھا۔ رفیق شاہ کو کسی نے دو گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

"کس نے......؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"مم...... مجھے نہیں پتا جی......" وہ گڑبڑا کر بولی۔

"کیا قتل کے وقت آپ گھر کے اندر موجود نہیں تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں گھر میں ہی تھی' لیکن اپنے کمرے کے اندر تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "میں فائرنگ کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکلی تو صحن میں امی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ رفیق شاہ کو کسی نے ڈرائنگ روم میں قتل کر دیا ہے۔......"

"صرف کسی نے یا...... آپ کی امی نے کسی شخص کا نام بھی لیا تھا؟"

"انہوں نے...... "کسی نے" کے الفاظ ہی استعمال کیے تھے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن میری معلومات کے مطابق پولیس نے رفیق شاہ کے قتل کے الزام میں کسی اعجاز حسین نامی آدمی کو گرفتار کر لیا تھا۔" میں نے اس کا ذہن پڑھنے کی غرض سے کہا۔ "اب عدالت میں اعجاز حسین کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے......؟"

"جی یہی حقیقت ہے۔" وہ ذومعنی انداز میں بولی۔

"یعنی آپ بھی یہی سمجھتی ہیں کہ اعجاز حسین نے رفیق شاہ کو قتل کیا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو ایسا نہیں سمجھتی بیگ صاحب!" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ "لیکن میرے کچھ سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں......"

"ایسی بات نہیں ہے بیگ صاحب......" وہ الجھ گئی۔ میں نے کریدا۔ "پھر کیسی بات ہے؟"

"وہ بات دراصل یہ ہے کہ......" وہ ٹھہر ٹھہر کر بتانے لگی۔ "اس روز اعجاز صاحب شام ہی سے ہمارے گھر میں موجود تھے۔ اعجاز صاحب اور امی صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں اپنے کمرے میں ایک ناول پڑھ رہی تھی۔ فائرنگ کی آواز نے مجھے ناول چھوڑ کر باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ڈرائنگ روم سے ملحق امی کا بیڈ روم ہے اور اس کے ساتھ میرا بیڈ روم جڑا ہوا ہے۔ میرے بیڈ روم کا ایک دروازہ امی کے بیڈ روم میں کھلتا ہے اور دوسرا صحن میں۔ میں چونکہ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے امی اور اعجاز صاحب کو صحن میں بیٹھے ہوئے دیکھ چکی تھی

لہٰذا میں فوراً دروازہ کھول کر صحن میں نکل آئی۔ وہاں امی سے میری ملاقات ہو گئی اور انہوں نے مجھے بتایا کہ رفیق شاہ کو کسی نے ڈرائنگ روم میں قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد......"

وہ سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوئی تو میں نے پوچھا۔ "اس کے بعد کیا؟"

"اس کے بعد......" وہ اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اس کے بعد پولیس کو ایسے گواہ مل گئے جنہوں نے اعجاز صاحب کو افراتفری کے عالم میں یہاں سے فرار ہوتے دیکھا تھا۔ پولیس نے اعجاز صاحب کو فیڈرل بی ایریا میں ان کے گھر سے گرفتار کر لیا اور ان کی گاڑی سے وہ ریوالور بھی برآمد کر لیا جس سے فائر کر کے رفیق شاہ کو قتل کیا گیا تھا۔"

"گویا حالات و واقعات پوری طرح اعجاز حسین کی مخالفت میں تھے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ آپ کی نظر میں اعجاز صاحب قصوروار نہیں ہیں؟"

"جی' میں تو ایسا ہی سمجھتی ہوں۔" وہ بڑے وثوق سے بولی۔ "اعجاز صاحب ایسے آدمی نہیں ہیں جو کسی کے خون میں ہاتھ رنگ لیں۔ وہ تو انتہائی ہمدرد اور مددگار انسان ہیں۔ انہوں نے کئی مواقع پر ہماری مدد کی ہے۔ وہ ابو کے پرانے جاننے والوں میں سے ہیں۔ ابو کے انتقال کے بعد جب سب نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو اللہ نے اعجاز صاحب کو رحمت کا فرشتہ بنا کر ہمارے گھر بھیج دیا۔ وہ پچھلے ایک سال سے ہمارے گھر آ رہے تھے۔ انہوں نے کئی کڑے مواقع پر ہماری اخلاقی اور مالی مدد بھی کی ہے۔"

"آپ کی نظر میں اعجاز حسین بہت اچھے انسان ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں بھی شامل ہے۔ جب آپ کو گواہی کے لیے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا تو وہاں بھی آپ اعجاز صاحب کی خوبیاں بیان کریں گی یا ان کے خلاف گواہی دیں گی؟"

"میں تو وہ کہوں گی جو سچ ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "لیکن......!"

وہ الجھن زدہ انداز میں بات نامکمل چھوڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ......" وہ بدستور الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرا اور امی کا نام گواہوں کی فہرست سے نکل جائے...... پولیس کو جو بھی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کرتی رہے۔ ہماری جان چھوڑے......!"

"ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میں ایک وکیل ہوں اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے آپ کو مشورہ دوں گا۔"

وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ میں نے کہا۔ "قتل کی واردات آپ کے گھر کے ڈرائنگ روم میں ہوئی ہے لہٰذا پولیس آپ ماں بیٹی کی جان نہیں چھوڑے گی۔ آپ کے بیانات بھی انہوں نے لیے ہوں گے اور عدالت میں پیش ہو کر آپ کو گواہی بھی دینا ہوگی کیونکہ استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں آپ دونوں کا نام شامل ہے لیکن میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی......!"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو اس نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ "کون سی بات بیگ صاحب......؟"

"یہی کہ آپ بیان دینے سے اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپ نے رفیق شاہ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قتل میں آپ لوگوں کا ہاتھ ہے پھر عدالت میں جا کر جج کے روبرو سچ بولنے میں پریشانی کیا ہے؟"

"پریشانی یہ ہے بیگ صاحب کہ......" وہ متذبذب انداز میں بولی۔ "پولیس ہم لوگوں سے اس قسم کا بیان اور گواہی دلوانا چاہتی ہے جو سراسر اعجاز صاحب کے خلاف جائے اور میں ایسا نہیں چاہتی۔ اعجاز صاحب کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ہمیں شرم آنا چاہیے......"

"آپ کو پریشان ہونے یا پولیس کے دباؤ میں آنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "پولیس جو کرتی ہے اسے کرنے دیں۔ آپ لوگ اپنے ضمیر کی آواز کو نہ دبائیں۔ عدالت کے اندر گن پوائنٹ پر بیان نہیں لیا جاتا۔ آپ کی نظر میں جو سچ ہے' وہی جج کے روبرو بیان کریں۔ اللہ سچ بولنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

وہ خاصی مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگی۔ میں نے اس کی مزید تسلی کے لیے کہا۔ "ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمام وقت عدالت کے کمرے میں موجود رہوں گا......آپ لوگوں کی مدد کے لیے۔"

"جی...... بہت بہت شکریہ!" اس کا چہرہ کھل اٹھا' میں نے پوچھا۔

"یہ رفیق شاہ کس قسم کا بندہ تھا؟"

"انتہائی واہیات اور بے ہودہ......" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "مجھے ایسی بھوکی نظر سے دیکھتا تھا جیسا کچا ہی چبا ڈالے گا۔"

"کیا اس بات کا آپ کی امی کو پتا نہیں؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے غلیظ انسان کو وہ گھر میں گھسنے ہی کیوں دیتی تھیں......؟"

"ہماری مجبوری تھی......!" وہ بے چارگی سے بولی۔ میں نے پوچھا۔ "کیسی مجبوری؟"

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ "کسی برے وقت میں امی نے اس منحوس سے کچھ رقم ادھار لی تھی جو وقت مقررہ پر ہم واپس نہیں کر سکے اور اس خبیث انسان نے سود در سود لگا کر اصل رقم کو چار گناہ کر ڈالا تھا......" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"وہ اپنی رقم کا تقاضا کرنے ہی گھر پر آتا تھا اور امی اس ڈر سے کہ وہ دروازے پر کھڑا ہو کر شور مچائے گا' اسے گھر میں بلا کر ڈرائنگ روم میں بٹھاتی تھیں اور تسلی دلاسا دے کر وہیں سے لوٹا دیتی تھیں کہ ہم بہت جلد اس کی رقم لوٹا دیں گے۔"

"میں نے سنا ہے' وقوعہ کی رات بھی مقتول اسی غرض سے یہاں آیا تھا؟" میں نے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا۔

"مجھے اس کی آمد کے بارے میں کچھ خبر نہیں۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "ظاہر ہے' وہ اسی مقصد سے آیا ہوگا۔ میں اس وقت کمرے میں تھی۔"

"اور کیا یہ بھی سچ ہے کہ اعجاز حسین نے مقتول رفیق شاہ کو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی؟" میں نے فوزیہ سے استفسار کیا۔

"دھمکی کا تو مجھے پتا نہیں البتہ اعجاز رفیق شاہ اور امی کے بیچ ایک سیٹلمنٹ کروانے کی کوشش میں ضرور تھے۔" اس نے بتایا۔ "اسی سلسلے میں ان کی رفیق شاہ سے تلخ کلامی بھی ہوئی تھی۔"

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کے گھر کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟"

"اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آپ ہمارے سچے خیر خواہ ہیں اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتے ہیں......آپ آئیں میرے ساتھ......"

آئندہ پانچ منٹ کے اندر میں نے نگینہ بیگم کے گھر کا تفصیلی جائزہ لے لیا۔

وہ واپسی میں دوبارہ ڈرائنگ روم کا رخ کرنے والی تھی کہ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ...... مجھے تو اس وقت سوسائٹی پہنچنا تھا...... باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" پھر میں نے فوزیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کی امی سے پھر مل لوں گا...... میرا اس وقت جانا بہت ضروری ہے۔"

فوزیہ مجھے تھوڑی دیر اور روکنا چاہتی تھی' لیکن میں اسے تسلی تشفی دے کر گھر سے نکل آیا۔ میں نے نگینہ کی غیر موجودگی میں' فوزیہ کی زبانی معلومات کا ایک خزانہ حاصل کر لیا تھا۔

میں اپنے ذہن میں جو پلان لے کر یہاں آیا تھا وہ بالکل فیل ہو گیا تھا اور پلان کا فلاپ ہونا میرے حق میں بے انتہا سودمند رہا تھا۔ اگر نگینہ گھر میں موجود ہوتی تو یقیناً میں اتنی گراں قدر معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال' میری اس گھر میں آمد چھپنے والی نہیں تھی۔ فوزیہ یقیناً اپنی ماں کو میرے بارے میں بتاتی اور نگینہ بیگم میرا نام سنتے ہی سمجھ جاتی کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں ہاتھ دکھا دیا تھا۔ وہ وکیل صفائی کی حیثیت سے مجھے جانتی تھی کیونکہ پچھلی پیشی پر وہ عدالت میں موجود تھی۔

میں نے آئندہ کی فکر کو جوتے کی نوک پر مارا اور گاڑی کو اپنے گھر کی جانب بڑھا دیا۔ کل کیا ہونا ہے' یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی ہونے والی بات کو بدل سکتا ہے لہٰذا اس کی فکر میں گھلنے کا کیا فائدہ......

◇◇◇

آئندہ پیشی پر اس مقدمے کی باقاعدہ سماعت کا آغاز ہوا۔

جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم کا باقاعدہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میرے مؤکل نے معزز عدالت کے روبرو وہی بیان دیا جو وہ اس سے پہلے اپنی گرفتاری پر پولیس کو دے چکا تھا۔ تاہم کسٹڈی کے دوران میں پولیس نے ملزم سے اقبال جرم کروا لیا تھا۔ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں پولیس کے تشدد سے بچنے کے لیے عموماً ملزم اقبالی بیان پر دستخط کر دیتے ہیں' لیکن ملزم کے اس اقبالی بیان کی عدالت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ عدالت گواہوں کے بیانات اور بعدازاں ان بیانات پر دونوں جانب کے وکلا کی بحث کے نتیجے میں کسی نتیجے پر پہنچ کر فیصلہ سناتی ہے۔

ملزم کے حلفیہ بیان کی تکمیل کے بعد وکیل استغاثہ نے میرے مؤکل کو جرح کی چکی میں پیس ڈالا لیکن ملزم نے نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ ہر سوال کا مدلل اور مختصر جواب دیا۔ یہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اعجاز حسین نے میری ہدایات کی روشنی میں وکیل استغاثہ کو فیس کیا تھا۔

اپنی باری پر میں اکیوزڈ باکس کے قریب پہنچا اور سوال و جواب کا سلسلہ کچھ اس انداز میں شروع کیا۔ "مسٹر اعجاز! اس مقدمے کی ایف آئی آر اور چالان کی رپورٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ رفیق شاہ کو آپ کے ریوالور سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ آپ اس حوالے سے کیا کہیں گے؟"

"پولیس والے جو دعویٰ کر رہے ہیں وہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں نے رفیق شاہ کو قتل نہیں کیا......"

"پولیس نے جب آپ کو آپ کے گھر واقع فیڈرل بی ایریا سے گرفتار کیا تو اسی وقت آپ کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے پولیس نے ایک ریوالور برآمد کر لیا تھا۔ جب آپ کے پڑوسیوں کی موجودگی میں پولیس نے ریوالور کے چیمبر چیک کیے تو ان میں سے دو گولیاں چلی ہوئی پائی گئی تھیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مقتول رفیق شاہ کی موت آپ کے ریوالور سے چلنے والی گولیوں ہی سے واقع ہوئی ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں......؟"

"یہ سچ ہے کہ جب پولیس نے میری گرفتاری کے وقت ریوالور چیک کیا تو اس کے دو چیمبرز خالی تھے جبکہ میں نے ریوالور کو فل لوڈ کر کے ڈیش بورڈ میں رکھا تھا۔" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا "مجھے شک ہے کہ یہ ساری گڑبڑ پولیس والوں نے خود ہی کی ہے......"

"مسٹر اعجاز! اپنی یادداشت کو پکاریں......" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اور معزز عدالت کو بتائیں کہ وقوعہ کی رات نگینہ بیگم کے گھر پر کیا حالات پیش آئے تھے۔"

"یہ آٹھ نومبر کا واقعہ ہے۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت نگینہ بیگم کے گھر میں موجود تھا۔ رات کے نو بجے ہوں گے یا پانچ دس منٹ اوپر۔ میں اور نگینہ بیگم گھر کے صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ نگینہ کی بیٹی فوزیہ اپنے کمرے کے اندر تھی۔ اچانک اطلاعی گھنٹی بجی۔ نگینہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں جا کر دیکھتی ہوں......" یہ کہہ کر وہ گھر کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور بتایا۔ "رفیق شاہ آیا ہے......"

میں نے کہا۔ "تم ادھر ہی رکو۔ میں جا کر اس سے بات کرتا ہوں۔ کیا وہ باہر دروازے پر ہے......؟"

"نہیں...... میں نے اسے اندر ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں' اس شیطان کو تم نے ہی سر چڑھایا ہے۔" میں نے اٹھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "ایسے لوگوں کو گھر کے اندر گھسانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اب تو میں نے اسے اندر بلا لیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں' اگر ڈرائنگ روم میں بٹھا ہی دیا ہے تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ انسان کی اولاد ہوا تو بات اس کی عقل میں آ جائے گی۔"

میرے منع کرنے کے باوجود بھی نگینہ بیگم نہیں مانی اور اس بات پر مصر رہی کہ رفیق شاہ خاصا غصے میں ہے۔ میں خود ہی اسے جا کر ٹھنڈا کرتی ہوں۔ مجھے نگینہ کے اس رویے پر بہت افسوس ہوا۔ میں اس عورت کو سود خور رفیق شاہ کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ اس معاملے میں مجھے نظر انداز کر کے رفیق شاہ کی خوشامد کرنے چلی گئی تھی۔ میرا موڈ خراب ہو گیا تھا' لہٰذا میں نے فوراً وہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے ابھی صحن عبور کیا ہی تھا کہ یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلنے کی آواز ابھری۔ اس اچانک فائرنگ نے مجھے چونکا دیا کیونکہ فائرنگ کی آواز گھر کے اندر یا بیرونی حصے سے آتی سنائی دی تھی۔ میں یہ دیکھنے کے لیے باہر کی طرف لپکا کہ کہیں اس سود خور شیطان نے نگینہ بیگم ہی کا کام تمام تو نہیں کر دیا......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"گھر کے صحن سے ڈرائنگ روم تک جانے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک تو ڈرائنگ روم کا صحن میں کھلنے والا دروازہ ہے جو اندر سے بند تھا۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کے لیے ایک بیڈ روم میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ نگینہ بیگم کا بیڈ روم ہے۔ میں اسی راستے کی جانب لپکا اور میں نے جیسے ہی مذکورہ بیڈ روم میں قدم رکھا۔ سامنے سے نگینہ بیگم آتی دکھائی دی۔ وہ ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے سے نکل کر بیڈ روم میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بے حد حواس باختہ اور گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہوا...... یہ فائرنگ کی آواز کیسی تھی......؟"

"کک...... کسی نے...... رفیق شاہ کو قتل کر دیا ہے......" وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کس نے......؟" بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔

"مم...... مجھے نہیں پتا......" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس کی لاش ادھر ڈرائنگ روم میں پڑی ہے......"

میں نگینہ کے بیڈ روم میں کھلنے والے ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچا اور ڈرائنگ روم کے اندر نگاہ دوڑائی۔ رفیق شاہ خون میں لت پت ایک صوفے پر پڑا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں رفیق شاہ کی لاش کا ہیبت ناک منظر دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آیا کہ مجھے وہاں سے رفو چکر ہو جانا چاہیے۔ اس موقع پر نگینہ بیگم نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ میں فوراً منظر سے ہٹ جاؤں لیکن...... اب احساس ہو رہا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بدحواسی میں کیے گئے اس فیصلے نے مجھے اس کیس میں پھنسا دیا ہے۔"

"آپ کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا کہ آپ کو جائے وقوعہ سے رفو چکر ہو جانا چاہیے؟" ملزم کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔ "اور اب آپ کو اپنی غلطی کا احساس کس حوالے سے ہو رہا ہے......؟"

"غلطی کا احساس اس حوالے سے کہ جب میں افراتفری کے عالم میں نگینہ بیگم کے گھر سے نکلا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہوا تو چند لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے انہوں نے نگینہ بیگم کے گھر کے اندر فائرنگ کی آواز بھی سنی تھی لہٰذا میری پوزیشن اس کیس کی مناسبت سے خاصی کمزور اور مشکوک ہو گئی۔" وہ میرے سوال کے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور جہاں تک فوری طور پر جائے وقوعہ سے میرے رفو چکر ہونے کا تعلق ہے تو...... مجھے خدشہ تھا کہ رفیق شاہ کے قتل کا شبہ مجھ پر کیا جائے گا۔"

"آپ کو یہ خدشہ کس بنیاد پر تھا......؟" میں نے پوچھا۔

"مقتول اکثر و بیشتر میرے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا تھا۔"

"مثلاً کون سی الٹی سیدھی باتیں؟"

"یہی کہ میں نے اسے کئی بار قتل کی دھمکی دی ہے......"

"تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ پوری قطعیت سے بولا۔

میں نے سوال کیا۔ "پھر حقیقت کیا ہے؟"

"میں نے دو چار بار نرمی سے اور ایک آدھ بار سختی سے رفیق شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔" اعجاز حسین نے جواب دیا۔ "میرے اسی سمجھانے کو وہ "قتل کی دھمکی" سے تعبیر کرتا رہا ہے۔"

"آپ مقتول کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے؟" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ وہ نگینہ بیگم کے ساتھ کوئی سیٹلمنٹ کر لے۔"

"کس قسم کا سیٹلمنٹ؟"

"نگینہ بیگم نے دو سال پہلے مقتول سے پچاس ہزار روپے قرض لیے تھے۔ گھر کی خریداری میں کچھ رقم کم پڑ رہی تھی جو اس نے قرضے کی صورت میں لے لی۔" اعجاز حسین وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "مقررہ وقت میں نگینہ بیگم جب قرض کی رقم واپس نہ کر سکی تو رفیق شاہ نے سود در سود شامل کر کے اس رقم کو دو لاکھ تک پہنچا دیا۔ ظاہر ہے' نگینہ بیگم اتنی بڑی رقم کیسے ادا کر سکتی تھی۔ میں اسی سلسلے میں ان دونوں کے بیچ کوئی سیٹلمنٹ کرانا چاہتا تھا۔ میں نے مقتول کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ قرض کی رقم کو ایک لاکھ فکس کر لے اور ماہانہ قسط باندھ کر وصول کرتا رہے۔ اس طرح اس کا نقصان بھی نہیں ہوگا اور نگینہ بیگم کو بھی آسانی رہے گی لیکن رفیق شاہ نے میری تجویز ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ ایک ہی نقطے پر اڑا ہوا تھا کہ سود کے ڈیڑھ لاکھ پہلے اور اصل پچاس ہزار بعد میں۔ نہ ایک پیسا کم اور نہ ایک پیسا زیادہ...... اور اگر فکس ہی کرنا ہے تو دو لاکھ کا اماؤنٹ کرو...... اور اس کی قسطیں اس طرح باندھو کہ ایک سال کے اندر اندر اس کا قرض ادا ہو جائے۔ میرے خیال میں یہ نگینہ بیگم کے بس میں نہیں تھا۔"

"اس سارے واقعے سے لگتا ہے کہ آپ کے دل میں نگینہ بیگم کے لیے بہت زیادہ ہمدردی چھپی ہوئی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "اس کا کوئی خاص سبب؟"

"سبب بس اتنا سا ہے کہ......" وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ "نگینہ بیگم میرے ایک پرانے واقف کار وہاب دین کی بیوہ ہیں۔ وہاب نے کسی زمانے میں میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ بس' یہی خیال ذہن میں رہتا تھا اور میں چند روز بعد ان ماں بیٹی کو دیکھنے چلا جاتا تھا اور جس حد تک ممکن ہوتا' میں ان کی مدد بھی کر دیا کرتا تھا۔"

"اور اب......" میں نے ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں ان ماں بیٹی کا نام دیکھ کر آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے؟"

اعجاز حسین کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے استفسار کیا۔ "آپ کو یہ تو علم ہے نا...... کہ کسی کیس کے ملزم اور استغاثہ کے درمیان کس نوعیت کا رشتہ ہوتا ہے؟"

"بڑی اچھی طرح معلوم ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور اس کے ہونٹوں پر موجود معنی خیز مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اضافہ کیا۔ "میں نے اس ماں بیٹی کے ساتھ جو سلوک کیا وہ میرا ظرف تھا' وہ جو کچھ کریں گی' یہ ان کا ظرف ہوگا۔"

"اوکے......!" میں نے زاویہ سوالات کو تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ "وقوعہ کی رات نگینہ بیگم کے گھر میں کل کتنے افراد موجود تھے؟"

"میں اور نگینہ بیگم صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے؟" اس نے بتایا۔ "فوزیہ اپنے کمرے کے اندر موجود تھی اور رفیق شاہ' نگینہ سے ملنے آیا تھا اور...... پھر چند منٹ کے اندر ہی مارا گیا۔"

"آپ کے خیال میں رفیق شاہ کو کس نے قتل کیا ہوگا؟"

"میں اس سلسلے میں کوئی بھی اندازہ قائم کرنے سے قاصر ہوں۔"

"آپ اپنا ریوالور عموماً کہاں رکھتے ہیں؟" میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے اپنے مؤکل اور اس کیس کے ملزم سے سوال کیا۔

"گاڑی کے ڈیش بورڈ میں۔" اعجاز حسین نے جواب دیا۔

"وقوعہ کی رات جب آپ نگینہ بیگم سے ملنے آئے تو کیا اس وقت بھی آپ کا ریوالور ڈیش بورڈ کے اندر ہی رکھا ہوا تھا؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ اپنی گاڑی کو لاک کر کے نگینہ بیگم کے گھر کے اندر گئے تھے؟''

''جی ہاں...... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' اس نے پورے وثوق سے جواب دیا۔ ''میں گاڑی کو لاک کر کے اندر گیا تھا۔''

''اور جب وہاں سے آپ افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے تو کیا آپ کو اپنی گاڑی لاک ہی ملی تھی......؟''

اس سوال پر اعجاز حسین نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر ہونٹ بھینچتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے' اس وقت گاڑی لاک نہیں تھی......''

''صرف خیال ہے یا آپ کو اس بات کا یقین ہے؟''

''یقین ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ میں نے جرح کا سلسلہ ختم کر دیا۔

وکیل استغاثہ نے جج سے درخواست کی کہ گواہوں کے بیانات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ استغاثہ کی طرف سے کم و بیش دس گواہوں کی فہرست عدالت میں دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر انہی گواہوں اور ان کے بیانات کا ذکر کروں گا' جو کسی حوالے سے اہمیت کے حامل ہوں گے۔

اس سے پہلے کہ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا آغاز ہوتا' میں نے جج سے استدعا کی۔

''جناب عالی! میں انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی کیس کا تفتیشی افسر یعنی انکوائری آفیسر ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہتا ہے اور اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ جیسی ہوتی ہے۔ وہ جج کے اشارے پر آیا اور وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عہدے کے اعتبار سے سب انسپکٹر تھا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح کا آغاز کیا۔

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کو دو گولیاں لگی تھیں۔ ایک گردن پر اور دوسری کنپٹی سے تھوڑا اوپر کھوپڑی میں...... کیا آپ اس رپورٹ سے اتفاق کرتے ہیں؟''

''سو فیصد......!'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

''اور انہی گولیوں کی وجہ سے مقتول رفیق شاہ ہلاک ہوا تھا؟''

''جی...... بالکل!''

''سر والی گولی نے کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیے تھے اور......'' میں نے سنسناتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اور...... دوسری گردن میں دھنس گئی تھی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''نہیں جناب...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تائیدی انداز میں جواب دیا۔

''اور یہ کہ...... دونوں گولیاں مقتول کے جسم کے بائیں حصے میں لگی تھیں...... یعنی بائیں کنپٹی کے اوپر اور گردن کے بائیں جانب......'' میں نے بدستور آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے جائے وقوعہ پر مقتول کی لاش کا تفصیلی معائنہ کیا ہوگا۔ اگر میں کچھ بھول رہا ہوں تو مجھے ٹوک دیجیے گا۔''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''آپ نے یقیناً جائے وقوعہ کا نقشہ بھی تیار کیا ہوگا......!'' میں نے استفسار کیا۔ ''اور آپ کو ڈرائنگ روم کی ایک ایک چیز' ایک ایک زاویے کا بہ خوبی علم ہوگا؟''

''جی ہاں...... یقیناً!'' وہ پورے یقین سے بولا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے اپنی جرح ختم کر دی۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے ایک ہفتہ بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

◈◇◈

آئندہ پیشی پر استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا جیسا کہ میں پیچھے بتا چکا ہوں' استغاثہ کی جانب سے لگ بھگ درجن بھر گواہوں کی فہرست داخل کی گئی تھی مگر یہاں پر نہایت ہی اہم گواہوں کا احوال بیان کیا جائے گا۔

سب سے پہلے عنایت اللہ نامی ایک شخص گواہی کے لیے پیش ہوا۔ عنایت اللہ ملزم اعجاز حسین کا پڑوسی تھا۔ وہ اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا چکا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے کٹہرے کے پاس چلا گیا۔

"عنایت اللہ صاحب!" وکیل استغاثہ گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "جب ملزم کو گرفتار کیا گیا اس وقت آپ موقع پر موجود تھے؟"

"جی ہاں' موجود تھا۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "میں شور کی آواز سن کر گھر سے باہر نکلا تھا پھر پتا چلا کہ میرے پڑوسی اعجاز حسین نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور پولیس اسے پکڑنے آئی ہے۔"

وکیل استغاثہ سائیڈ میں رکھی چوبی میز کی طرف گیا اور وہاں سے سیلوفین بیگ کے اندر رکھے ہوئے آلہ قتل کو اٹھا لایا۔ آلہ قتل اور دیگر ضروری اشیا سیلوفین بیگز میں محفوظ کر لی جاتی ہیں اور انہیں عدالت کے کمرے ہی میں رکھنا لازمی ہوتا ہے۔

وکیل استغاثہ نے مذکورہ بیگ استغاثہ کے گواہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ ریوالور ہے جس سے فائرنگ کر کے مقتول رفیق شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ یہ ریوالور ملزم کی ملکیت ہے۔ آپ اس ریوالور کے بارے میں کیا جانتے ہیں......؟"

"میں اس ریوالور کے حوالے سے صرف اتنا جانتا ہوں کہ پولیس نے یہ ریوالور میری نظر کے سامنے اعجاز صاحب کی گاڑی میں سے برآمد کیا تھا۔" گواہ نے جواب دیا۔

"اس وقت ملزم کی گاڑی کہاں کھڑی تھی؟"

"اس کے گھر کے اندر۔"

"ریوالور گاڑی کے کس حصے سے برآمد کیا گیا تھا؟"

"ڈیش بورڈ میں سے......"

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ "کیا پولیس نے آپ کے سامنے ریوالور کو چیک کیا تھا؟"

"جی ہاں......" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس وقت میرے علاوہ بھی چند افراد وہاں موجود تھے۔ ہم سب کے سامنے ہی پولیس کے افسر نے ریوالور چیک کیا تھا۔"

"اس چیکنگ کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟"

"اس کی چیکنگ سے پتا چلا تھا......" وہ آلہ قتل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کہ اس میں سے دو گولیاں فائر کی گئی ہیں......"

وکیل استغاثہ نے مزید ایک دو سوالات کرنے کے بعد جرح ختم کر دی تو میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور استغاثہ کے گواہ عنایت اللہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"عنایت اللہ! آپ کو ملزم کے پڑوس میں یا ملزم کو آپ کے پڑوس میں رہتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ "کم از کم دس سال تو ہو ہی گئے ہیں......!"

"ان دس سالوں میں......" میں نے اسی انداز میں کہا۔ "آپ کا کم از کم' دس بار تو ملزم سے واسطہ پڑا ہی ہوگا؟"

"دس بار کیا' دس ہزار مرتبہ پڑا ہوگا۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ نے ملزم کو' ملنے جلنے اور دیگر معاشرتی معاملات میں کیسا پایا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "آپ اس کے کردار کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"میں نے اعجاز حسین کو ہر معاملے میں سچا اور کھرا پایا ہے۔"

"کیا آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ ملزم نے کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا......؟" میں نے وٹنس باکس میں کھڑے استغاثہ کے گواہ عنایت اللہ سے سوال کیا۔

"جی...... دل تو نہیں مان رہا......" وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر حالات و

واقعات اسے قاتل ثابت کر رہے ہیں۔"

"حالات و واقعات ...... اسے قاتل گردان رہے ہیں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔"

وہ خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اگلا سوال کیا۔ "عنایت اللہ صاحب! ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں معزز عدالت کو بتایا کہ پولیس نے آپ کی نگاہ کے سامنے آلہ قتل کو ملزم کی گاڑی میں سے برآمد کر کے چیک کیا تھا اور اس میں سے دو گولیاں چلی ہوئی پائی گئی تھیں...... آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ مذکورہ ریوالور میں سے صرف دو گولیاں ہی فائر کی گئی تھیں؟"

"اس لیے ...... اس لیے کہ ریوالور کے دو چیمبرز خالی نظر آ رہے تھے۔" گواہ نے جواب دیا۔

"آپ کو معلوم ہے' ریوالور کے کتنے چیمبر ہوتے ہیں؟"

"چھ...... میرا خیال ہے چھ چیمبرز ہوتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ نے ریوالور کے چار چیمبرز بھرے ہوئے دیکھے تھے؟"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "جب میرے سامنے پولیس نے ریوالور چیک کیا تو اس کے چار چیمبرز کے اندر گولیاں موجود تھیں۔"

"عنایت اللہ صاحب!" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "کیا آپ نے اس واردات سے پہلے ملزم کا ریوالور چیک کیا تھا...... میرا مطلب ہے' وقوعہ کی رات جب ملزم نگینہ بیگم کے گھر کی طرف جا رہا تھا تو کیا آپ کو اس کے ریوالور کے چیمبرز دیکھنے کا موقع ملا تھا......؟

اس نے ایک لمحہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھا پھر جواب دیا۔ "نہیں......!"

"اس کا مطلب ہے' آپ وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ جب وقوعہ کی رات ملزم جائے واردات پر پہنچا تو اس کا ریوالور پوری طرح بھرا ہوا تھا؟" میں نے تیز نظر سے استغاثہ کے گواہ کو گھورا۔

"ظاہر ہے جناب' میں نے اس وقت ریوالور کو چیک تھوڑی کیا تھا کہ وہ خالی ہے یا بھرا

ہوا۔" وہ بے بسی کے عالم میں بولا۔ "مجھے تو یہ بھی پتا نہیں وہ کب وہاں گیا تھا' میں اس بارے میں وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتا ہوں؟"

"اس کا مطلب ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ ریوالور کے چیمبرز میں شروع سے چار گولیاں ہی بھری ہوں......؟"

"یہ نہیں ہو سکتا جناب!" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" میں نے بھی اسی بے ساختگی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ......" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ملزم نے اس موقع پر اپنے ریوالور کے دو چیمبرز خالی دیکھ کر بڑی حیرت سے کہا تھا...... دو گولیاں کہاں چلی گئیں؟ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اس کے ریوالور کے تمام چیمبرز بھرے ہوئے تھے۔"

"ملزم کے یہ الفاظ کہ...... دو گولیاں کہاں چلی گئیں؟...... اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ دو گولیاں اس نے فائر نہیں کی تھیں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں......!"

"کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملزم نے وہ دو گولیاں رفیق شاہ کو قتل کرنے کے لیے فائر کی تھیں؟" میں نے خاصے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

"یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جناب!" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "جب میں نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو قتل کی واردات کرتے ہوئے نہیں دیکھا تو اتنی بڑی بات کیسے کہہ دوں......!"

"تو آپ نے اس کیس کے حوالے سے صرف وہی دیکھا......" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "جو پولیس نے آپ کو دکھانے کی کوشش کی۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جرح موقوف کر دی۔

عنایت اللہ کے بعد' یکے بعد دیگرے محمد اکرم اور حنیف خان کو گواہی کے لیے کٹہرے میں لایا گیا۔ یہ دونوں افراد بھی ملزم اعجاز حسین کی گلی ہی میں رہتے تھے اور ان کے سامنے پولیس نے نہ صرف اعجاز حسین کو ہتھکڑی لگائی تھی بلکہ اس کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے آلہ قتل بھی برآمد کیا تھا۔ ان دونوں کے بیانات' عنایت اللہ کے بیان کا عکس تھے لہٰذا انہیں

ضابطہ تحریر میں لانے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اس کے بعد مقتول رفیق شاہ کے دو قریبی دوستوں کو گواہی کے لیے پیش کیا گیا۔ وہ دونوں مقتول کے زبردست حمایتی تھے اور دونوں کے بیانات میں بیشتر چیزیں مشترک تھیں لہٰذا میں ان میں سے صرف ایک کا بیان آپ کی نذر کرتا ہوں۔ فرید احمد اور توفیق علی نامی استغاثہ کے ان گواہان میں سے فرید احمد کا بیان قدرے اہم تھا لہٰذا اسی کا احوال ملاحظہ کیجئے۔

فرید احمد کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک عام سا شخص تھا۔ اپنی وضع قطع اور بول چال سے ان پڑھ معلوم ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بندہ کسی فیکٹری وغیرہ میں کام کرتا تھا۔

فرید نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ وکیل استغاثہ گھما پھرا کر دس منٹ تک گواہ سے مختلف سوالات کرتا رہا پھر اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس طرح جرح کا آغاز کیا۔

"فرید صاحب! آپ مقتول کو کب سے جانتے تھے؟"

"وہ میرا پرانا دوست تھا۔" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہماری جان پہچان کو بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "پتا چلا ہے' آپ کسی فیکٹری وغیرہ میں کام کرتے ہیں...... آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"میں ایک ٹیکسٹائل مل میں کام کرتا ہوں۔" استغاثہ کے گواہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اور کام کی نوعیت یہی ہے کہ میں کپڑا بنانے والی ایک مشین کو چلاتا ہوں......"

"اور آپ کے دوست مقتول رفیق شاہ کا کیا ذریعہ معاش تھا؟"

"شاہ جی کاروبار کرتا تھا......"

"کس قسم کا کاروبار؟"

"مختلف قسم کے کاروبار' اس نے جواب دیا۔ "زیادہ تر وہ چیزوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا۔"

"آپ مقتول کے دیرینہ دوست تھے۔" میں نے اسے گھیرنے کی غرض سے کہا۔ "اس

کے مزاج اور عادات سے تو آپ اچھی طرح واقف ہوں گے......؟"

"جی ہاں' بڑی اچھی طرح!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "وہ بہت ہی عمدہ انسان تھا' دوسرے انسانوں سے ہمدردی رکھنے والا۔ وہ ہر مشکل' پریشانی میں لوگوں کے کام آتا تھا۔"

"اور یہ "کام آنا" عموماً مال یعنی روپے کی شکل میں ہوتا تھا؟" میں نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا۔

"وکیل صاحب! روپیہ پیسا ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے زندگی کے بیشتر مسائل حل ہو جاتے ہیں۔" اس نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔ "شاہ جی عام طور پر لوگوں کی مالی مدد ہی کیا کرتا تھا۔"

"اور یہ مالی مدد قرض کی صورت میں ہوتی تھی؟"

"ظاہر ہے کوئی ایسے ہی تو اپنا روپیہ اٹھا کر کسی کو نہیں دے دیتا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"پھر وہ اپنے پیسے کی وصولی بھی کرتا تھا...... ہیں نا؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولا۔ "یہ تو اس کا حق بنتا تھا۔"

"اور یہ وصولی سود در سود ہوتی تھی؟"

"پیسے کے کاروبار میں انسان منافع تو لیتا ہی ہے۔"

"گویا مقتول لوگوں کو سود پر پیسہ دینے کا کاروبار کرتا تھا؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "جی ہاں!"

"مقتول نے نگینہ بیگم کو بھی ایک بھاری رقم قرض دے رکھی تھی؟"

"جی...... پچاس ہزار روپے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور وہ نگینہ بیگم سے دو لاکھ وصول کرنے کا خواہاں تھا؟"

"ظاہر ہے' جب نگینہ بیگم نے وقت مقررہ پر شاہ جی کی رقم واپس نہیں کی اور دن گزرتے چلے گئے تو منافع کی رقم میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔" وہ مقتول کے حق میں گواہی دیتے ہوئے بولا۔ "دو سال میں پچاس ہزار کی رقم منافع کی رقم کے ساتھ مل کر دو لاکھ بن گئی تھی۔"

"منافع...... یا سود کی رقم؟" میں نے گواہ کو تیز نظر سے گھورا۔

"آپ کوئی بھی نام دے دیں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "ایک ہی بات ہے۔"

"کیا یہ صحیح ہے کہ ملزم' مقتول اور نگینہ بیگم کے بیچ رقم کے لین دین کے سلسلے میں کوئی سیٹلمنٹ کرانا چاہتا تھا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور ملزم کی یہی مثبت کوشش ملزم اور مقتول کے درمیان تنازع کا سبب بن گئی تھی؟"

"کوشش یا سازش؟" جواب دینے کے بجائے الٹا اس نے مجھ ہی سے پوچھ لیا۔

میں نے چونک کر گواہ کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ......" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "ملزم ان دونوں کے بیچ کسی مصالحت یا مفاہمت کی کوشش نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنا الّو سیدھا کرنے کے لیے اس نے ایک اسکیم تیار کی تھی۔"

"کیسا الّو اور کون سی اسکیم......؟" میں نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں استفسار کیا۔

"اب آپ میری زبان کھلوا ہی رہے ہیں تو سنیں!" وہ برہمی سے بولا۔ "یہ جو آپ کا مؤکل ہے نا...... یہ ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔"

"ڈبل گیم...... کیا مطلب؟"

"ایک طرف اس نے نگینہ بیگم کو آسرا دے رکھا تھا کہ اگر وہ اس کی بات مان لے تو یہ رفیق شاہ سے اس کی جان چھڑا دے گا۔" گواہ نے تلخ لہجے میں بتایا۔ "اور دوسری جانب یہ رفیق شاہ کو ایک لاکھ پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں کہ میرا مؤکل مقتول کے ساتھ ایک لاکھ میں مک مکا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا اور اس رقم کی ادائیگی بھی آسان قسطوں میں چاہتا تھا تاکہ نگینہ بیگم کے لیے کوئی دشواری پیدا نہ ہو......" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن نگینہ کو آسرا دینے اور اس سے کوئی بات منوانے کا قصہ سمجھ میں نہیں آیا؟"

"میں سمجھاتا ہوں۔" وہ بڑے بزرگوں کے مانند بولا۔ "دراصل' آپ کا مؤکل نگینہ کی بیٹی فوزیہ پر ریجھ گیا تھا۔ اس نے نگینہ سے کہا تھا کہ اگر وہ فوزیہ کی شادی اس سے کرنے پر تیار ہو جائے تو وہ رفیق شاہ کی رقم جیسے تیسے ادا کر کے اس کو نجات دلا دے گا۔ یہ ہے کل کہانی جناب......!"

"لیکن ملزم تو ایک شادی شدہ شخص ہے۔" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "اور

اس کے تین بچے بھی ہیں......؟"

"کیا کسی شادی شدہ اور تین بچوں کے باپ کے لیے دوسری شادی کی ممانعت ہے؟" اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔ "آپ کا قانون اس سلسلے میں کوئی قید لگاتا ہے......"

"قانون میں ایسا کچھ نہیں ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے یہ سوال ذاتی حیثیت میں پوچھا تھا۔ بہرحال......" میں نے لمحاتی توقف کیا پھر جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"فرید صاحب! ملزم اور مقتول کی باہمی چپقلش کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"ظاہر ہے' ملزم کو نگینہ کے گھر میں' مقتول کا آنا جانا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "یہ کباب میں ہڈی والی بات تھی۔"

"کباب میں ہڈی......" میں نے چونک کر گواہ کی جانب دیکھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں وکیل صاحب!" وہ اصراری لہجے میں بولا۔ "ایک جانب تو ملزم فوزیہ کو حاصل کرنے کے لیے نگینہ کو اپنی مٹھی میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو دوسری طرف نگینہ نے دو لاکھ کی رقم ہڑپ کرنے کے لیے رفیق شاہ کو مختلف قسم کے سبز باغ دکھا رکھے تھے۔"

"مثلاً...... کون سے سبز باغ؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "آپ تو ایک پر ایک انکشاف کیے جا رہے ہیں۔"

"میرا اشارہ فوزیہ کی طرف ہے......" وہ ذومعنی انداز میں بولا۔

"سبز باغ...... فوزیہ......!" میں نے ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں آپ کا یہ مطلب تو نہیں کہ مقتول رفیق شاہ نگینہ کی بیٹی فوزیہ میں دلچسپی رکھتا تھا اور نگینہ نے مقتول کو اس حوالے سے کوئی امید دلا رکھی تھی......؟"

"جی ہاں...... میرا بالکل یہی مطلب ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اگر ایسی بات تھی تو پھر مقتول اور ملزم کے درمیان رنجش کا کوئی سوال نہیں اٹھتا تھا۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نگینہ بیگم ملزم کو صورت حال سے آگاہ کر دیتی

اور اپنا راستہ بدل لیتا...... نہ کباب رہتا اور نہ ہی اس کے اندر ہڈی......؟"

"یہ اتنا آسان نہیں تھا۔" وہ پرخیال انداز میں بولا۔

"اس میں مشکل کیا تھی؟" میں نے پوچھ لیا۔

"یہ بات تو طے ہے اور مقتول نے مجھے اس حوالے سے کئی بار بتایا تھا کہ نگینہ بیگم فوزیہ اور مقتول کے ملاپ کے لیے راضی تھی اور اس کام کے لیے اس نے مقتول سے مزید دو لاکھ کا مطالبہ بھی کیا تھا لیکن......" وہ لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن سارا مسئلہ تو فوزیہ کا تھا۔"

"فوزیہ کا کیا مسئلہ تھا؟"

"فوزیہ، رفیق شاہ کو پسند نہیں کرتی تھی......"

"اوہ......" میں نے مصنوعی تفکر کی اداکاری کی حالانکہ فوزیہ کی زبانی یہ سچائی پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکی تھی۔ "تو...... اس کا مطلب ہے......" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "فوزیہ، ملزم میں دلچسپی رکھتی تھی......؟"

"میں اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔ "البتہ یہ حقیقت ہے کہ ملزم بری طرح فوزیہ پر فریفتہ تھا اور وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ مقتول کا ٹارگٹ بھی فوزیہ ہی ہے لہٰذا وہ مقتول سے سخت خار کھانے لگا تھا۔ مقتول کا نگینہ کے گھر آنا اسے بڑا ناگوار گزرتا تھا اور اسی لیے ملزم نے مقتول کو دو تین مرتبہ یہ دھمکی بھی دی تھی کہ وہ نگینہ کے گھر آنا جانا چھوڑ دے ورنہ اسے نقصان اٹھانا پڑے گا اور پھر ملزم کا کہا ہوا حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا...... وہ میرے دوست رفیق شاہ کی جان لے کر ہی رہا......!" افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے بات ختم کردی۔

میں نے پوچھا۔ "کیا ملزم نے آپ کے سامنے مقتول کو سنگین نتائج کی دھمکی دی تھی؟"

"نہیں......!" گواہ نے جواب دیا۔ "مجھے رفیق شاہ نے اس واقعے کے بارے میں بتایا تھا۔"

"رفیق شاہ اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا جو آپ کے بیان کی تصدیق کے لیے اس سے پوچھا جائے۔" میں نے گواہ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "بہرحال...... آپ نے نگینہ اور فوزیہ کے حوالے سے جو انکشافات کیے ہیں ان کے لیے بہت بہت شکریہ۔ ان

دونوں کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل ہے۔ ان کی باری پر میں یہ تمام ترسنسنی خیز سوالات ان ماں بیٹی سے ضرور پوچھوں گا......"

وہ یک ٹک مجھے دیکھتا چلا گیا۔

عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس قلیل مدت میں کسی اور گواہ کو بھگتانا ممکن نہیں تھا لہٰذا جج نے تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کردیا۔

"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!"

◈◇◈

اگلی پیشی پر نگینہ کا ایک پڑوسی ظفر علی گواہی دینے کے لیے عدالت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا چکا تو وکیل استغاثہ اسے مختلف طریقوں سے گھس کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ رفیق شاہ کا قتل کرنے کے بعد ملزم بڑے افراتفری کے عالم میں جائے وقوعہ سے فرار ہوا تھا۔ ظفر علی نے نہ صرف یہ کہ نگینہ بیگم کے گھر کے اندر فائرنگ کی آواز سنی تھی بلکہ اس نے ملزم کو وہاں سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔

وکیل استغاثہ نے ظفر علی کی جاں بخشی کی تو میں بری طرح اس سے لپٹ گیا۔ ظفر علی کی عمر چالیس سے متجاوز تھی۔ وہ سانولے رنگ کا ایک دراز قامت شخص تھا۔ اس کے سر کے بال بڑی تیزی سے رخصت ہو رہے تھے۔ میری معلومات کے مطابق وہ کسی سرکاری محکمے میں ملازمت کرتا تھا۔

"ظفر صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں جرح کا آغاز کیا۔ "آج کل آپ کون سا ٹانک استعمال کر رہے ہیں؟"

وہ میرے اس عجیب و غریب سوال پر چونکا اور پوچھ بیٹھا۔ "جی ٹانک...... میں سمجھا نہیں......؟"

"میرا مطلب ہے ہیئر ٹانک!" میں نے وضاحت کرنے والے انداز میں کہا۔ "آپ کے بالوں کا معاملہ خاصا مشکوک اور مخدوش نظر آرہا ہے۔"

"اوہ...... تو آپ کا اشارہ اس جانب تھا۔" وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا پھر کہا۔ "جاتی ہوئی بہار کا غم کیا کریں......"

"ٹھیک ہے، ہم فی الحال غم اور ماتم کو پیچھے چھوڑ کر اس کیس پر توجہ دیتے ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ "کیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے وقوعہ کی رات نگینہ بیگم کے گھر میں فائرنگ کی آواز سنی تھی؟"

"جی ہاں...... اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں۔"

"آپ اس وقت کہاں تھے؟"

"میں اپنے گھر سے باہر نکل رہا تھا۔" اس نے بتایا "مجھے قریبی جنرل اسٹور سے کوئی سودا لانا تھا۔"

"آپ کا گھر...... جائے وقوعہ یعنی نگینہ بیگم کے گھر سے کتنے فاصلے پر واقع ہے؟" میں نے استفسار کیا۔

"بس، ایک دو مکان کے فرق سے ہمارے گھر آمنے سامنے ہیں۔"

"تو جب آپ اپنے گھر سے باہر نکل کر جنرل اسٹور کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو آپ نے نگینہ بیگم کے گھر کے اندر فائرنگ کی آواز سنی......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ "ذرا سوچ کر بتائیں، فائرنگ کی آواز کتنے بجے سنائی دی تھی؟"

"میرا خیال ہے، اس وقت رات کے سوا نو بجے تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں نو بجے والے خبرنامے کی ہیڈ لائنز دیکھنے کے بعد ہی گھر سے نکلا تھا۔"

"فائرنگ کی آواز سننے کے بعد آپ نے کیا کیا؟" میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہے، اس فائرنگ پر آپ کا ردعمل کیا تھا......؟"

"ردعمل...... میں گھبرا گیا تھا۔" اس نے جواب میں بتایا۔ "اور اپنے گھر کے دروازے پر رک کر نگینہ بیگم کے گھر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔"

"ظفر صاحب! آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ اس فائرنگ کے فوراً بعد آپ نے ملزم کو نگینہ بیگم کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔" میں نے کہا۔ "آپ کو ملزم کے ساتھ میں کوئی شے بھی دکھائی دی تھی......؟"

"جی ہاں...... میں نے یہی بیان دیا ہے۔"

"کیا آپ ملزم کو شکل سے پہچانتے تھے؟"

"جی پہچانتا تھا۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی پھر کٹہرے میں کھڑے میرے مؤکل اعجاز حسین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ شخص اکثر نگینہ بیگم کے گھر آتا جاتا رہتا تھا۔ اس کی کریم کلر مزدا کار نگینہ کے گھر کے باہر میں نے کئی بار کھڑی دیکھی ہے۔"

"ٹھیک ہے...... تو آپ ملزم اور اس کی گاڑی کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔" میں نے سلسلہ سوالات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لہٰذا جب وقوعہ کی رات ملزم کو آپ نے افراتفری کے عالم میں، نگینہ بیگم کے گھر سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھتے دیکھا تو آپ کو اس کی شناخت میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا......؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے تائیدی انداز میں کہا۔ "مجھے واقعی ملزم کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔"

"اور آپ کو اس وقت ملزم کے ہاتھ میں جو شے نظر آئی تھی، اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"میں پہلے تو یہی سمجھا تھا کہ وہ کوئی پائپ کا ٹکڑا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "مگر بعد میں خیال آیا کہ وہ ریوالور ہو سکتا ہے۔"

"بعد میں خیال آیا...... بعد میں کب؟"

"نگینہ بیگم کو دیکھ کر......"

"نگینہ بیگم کو دیکھ کر...... کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے......" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "جب ملزم بھاگتے ہوئے نگینہ بیگم کے گھر سے نکلا تو اس کے ایک ہاتھ میں، میں نے ایک سیاہ سی دھاتی چیز دیکھی تھی۔ یہ شخص اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آناً فاناً میں وہاں سے روانہ ہو گیا تو میں حقیقت حال جاننے کے لیے نگینہ بیگم کے گھر کی جانب بڑھا۔ میں جیسے ہی نگینہ بیگم کے دروازے کے قریب پہنچا، وہ مجھے نظر آ گئی۔ وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا ہوا...... ابھی میں نے آپ کے گھر اندر فائرنگ کی آواز سنی تھی؟"

"اندر کسی نے رفیق شاہ کو قتل کر دیا ہے......" نگینہ بیگم نے روہانسی آواز میں بتایا۔ میں رفیق شاہ کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ میں نے نگینہ بیگم سے پوچھا۔ "رفیق شاہ کو کس نے قتل کیا ہے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا......" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ابھی آپ کے گھر سے وہ بندہ دوڑتا ہوا نکلا تھا جو کریم کلر کی مزدا کار میں آپ سے ملنے آتا ہے۔ میں اس کا نام نہیں جانتا......"

"آپ اعجاز حسین کی بات کر رہے ہیں۔" نگینہ بیگم نے کہا۔ "میں بھی اعجاز ہی کو دیکھنے کے لئے دروازے تک آئی تھی۔ اعجاز اور رفیق شاہ دونوں گھر میں موجود تھے۔ پھر فائرنگ کی آواز ابھری۔ میں بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہاں رفیق شاہ کی لاش پڑی تھی اور اعجاز مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا اسی لیے میں اسے دیکھنے باہر کی طرف لپکی تھی۔"

میں نے نگینہ بیگم سے کہا۔ "آپ نے جس شخص کا نام اعجاز حسین بتایا ہے نا' وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے فرار ہو گیا ہے اور میں نے اس کے ہاتھ میں کوئی سیاہ رنگ کی چیز بھی دیکھی ہے......"

نگینہ بیگم نے چونک کر مجھے دیکھا اور تشویش ناک لہجے میں بولی۔ "اعجاز کے ہاتھ میں کہیں کوئی پستول وغیرہ تو نہیں تھا......"

جب ہی مجھے بھی خیال آیا کہ میں جس شے کو پائپ کا ٹکڑا سمجھ رہا تھا وہ کوئی گن بھی ہو سکتی تھی۔ یہ ہے سارا ماجرا جناب......!"

"ہوں......!" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "پھر کیا آپ نے نگینہ بیگم کے گھر کے اندر جا کر دیکھا تھا کہ وہاں کی صورت حال کیا ہے؟"

"جی ہاں......نگینہ بیگم مجھے اپنے ساتھ اندر لے گئی تھی۔"

"اندر جا کر آپ نے کیا دیکھا؟"

"میں نگینہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچا۔" گواہ نے بتایا۔ "اور وہاں ایک صوفے پر رفیق شاہ کی لاش پڑی دیکھی۔"

"لاش پڑی دیکھی......!" میں نے اسی کے الفاظ دہرائے۔ "کیا رفیق شاہ کو دیکھتے ہی آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس دار فانی سے کوچ کر چکا ہے؟"

"جی ہاں' اس کی حالت اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی۔"

"کیا حالت......؟" میں نے کریدا۔

"مطلب یہ کہ رفیق شاہ کی کھوپڑی پاش پاش نظر آ رہی تھی۔" وہ وضاحت کرتے

ہوئے بولا۔ "اس کے جسم کا بالائی حصہ خون میں تر بہ تر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس کی ایسی کیفیت سے یہی اندازہ قائم کیا کہ رفیق شاہ زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا ہے۔"

"ظفر صاحب! آپ کی یادداشت کیسی ہے؟"

میں نے اچانک ایک مختلف سوال کیا تو وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یادداشت تو میری بہت اچھی ہے وکیل صاحب!"

"ویری گڈ!" میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ذرا سوچ کر بتائیں' جب آپ نے نگینہ بیگم کے گھر میں فائرنگ کی آواز سنی تو اس کے بعد بھی اندر کسی نوعیت کی آواز ابھری تھی......"

لمحاتی سوچ بچار کے بعد اس نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "نہیں جناب......!"

"کیا واقعی؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں...... میں بھلا غلط بیانی کیوں کروں گا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا......!" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیا آپ مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں......؟"

"میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی......!"

"پھر آپ کو کس بات کا یقین نہیں آ رہا؟" وہ مستفسر ہوا۔

"اس بات کا یقین نہیں آ رہا کہ فائرنگ کی آواز کے بعد نگینہ بیگم کے گھر کے اندر کسی قسم کی آواز نہ ابھری ہو......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کے خیال میں فائرنگ کے بعد نگینہ بیگم کے گھر کے اندر کس قسم کی آواز ابھرنا چاہیے تھی؟" اس نے بالآخر مجھ ہی سے پوچھ لیا۔

میں نے نہایت ہی سادہ الفاظ میں وضاحت کر دی۔

"اس گھر کے اندر دو لیڈیز بھی موجود تھیں نگینہ بیگم اور فوزیہ۔" میں نے گواہ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ گھر کے اندر فائرنگ ہو اور اس پر عورتیں چیخیں نہیں۔ جب آپ نے فائرنگ کی آواز سنی' اس کے فوراً بعد آپ کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے چیخنے کی آواز تو ضرور سنائی دینا چاہیے تھی' مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"واقعی...... میں نے ان کے چیخنے کی آواز بالکل نہیں سنی۔" وہ حیرت سے آنکھیں

پھیلاتے ہوئے بولا۔

"ہوتا ہے' بعض اوقات انسان کو قبل از وقت اور کبھی وقت گزر جانے کے بہت بعد خیال آتا ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔"ظفر صاحب! اگر آپ نے جائے وقوعہ پر عورتوں کے چیخنے کی آواز نہیں سنی تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دیکھیں' میں بھلا آپ کے انکشاف پر حیران یا پریشان ہوا ہوں......؟"

"انکشاف۔" وہ متذبذب لہجے میں بولا۔"میں نے کون سا انکشاف کیا ہے؟"

"بھئی' یہی کہ جب ملزم نگینہ بیگم کے گھر سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا تو آپ نے اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگت کی کوئی شے دیکھی تھی۔ پہلے آپ اسے پائپ کا کوئی ٹکڑا سمجھے۔ جب نگینہ بیگم نے آپ کو بتایا کہ گھر کے اندر رفیق شاہ کا قتل ہو گیا ہے تو آپ کو خیال آیا' ملزم کے ہاتھ میں پائپ کا ٹکڑا نہیں بلکہ کوئی آتشیں ہتھیار مثلاً پستول یا ریوالور تھا؟"

وہ ندامت آمیز انداز میں نگاہ چرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ پائپ یا ریوالور والی بات اس نے پولیس کے ایما پر اپنے بیان میں شامل کی تھی۔ میں نے جرح کے سلسلے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

"ظفر علی صاحب' آپ نگینہ بیگم کے ساتھ جب گھر کے اندر گئے اور آپ نے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر رفیق شاہ کو مردہ حالت میں پڑے دیکھا تو کیا نگینہ کی بیٹی فوزیہ بھی آپ کو کہیں نظر آئی؟"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا۔"وہ بھی گھر کے اندر موجود تھی اور نگینہ بیگم کی طرح بے حد پریشان بھی۔" میں نے دو چار مزید سوالات کر کے جرح ختم کر دی۔

عدالت کے مقررہ وقت کے ختم ہونے میں بھی آدھا گھنٹا باقی تھا' تاہم استغاثہ کا مزید کوئی گواہ سردست' دستیاب نہیں لہٰذا جج نے اگلی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

میں نے اپنے کاغذات پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔"جناب عالی! میری معلومات کے مطابق' نگینہ بیگم اور اس کی بیٹی فوزیہ کے سوا استغاثہ کے باقی تمام گواہان بھگتائے جا چکے ہیں چنانچہ معزز عدالت سے میری پرزور استدعا ہے کہ آئندہ پیشی پر مذکورہ دونوں گواہان کو نمٹانے کے احکامات صادر کیے جائیں تاکہ اس کیس کو جلد از جلد نتیجہ خیز بنایا جا سکے۔ ویٹس آل یور آنر۔"

جج نے متعلقہ عدالتی عملے اور وکیل استغاثہ کو ہدایت کی کہ اگلی پیشی پر نگینہ بیگم اور اس کی صاحب زادی کو ضرور عدالت میں حاضر کیا جائے۔

آئندہ پیشی بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ اس لیے بھی کہ اس پیشی پر استغاثہ کے آخری دو گواہان نگینہ بیگم اور اس کی بیٹی فوزیہ کو شہادت کے لیے لایا گیا تھا بلکہ اس لیے بھی کہ اس دن کی عدالت کارروائی نے اس کیس کو نتیجہ خیز بنا دیا تھا۔ فوزیہ اس روز پہلی مرتبہ عدالت آئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کا بیان ہوا۔

جب فوزیہ کا بیان مکمل ہوا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے اس کے قریب چلا گیا۔ وہ پندرہ بیس منٹ تک مختلف زاویوں سے سوالات کر کے عدالت کو یہ باور کروانے کی کوشش میں مصروف نظر آیا کہ ملزم اعجاز حسین بہت ہی غصیلا شخص تھا اور وہ مقتول رفیق شاہ کو سخت ناپسند کرتا تھا' وغیرہ وغیرہ۔

اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے قریب پہنچا اور گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مس فوزیہ! میں آپ کے گھر کا مختصر سا خاکہ بیان کرتا ہوں۔ اگر میں کہیں غلطی کروں تو آپ مجھے ٹوک دیجیے گا۔"

"آپ کیوں غلطی کریں گے وکیل صاحب!" وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔"آپ تو وہاں آ چکے ہیں۔"

میں اس کے شکوے کا سبب سمجھ گیا۔ وہ اس امر پر مجھ سے خفا دکھائی دیتی تھی کہ اس رات میں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے موجودہ کیس میں اپنی حیثیت کو چھپا کر اسے ہلکا سا بے وقوف بنایا تھا۔ بہرحال' میں نے اس موقع پر اس کی خفگی یا شکایت کو دور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں یقیناً آپ کے گھر میں آ چکا ہوں مگر یہ عدالت ہے۔ فیصلہ اس کیس کا چونکہ عدالت نے کرنا ہے' لہٰذا اس تفصیل کو دُہرانا اور آپ سے تصدیق کروانا بہت ضروری ہے۔" وہ خشم نظر سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔ میں نے بولنا شروع کیا۔

"فوزیہ صاحبہ! آپ کا گھر لگ بھگ ایک سو تیس گز کے پلاٹ پر بنا ہوا ہے۔ داخلی دروازے سے اندر آئیں تو پانچ فٹ کی ایک راہداری میں قدم پڑتا ہے جس کے دائیں سرے پر ایک کامن واش روم بنا ہوا ہے۔ سامنے پہلو بہ پہلو دو دروازے نظر آتے ہیں۔ دائیں

جانب آپ کی والدہ کے بیڈروم کا دروازہ ہے اور بائیں طرف ڈرائنگ روم کا دروازہ ہے۔ ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی بیرونی راہداری میں کھلتی ہے اور دوسری نگینہ بیگم کے بیڈروم میں۔ ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ عقبی جانب صحن میں کھلتا ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''نگینہ بیگم کے بیڈروم سے ایک دروازہ آپ کے بیڈروم میں اور دوسرا صحن میں وا ہوتا ہے۔ آپ کے بیڈروم کے اختتام پر کچن بنا ہوا ہے۔ آپ کے بیڈروم کی ایک کھڑکی اور ایک دروازہ صحن میں کھلتا ہے۔ صحن اگرچہ زیادہ بڑا نہیں لیکن بہرحال وہ صحن ہے جہاں سات کرسیاں ڈال کر بڑے آرام سے بات چیت کی جاسکتی ہے۔ آپ کے گھر کی بناوٹ دوسرے گھروں سے کافی مختلف ہے...... ہیں نا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تصدیقی انداز میں کہا۔

''مس فوزیہ! جس وقت رفیق شاہ کا قتل ہوا' آپ کہاں تھیں؟' میں نے گواہ سے پوچھا۔

''میں اپنے بیڈروم میں تھی۔''

''اور آپ کی والدہ؟''

''وہ اعجاز صاحب کے ساتھ صحن مین بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔''

''آپ کے بیڈروم کا ایک دروازہ صحن کی طرف کھلتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کو نگینہ بیگم اور اعجاز حسین صحن میں بیٹھے نظر آرہے تھے؟''

''جی نہیں میں نے کھڑکی اور بیڈروم کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔''

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ رفیق شاہ کو کسی نے قتل کر دیا ہے؟''

''مجھے یہ بات امی نے بتائی تھی۔''

''آپ کے کمرے میں آکر؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولی۔ ''فائرنگ کی آواز سن کر میں اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ صحن میں امی سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ رفیق شاہ قتل ہو گیا ہے پھر میں نے امی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا کر اس کی لاش بھی دیکھ لی۔''

''ایک بات بتائیں فوزیہ صاحبہ۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال

کیا۔ ''فائرنگ کی آواز سن کر آپ کی چیخ وغیرہ کیوں نہیں نکلی تھی؟''

''اس کا سب سے بڑا سبب تو یہ ہے کہ جب فائرنگ ہوئی' اس وقت میں اپنے بیڈروم کے اندر تھی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بتانے لگی۔ ''میں تو یہی سمجھی تھی کہ باہر کہیں گولیاں چلی ہیں اور یہ بات تو بالکل میرے علم میں نہیں تھی کہ رفیق شاہ ہمارے گھر میں موجود ہے۔ جب میں اپنے بیڈروم میں گئی تھی تو اس وقت میرے علاوہ امی اور اعجاز صاحب ہی گھر میں تھے۔''

''مس فوزیہ! آخری دو سوالات۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کے بعد میں اپنی جرح ختم کر دوں گا لیکن......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ دونوں سوالات انتہائی حساس اور ذاتی نوعیت کے ہیں لہٰذا بہت ہی سوچ سمجھ کر جواب دیجیے گا۔ آپ کے جواب کی بڑی اہمیت ہے۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

میں نے پوچھا۔ ''مس فوزیہ! اس بات میں کس حد تک صداقت ہے کہ ملزم آپ سے شادی کرنا چاہتا تھا؟''

''اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔ ''یہ...... یہ آپ کیا...... کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کو کس نے بتایا ہے؟''

''پچھلی ایک پیشی پر استغاثہ کے گواہ فرید احمد نے آپ کی ذات کے حوالے سے دو انکشافات کیے تھے۔'' میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ ''فرید احمد' مقتول رفیق شاہ کا گہرا دوست ہے۔''

''وہ انکشافات۔'' فوزیہ نے الجھن زدہ انداز میں زیرلب دُہرایا پھر مجھ سے پوچھا۔

''دوسرا انکشاف کون سا ہے وکیل صاحب؟''

دوسرا انکشاف یہ کہ آپ کی والدہ نگینہ بیگم آپ کی شادی مقتول رفیق شاہ سے کر کے قرض والی رقم سود در سود یعنی دو لاکھ روپے کا قصہ ختم کروانے کی کوشش میں تھی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''بخدا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے بولی۔ ''ایسی کوئی کہانی میرے علم میں نہیں ہے۔ آپ اس سلسلے میں امی سے پوچھیں۔''

''آپ نے کہا اور میں نے مان لیا۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب یہ

دونوں سوالات میں آپ کی امی سے کروں گا۔" پھر میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ اور نہیں پوچھنا جناب عالی۔"

فوزیہ کو باہر بھیج کر نگینہ بیگم کو اندر بلا لیا گیا۔ عدالت کے کمرے میں ایک وقت میں صرف ایک گواہ کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کے بیان اور بعدازاں اس پر ہونے والی جرح سے دوسرے گواہ کی شہادت متاثر نہ ہو مثلاً ابھی فوزیہ کے ساتھ جو سوال و جواب کیے گئے تھے ان سے نگینہ بیگم کے مطلق بے خبر تھیں۔

وکیل استغاثہ نے نگینہ بیگم کو فارغ کیا تو میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ نگینہ بیگم کی عمر پینتالیس سال کے آس پاس تھی لیکن اس نے خود کو بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک جوان بیٹی کی ماں تھی اور خود بھی جوان ہی نظر آتی تھی۔ میں گواہوں والے کٹہرے کے پاس پہنچا تو وہ میری جانب دیکھ کر طنزیہ مسکرائی۔ میں اس کی مسکراہٹ کا مطلب تو بہ خوبی جانتا تھا' مگر میں نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر کرنا مناسب نہ جانا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"نگینہ بیگم!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "کیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے مقتول رفیق شاہ سے کچھ رقم ادھار لے رکھی تھی؟"

"جی ہاں' میں نے مکان کی خریداری کے لیے اس سے پچاس ہزار روپے قرض لیا تھا۔

"لیکن اپنی موت سے چند لمحے پہلے تک تو وہ آپ سے دو لاکھ روپے کا طلب گار تھا؟" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"اس نے پچاس ہزار کی اصل رقم میں سود شامل کر کے دو لاکھ بنا دیے تھے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"اتنا زیادہ سود؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "آپ نے مقتول سے کتنا عرصہ پہلے سود پر رقم لی تھی؟"

"یہی کوئی دو سال پہلے۔" اس نے جواب دیا۔ "اللہ ان سود خوروں کو غارت کرے۔ رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔"

"کیا میں یہ کہنے میں حق بہ جانب ہوں گا کہ......" میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "اللہ

نے آپ کی سن لی؟"

"جی...... میں کچھ سمجھی نہیں؟" وہ سوالیہ نظروں سے مجھے تکنے لگی۔

"آپ کی خواہش تھی کہ اللہ سود خوروں کو غارت کرے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اور رفیق شاہ قتل ہو گیا۔"

"میں نے تو وہ بات محاورتاً کہی تھی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "ورنہ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ رفیق شاہ کے قتل اور سود کے نظام کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "لیکن مقتول اور آپ کی صاحب زادی فوزیہ کا تو آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ گھور کر مجھے دیکھنے لگی۔

"میں ایک ٹرائی اینگل یعنی مثلث کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "جس کا ایک زاویہ تھا مقتول رفیق شاہ' دوسرا زاویہ تھا آپ کی صاحب زادی فوزیہ اور تیسرا زاویہ تھا' دو لاکھ رقم...... آپ ان دو لاکھ روپے کے عوض فوزیہ کی شادی مقتول سے کرنے کے بارے میں فیصلہ کر چکی تھیں...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"جی ہاں...... آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔" وہ غصیلی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ بکواس بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟"

"استغاثہ کے ایک گواہ اور مقتول کے دوست فرید احمد نے۔" میں نے نگینہ بیگم کے سوال کے جواب میں کہا۔ "میں نے یہی سوال آپ کی صاحب زادی سے بھی کیا تھا۔ اس نے اپنی لاعلمی ظاہر کر کے آپ سے پوچھنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے فوزیہ ہی کے مشورے پر آپ سے استفسار کیا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ میں قرض کی رقم کی وجہ سے سخت پریشان تھی جو روز بہ روز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔" وہ معتدل انداز میں بولی۔ "لیکن میں نے فوزیہ کے حوالے سے مقتول کو کوئی پیش کش نہیں کی تھی۔"

"اور اسی سلسلے میں آپ ملزم کے بارے میں کیا کہیں گی؟" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اب آپ نے کی ہے نا کام کی بات۔" وہ اپنے بدن کا بوجھ ایک پاؤں سے دوسرے

پاؤں پر منتقل کرتے ہوئے بولی۔ ''ملزم فوزیہ سے شادی کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا اور اس بات کے لیے بھی تیار تھا کہ اگر میں راضی ہو جاؤں تو وہ رفیق شاہ کی رقم اپنی جیب سے ادا کر دے گا۔'' نگینہ بیگم کی اس ادا سے کھل کر سامنے آ گیا تھا کہ وہ اپنے محسن اعجاز حسین کے لیے اپنے دل میں ذرا سی بھی ہمدردی نہیں رکھتی تھی ورنہ وہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرتی۔ حقیقت یہ تھی کہ ملزم ان ماں بیٹی کا سچا خیر خواہ تھا اور اپنے دل میں ان کے لیے احترام اور خلوص کا جذبہ رکھتا تھا۔ میں نے نگینہ بیگم کو جرح کی چکی میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''نگینہ بیگم! کیا آپ اس بات کی تردید کریں گی کہ پچھلے ڈیڑھ سال سے ملزم بڑے تواتر کے ساتھ ہر دوسرے تیسرے دن آپ کے گھر جاتا رہا تھا؟''

''یہ بات بالکل درست ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''لہٰذا میں تردید نہیں کروں گی۔''

''اب ذرا جلدی سے یہ بھی بتا دیں کہ ملزم کی آپ لوگوں کے ساتھ کیسی رشتہ داری ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

''کوئی رشتے داری نہیں ہے۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

میں نے کہا۔ ''پھر آپ کے گھر ملزم کی آمد و رفت کیا معنی رکھتی ہے؟''

''وکیل صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ہم لوگ تو اس بندے کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ جب فوزیہ کے باپ کا انتقال ہوا تو اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد اس شخص نے ہمارے گھر آنا شروع کر دیا۔ خود کو وہاب دین کا دیرینہ دوست ظاہر کیا اور ہمارا خیال رکھنے کے بہانے اس نے ہمارے گھر کے چکر لگانے شروع کر دیے پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ......ہم تو چھوڑتے ہیں مگر کمبل ہمیں نہیں چھوڑتا۔''

''آپ کے برعکس آپ کی صاحب زادی فوزیہ ملزم کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''فوزیہ نادان اور بے وقوف ہے' لوگوں کے مکر و فریب اور چھل بازیوں کو نہیں سمجھ پاتی۔'' وہ پرخیال انداز میں بولی پھر مجھ پر چوٹ کی۔ ''آپ کو تو اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہو گا کہ بہلا پھسلا کر فوزیہ کی زبان سے کچھ بھی اگلوانا کس قدر آسان ہے۔''

میں نے اس کی چوٹ کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا پھر پوچھا۔ ''چند روز پہلے فوزیہ

نے بتایا تھا کہ ملزم گاہے بہ گاہے آپ کی مالی مدد بھی کرتا رہتا تھا۔ اس بات میں کس حد تک صداقت ہے؟''

''صرف اس حد تک کہ یہ بات درست ہے کہ میں نے ملزم کے اصرار پر چند روپے رکھ لیے تھے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اس وقت مجھے پیسوں کی اشد ضرورت تھی' لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ یہی میری غلطی تھی۔ اس شخص نے دو تین بار' دو چار ہزار دے کر یہ سوچنا شروع کر دیا کہ میں اس کی بات ماننے لگوں گی۔ یہ اپنی پلاننگ کے ساتھ رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہا تھا۔ بالآخر ایک روز یہ کھل کر سامنے آ گیا اور اس نے واضح الفاظ میں مجھ سے کہا کہ اگر میں فوزیہ کی شادی اس سے کر دوں تو وہ میرا سارا قرض ادا کر دے گا۔''

''کیا فوزیہ' ملزم کی اس خواہش سے آگاہ تھی؟''

''میرا خیال ہے......نہیں۔'' وہ بڑے وثوق سے بولی۔ ''میں نے کبھی فوزیہ سے اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔''

''ملزم نے کب آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا؟''

''وقوعہ سے ایک ماہ پہلے۔''

''آپ نے اسے کیا جواب دیا تھا؟''

''میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔''

''اس کے باوجود بھی آپ کے گھر میں اس کی آمد و شد جاری تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اسے دو ٹوک منع نہیں کر سکتی تھی۔''

''کیوں منع نہیں کر سکتی تھیں؟'' میں نے زور دے کر پوچھا۔

''یہ شخص ایک معاملے میں میری ڈھال بنا ہوا تھا۔''

''کس معاملے میں؟'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کہیں آپ کا اشارہ مقتول رفیق شاہ کی طرف تو نہیں؟''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مقتول جب بھی رقم کا تقاضا کرنے آتا تھا ملزم اسے ڈرا دھمکا کر واپس بھیج دیا کرتا تھا۔''

''ڈرا دھمکا کر......یا سمجھا بجھا کر؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جو لوگ سود کا کاروبار کرتے ہیں وہ لوگوں کے سمجھانے بجھانے میں نہیں آتے۔'' وہ

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ لوگ اپنے پیسا وصول کرنے کے ایک سو ایک گر جانتے ہیں۔ انہیں بس کسی خطرناک دھمکی سے روکا جا سکتا ہے۔''

''کیا یہ سچ ہے کہ ملزم نے مقتول کو خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''مقتول کے دوست اور استغاثہ کے گواہ فرید احمد کا دعویٰ ہے کہ ملزم نے مقتول کو قتل کی دھمکی بھی دی تھی۔''

''گواہ کا دعویٰ بالکل درست ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''کئی بار میرے سامنے بھی ان دونوں میں شدید نوعیت کی تلخ کلامی ہوئی تھی اور ملزم نے مقتول کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اپنے قرض کو بھولنے کی کوشش نہیں کرے گا تو ان کی جان کی ضمانت نہیں دی سکتی۔''

''ملزم یہ سب کچھ آپ ماں بیٹی کی خاطر ہی تو کر رہا تھا۔''

''وہ جو کچھ بھی کر رہا تھا' غلط تھا۔'' وہ سفاکی سے بولی۔ ''اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ملزم نے بالآخر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں کیا کہوں گی' حقیقت عدالت کے سامنے ہے۔'' وہ اس کیس سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے کوئی تھوڑی ملزم سے کہا تھا کہ وہ مقتول کو ایسی خطرناک اور جان لیوا دھمکیاں دے...... جو کیا ہے اب اسے بھگتنا تو پڑے گا ناں۔''

وہ سیدھا سیدھا میرے موکل اعجاز حسین کو رفیق شاہ کا قاتل ٹھہرا رہی تھی۔ اس کی اس حرکت سے میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ کہیں وہ کوئی بہت بڑی حقیقت چھپانے کے لیے تو اعجاز حسین کو قربانی کا بکرا نہیں بنا رہی۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اسے جرح کی چکی میں پیس ڈالا۔

''نگینہ بیگم! عدالت جاننا چاہتی ہے کہ آٹھ نومبر کی رات نو اور دس بجے کے درمیان آپ کے گھر میں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟'' میں نے قدرے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔ ''میں وقوعہ کی رات کا ذکر کر رہا ہوں۔''

''میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی پھر مجھے تفصیلات سے آگاہ کرنے لگی۔ ''میں اور ملزم گھر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ فوزیہ اپنے کمرے میں تھی۔ اسی

وقت مقتول آ گیا۔ میں نے رفیق شاہ کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود صحن میں آ گئی۔ ملزم نے مجھ سے پوچھا' کون آیا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ رفیق شاہ۔ ملزم نے کہا' اس کا روز روز کا آنا بند کرنا ہی پڑے گا۔ اس نے کیا تماشا لگا رکھا ہے۔ شاید یہ سود خور مجھے جانتا نہیں۔ میں نے ملزم سے کہا۔ طیش میں آنے کی ضرورت نہیں' میں خود اس سے بات کرتی ہوں...... یہ کہہ کر میں نے چائے کے خالی کپ اٹھائے اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اور ملزم نے ان کپ میں چائے پی تھی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی۔ ایک گہری سانس خارج کی پھر سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''میں نے یہی سوچا تھا کہ چائے کے جھوٹے برتن کچن میں رکھ کر میں رفیق شاہ کے پاس جاؤں گی اور اس سے منت کروں گی کہ اس وقت چلا جائے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ملزم کے جو غضب ناک تیور دیکھے تھے ان کی روشنی میں مقتول کو فوراً وہاں سے چلے جانا چاہیے تھا' لیکن میں اپنی سوچ پر عمل نہ کر سکی۔ میں کچن میں پہنچی ہی تھی کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ ملزم نے رفیق شاہ کو قتل کر دیا ہے۔''

''آپ کے ذہن میں یہ خیال کس بنا پر آیا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''میں نے بتایا تو ہے......'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ''تھوڑی دیر پہلے ملزم نے مقتول کے لیے بڑے خطرناک عزائم کا اظہار کیا تھا۔''

''فائرنگ کی آواز سن کر آپ کی کوئی چیخ وغیرہ بھی خارج ہوئی تھی؟''

''نن...... نہیں۔'' وہ متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیوں؟''

''شاید میں بہت زیادہ گھبرا گئی تھی۔''

''اس گھبراہٹ میں آپ نے کیا کیا؟'' میں نے استفسار کیا۔

''میں کچن سے باہر نکلی تو ملزم صحن میں موجود نہیں تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''اس سے میرے شک کو تقویت پہنچی کہ یہ فائرنگ ملزم ہی نے کی ہوگی۔ میں بھاگتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچی اور اسی وقت میں نے ملزم کو ڈرائنگ روم کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور بھی تھا......''

"ایک منٹ۔" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "ڈرائنگ روم کے تین دروازے ہیں۔ آپ نے کون سے دروازے سے ملزم کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"باہر والے دروازے سے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"یعنی وہ دروازہ جو داخلی دروازے کے بالکل سامنے پڑتا ہے؟" میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی جانب دیکھا۔

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "ڈرائنگ روم میں مہمانوں کی آمد و رفت اسی دروازے سے ہوتی ہے۔"

"جبکہ...... میں نے چور کے پاؤں باندھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ آپ کے بیڈ روم میں کھلتا ہے اور تیسرا دروازہ عقبی جانب صحن میں؟"

"جی ہاں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "تو جب آپ نے ملزم کو ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس کے ہاتھ میں آپ کو ایک ریوالور بھی نظر آیا تھا؟"

"جی ہاں...... بالکل۔" وہ بڑے وثوق سے بولی۔

"آپ نے ملزم سے فائرنگ کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا؟"

"میں نے ملزم سے پوچھا تھا کہ یہ فائرنگ کی آواز کیسی تھی؟"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

"اس نے کوئی واضح جواب نہیں دیا تھا۔" وہ ایکوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "بلکہ یہ الٹا مجھے جھڑک کر گھر سے باہر نکل گیا تھا۔"

"آپ نے ملزم کا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی؟"

"نہیں۔" وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولی۔ "اس وقت میں بے حد پریشان تھی۔ میں ملزم کا پیچھا کرنے کے بجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی اور میں نے صوفے پر رفیق شاہ کو مردہ حالت میں دیکھا۔ اس کی کھوپڑی میں سے خون ابل رہا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے ایک جانب لڑھک سا گیا تھا۔"

نگینہ بیگم کا بیان ملزم کو پھانسی کے پھندے تک لے جانے کے لیے کافی تھا' لیکن میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ میں نے پچھلے تین چار ماہ جو جان توڑ محنت کی تھی وہ

رائیگاں چلی جائے' یہ مجھے کسی بھی قیمت پر منظور نہیں تھا۔

"نگینہ بیگم!" میں نے استغاثہ کی سب سے اہم گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ مقتول کو دیکھنے کے لیے ڈرائنگ روم کے کون سے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھیں؟"

"جس سے ملزم کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"یعنی وہ دروازہ جس کے عین سامنے صوفہ سیٹ رکھا ہوا ہے؟" میں نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔ "اور اسی صوفہ سیٹ پر مقتول کو آپ نے بٹھایا تھا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"کیا آپ کو مقتول رفیق شاہ کی لاش بھی اسی صوفے پر پڑی نظر آئی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے آپ اسے بٹھا کر گئی تھیں؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے گھیرا تنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نگینہ بیگم! ڈرائنگ روم کا عقبی جانب صحن میں کھلنے والا دروازہ تو پہلے ہی سے بند تھا۔ آپ اپنی بیڈ روم کی جانب کھلنے والے دروازے کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟"

"وہ بند تھا۔" وہ بڑے وثوق سے بولی۔ "میں نے جب مقتول کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا تو اندرونی دروازہ بند کر آئی تھی۔"

"فائرنگ کی آواز سن کر جب آپ ڈرائنگ روم کی جانب لپکی تھیں' تب بھی وہ دروازہ بند ہی تھا؟"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"دیٹس آل یور آنر۔" میں نے جج کی جانب مڑتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی۔ "مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔ میں نے رفیق شاہ کے قاتل کو ڈھونڈ لیا ہے۔"

وکیل استغاثہ سمیت عدالت میں موجود ہر شخص کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ جج نے عینک کے اوپر سے مجھے گھور کر دیکھا اور گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"بیگ صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کی نظر میں رفیق شاہ کو کس نے قتل کیا ہے؟"

"یا تو نگینہ بیگم اصل قاتل کی جانب سے توجہ ہٹانے کے لیے مسلسل دروغ گوئی سے

کام لے رہی ہیں اور یا پھر......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد ڈرامائی انداز میں اضافہ کیا۔

''یا پھر نگینہ بیگم ہی رفیق شاہ کی قاتل ہیں۔''

''یہ آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟'' نگینہ بیگم نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

وکیل استغاثہ نے نعرہ احتجاج بلند کیا۔ ''آبجکشن یور آنر۔'' عدالت کے کمرے میں موجود لوگوں میں بھی چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سنجیدہ ماحول مچھلی مارکیٹ کا منظر پیش کرنے لگا۔

''آرڈر......آرڈر۔'' جج نے بہ آواز بلند مخصوص لہجے میں پکارا۔ عدالت کے کمرے میں دوبارہ پہلے جیسی خاموشی اور سنجیدگی نظر آنے لگی۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بیگ صاحب! کیا آپ اپنے اس دعوے کو ثابت کر سکتے ہیں؟''

''جناب عالی!'' میں نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ''اب تک کی عدالت کی کارروائی میں موقع بہ موقع میں نے جو پوائنٹس اٹھائے ہیں' وہ میرے مؤکل کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں ان پوائنٹس کو اجاگر کر کے نگینہ بیگم کے حوالے سے اپنے دعوے کو سچا ثابت کر سکتا ہوں۔''

''اجازت ہے۔'' جج نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ میں نے تشکرانہ انداز میں جج کی جانب دیکھا پھر اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! پوسٹ مارٹم کے مطابق' رفیق شاہ کا قتل آٹھ نومبر کی رات نو اور دس بجے کے درمیان ہوا تھا اور پولیس کا پیش کردہ چالان اس امر کا گواہ ہے کہ ملزم کو نصف شب کے قریب اس کے گھر واقع فیڈرل بی ایریا سے گرفتار کیا گیا تھا۔ پولیس نے ملزم کے پڑوسیوں کی موجودگی میں ملزم کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے آلہ قتل یعنی اعشاریہ تین دو کیلی بر کا ریوالور برآمد کیا تھا۔ اگر میرے مؤکل نے رفیق شاہ کو قتل کیا ہوتا تو ایک قاتل کی نفسیات کے مطابق' سب سے پہلے اسے آلہ قتل کو ٹھکانے لگا دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ نگینہ بیگم اور ظفر علی کے مطابق' وہ دونوں ملزم کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ چکے تھے۔ اس صورت حال میں ملزم مذکورہ ریوالور کو کبھی بھی اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں نہ چھوڑتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ملزم کی لاعلمی میں اس کے ریوالور کو استعمال کر کے رفیق شاہ کو قتل کیا گیا تھا۔ اب میں نگینہ بیگم کی چالاکی اور دروغ گوئی کی طرف آتا ہوں۔'' میں نے چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر حاضرین

عدالت پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی۔ ہر شخص کی نظر مجھ پر لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نگینہ بیگم کے گھر میں قتل کی ایک واردات ہو گئی تھی لیکن نہ تو اس کے حلق سے کوئی چیخ برآمد ہوئی اور نہ ہی اس نے شور مچانے کی کوشش کی۔ ملزم کے بیان کے مطابق' فائرنگ کے بعد ان کی ملاقات نگینہ بیگم کے بیڈ روم میں ہوئی تھی اور نگینہ بیگم نے ملزم کو بتایا تھا کہ کسی نے ڈرائنگ روم میں رفیق شاہ کو قتل کر دیا ہے لہٰذا وہ فوراً جائے وقوعہ سے غائب ہو جائے۔ ملزم نے نگینہ بیگم کا مشورہ مان لیا تھا جبکہ نگینہ بیگم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ فائرنگ کے بعد ان کی ملاقات ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے پر ہوئی تھی اور ملزم اسے ڈانٹ کر فرار ہو گیا تھا۔ اب میں ایک بار پھر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا ذکر کروں گا......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''اس رپورٹ کے مطابق مقتول کے جسم پر دو فائر کیے گئے تھے۔ ایک گولی اس کی گردن میں دھنس گئی تھی اور دوسری نے اس کی کھوپڑی کو ہوادار بنا دیا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اور انکوائری آفیسر اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ مقتول کی گردن اور کھوپڑی کے بائیں یعنی لیفٹ حصے کو نشانہ بنایا گیا تھا جبکہ نگینہ بیگم نے ملزم کو ڈرائنگ روم کے سامنے والے دروازے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''تو......اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟'' وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''میرے فاضل دوست!'' میں نے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجاتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رفیق شاہ کو میرے مؤکل نے قتل نہیں کیا۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''ذرا وضاحت کریں۔''

''میرے فاضل دوست۔'' میں نے وکیل استغاثہ کی فرمائش پوری کرتے ہوئے کہا۔

''نگینہ بیگم معزز عدالت کے روبرو اس حقیقت کا اقرار کر چکی ہے کہ جب اس نے ملزم کو ڈرائنگ روم کے سامنے والے دروازے سے فرار ہوتے دیکھا تو اس وقت ڈرائنگ روم کے باقی دونوں دروازے بند تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بالفرض یہ قتل میرے مؤکل ہی نے کیا ہے تو وہ مقتول پر فائرنگ کرنے کے لیے ڈرائنگ روم کے سامنے والے دروازے سے داخل ہوا ہوگا اور اس صورت میں دونوں گولیاں مقتول کے جسم کے سامنے والے حصے پر لگن

چاہیے تھیں کیونکہ وہ دروازے کے عین سامنے ایک صوفے پر براجمان تھا۔'' میں نے تھوڑی دیر رک کر بڑی معنی خیز نظر سے وٹنس باکس میں کھڑی نگینہ بیگم کی طرف دیکھا پھر اپنے دلائل کو مؤخر کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! جس صوفے پر رفیق شاہ کا قتل ہوا وہاں سے مقتول کی بائیں جانب ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی ہے جو دوسری طرف نگینہ بیگم کے بیڈروم میں کھلتی ہے۔ یقیناً مقتول پر فائرنگ اسی کھڑکی میں سے کی گئی تھی۔ اب یہ تو نگینہ بیگم ہی بتا سکتی ہیں کہ اس نے خود رفیق شاہ کو قتل کیا ہے یا......''

''مم...... میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی نگینہ بیگم کی سراسیمہ' جھرجھراتی ہوئی آواز عدالت کے کمرے میں بلند ہوئی۔

میں نے پلٹ کر وٹنس باکس کی طرف دیکھا۔ نگینہ بیگم کا حوصلہ جواب دے چکا تھا۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھیں حیرت اور ڈر سے پھٹی جا رہی تھیں۔ وہ کٹہرے کی ریلنگ کو تھام کو خود کو بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

جج نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔ ''نگینہ بیگم! رفیق شاہ کو اگر تم نے قتل نہیں کیا تو پھر اس کا قاتل کون ہے؟''

''مم...... میں بے گناہ ہوں' بے قصور ہوں۔'' وہ ریلنگ کو تھامے تھامے نیچے بیٹھنے لگی۔

''وہ...... وہ دراصل...... مو...... را...... د......!''

◈◇◈

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔

پچھلی پیشی کا وائنڈ اپ نگینہ بیگم کے اس کانپتے لرزتے جملے پر ہوا تھا۔ ''وہ...... وہ دراصل...... مو...... را...... د......!''

''مو...... را...... د......!'' سے درحقیقت نگینہ کی مراد' مراد نامی ایک شخص سے تھی۔ جج نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر پولیس کو حکم دیا تھا کہ وہ نگینہ بیگم کو شامل تفتیش کر کے جلد از جلد اس کیس کا نیا چالان پیش کرے۔ عدالت کا نئے چالان کے لیے احکامات صادر کرنے کا واضح مطلب یہی تھی کہ ملزم اعجاز حسین کو عدالت نے بے گناہ مان لیا تھا۔

نگینہ بیگم کی ہمت اور حوصلے کو تو میری جرح کی چکی نے پیس کر سفوف کی شکل دے دی

تھی۔ پولیس کو لہٰذا اس پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ اس نے مراد کے قاتل اور خود کے شریک جرم ہونے کا قرار کر لیا۔ نگینہ بیگم کی نشان دہی پر پولیس نے چھاپا مار کر مراد کو گلشن اقبال سے گرفتار کر لیا۔ مراد کو رفیق شاہ کے قاتل کی حیثیت سے فٹ کرنے کے لیے نگینہ بیگم کا اقبالی بیان ہی کافی تھا۔ بہرحال پولیس نے مراد کی زبان کا قفل بھی کھول دیا تھا۔

مراد نامی شخص دراصل ایک پراپرٹی ایجنٹ تھا۔ اس کے علاوہ وہ سود پر پیسہ دینے کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ مراد کی مالی حالت بہت مضبوط تھی اور اتفاق سے وہ نگینہ بیگم پر مرمٹا تھا۔ اتفاق در اتفاق یہ کہ رفیق شاہ کسی زمانے میں مراد کا پارٹنر ہوا کرتا تھا اور اس کا ایک فراڈ پکڑنے کے بعد مراد نے اسے خود سے الگ کر دیا تھا۔ نگینہ پر دل آ جانے کے بعد جب اسے پتا چلا کہ وہ رفیق شاہ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے تو اس نے ایک تیر سے دو شکار کا منصوبہ نگینہ بیگم کے سامنے رکھا۔ نگینہ اعجاز حسین سے بھی جان چھڑوانا چاہتی تھی لہٰذا اس نے مراد کے منصوبے کے جواب میں ایک تیر تین شکار والا منصوبہ پیش کر دیا اور اس پر ان دونوں میں اتفاق رائے ہو گیا۔

نگینہ بیگم نے ایسے وقت میں مراد کو اپنے گھر بلایا جب رفیق شاہ اور اعجاز حسین پہلے سے وہاں موجود ہوں۔ اعجاز حسین کا ریوالور بھی وہی نظر بچا کر اس کی گاڑی سے نکال لائی تھی۔ پروگرام کے مطابق' مراد نے کھڑکی میں سے فائر کر کے رفیق شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور ریوالور اعجاز حسین کی گاڑی میں رکھ کر نو دو گیارہ ہو گیا۔

افسوس' جس مقصد کی خاطر نگینہ بیگم اور مراد نے اعجاز حسین کو قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی تھی وہ پورا نہ ہو سکا۔ رفیق شاہ عبرت ناک انجام کو پہنچا۔ مراد عمر قید کی سزا پا کر جیل کی دیواروں کے پیچھے چلا گیا۔ نگینہ بیگم کو بھی اعانت جرم میں جیل ہو گئی تھی اور اعجاز حسین...... ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' کے مصداق مکھن میں سے بال کی طرح صحیح وسلامت نکل آیا تھا۔

سود کا لین دین کسی لعنت سے کم نہیں۔ یہ اس میٹھے زہر کے مانند ہے جو انسان خوشی خوشی اپنے اندر اتار لیتا ہے۔

◈◇◈

مرچ مسالا

اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ جب یہ اس کے حکم سے حرکت میں آتی ہے تو دولت کے پہاڑ بے وقعت ذروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں' لیکن انسان نے کبھی اپنے ماضی سے سیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے طور پر نیا تجربہ کر کے دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے بڑی شدت کے ساتھ یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ اگر پہلے کسی سے کچھ غلط ہو گیا تھا تو اب ویسا نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے، اب ویسا نہیں ہوتا مگر اس سے بھی بڑھ کر برا ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس بے اندازہ دولت ہوتی ہے وہ ہر کام کو پیسے کی طاقت کے بل پر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس عادت کی وجہ سے وہ غلط صحیح کی پہچان اور جائز کی تمیز بھول جاتے ہیں، پھر قانون قدرت حرکت میں آ جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں...... گیارہ فروری کی سہ پہر جو پہلا شخص میرے چیمبر میں داخل ہوا اس پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں فٹ بال کا تصور ابھرا۔ وہ پستہ قامت نہیں تھا' تاہم میانہ قد کے ساتھ ہی وہ اس قدر فربہ تھا کہ اس کی لمبائی چوڑائی میں تمیز کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

"السلام علیکم وکیل صاحب!" اندر آ کر اس نے مجھے سلام کیا۔

میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد ان کرسیوں کی طرف بڑھ گیا' جو میری میز کے سامنے وزیٹرز کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تو میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی فرمائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میرا نام امین ہے......" وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔ "میں اپنے چھوٹے بھائی

کے سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

میرے سامنے موجود اس فٹ بال نما امین کی عمر پینتالیس کے اریب قریب نظر آتی تھی۔ اس کے چہرے پر دو تین روز کا بڑھا ہوا شیو موجود تھا اور جب وہ بولا تو اس کے دانتوں نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ وہ پان کھانے کا عادی تھا' تاہم اس وقت وہ اس نوعیت کے شغل میں معروف نہیں تھا۔

میں نے رف پیڈ کو اپنے سامنے رکھا اور قلم کو سنبھالتے ہوئے امین سے پوچھا۔ "امین صاحب! آپ کے بھائی کا نام کیا ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو میرے پاس کیوں آنا پڑا؟"

"میرے چھوٹے بھائی کا نام ناصر ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "ناصر کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے......"

"ناصر کو پولیس نے کب گرفتار کیا ہے؟" میں نے سوال کیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ

"دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے......" امین نے بتایا۔ "نو فروری کو سہ پہر میں۔"

آج فروری کی گیارہ تاریخ تھی اور امین کے بھائی کی گرفتاری دو روز پہلے عمل میں آئی تھی۔ میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے استفسار کیا۔

"ناصر کو پولیس نے کس الزام میں گرفتار کیا ہے؟"

امین نے فٹ بال بدن پر رکھے فٹ بال سر کو ایک بے معنی سی جنبش دی اور برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "میں اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایک سیدھا سادا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان ہے۔"

"میں نے آپ کے بھائی کی شرافت کا سرٹیفکیٹ نہیں مانگا امین صاحب۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پولیس نے آپ کے چھوٹے بھائی کو کس الزام کے تحت گرفتار کیا ہے......؟"

"پولیس نے ناصر کو بڑا گھناؤنا الزام لگایا ہے وکیل صاحب!" وہ نظر کے چشمے کے پیچھے سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے ایک نامحرم لڑکی کے ساتھ فحش حرکتیں کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔"

"اور وہ نامحرم لڑکی کون ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس حرام زادی کا نام سیما ہے۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے' آپ سیما کو اچھی طرح جانتے ہیں؟" میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔

"پولیس نے ناصر اور سیما کو کس جگہ فحش حرکتیں کرتے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے' ان لوگوں کو کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے وکیل صاحب!" امین نے اپنے گھونگریالے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ناصر اس قسم کا لڑکا نہیں ہے۔"

"امین صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی طرف سے آپ کے بھائی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا رہا۔ آپ کہتے ہو' ناصر بے قصور ہے تو یقیناً وہ بے قصور ہی ہوگا۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں' اس کیس میں پولیس کا سٹینڈ کیا ہے تاکہ بہتر انداز میں آپ کے بھائی کی مدد کی جا سکے۔"

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے معقولیت سے بولا۔ "پولیس نے ناصر اور سیما کو 'سی ویو' کے علاقے سے گرفتار کیا ہے۔"

"آپ کی رہائش کہاں پر ہے امین صاحب؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ "پی آئی بی کالونی......"

"پی آئی بی...... یعنی پیر الٰہی بخش کالونی۔" میں نے زیرِ لب دہرایا' پھر سوال کیا۔ "اور سیما کہاں کی رہنے والی ہے؟"

"سولجر بازار......" امین نے بتایا۔ "نشتر پارک کے قریب سیما کے باپ کا عالی شان بنگلا ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے' آپ صرف سیما ہی کو نہیں بلکہ اس کے باپ کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں؟" میں نے کریدنے والے انداز میں کہا۔

"جی ہاں......" اس نے ایک مرتبہ پھر مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

میں نے اپنے قلم کو گاہے بہ گاہے حرکت میں رکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے ناصر اور سیما کو سی ویو کے علاقے میں نازیبا اور فحش حرکات کرتے دیکھ کر گرفتار کیا ہے۔ اس سے ایک بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں جائے وقوعہ پر موجود تھے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر

لیا جائے کہ وہ دونوں کوئی بھی مخربِ اخلاق حرکت نہیں کر رہے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دونوں کس ضروری کام سے ساحلِ سمندر پر موجود تھے...... ایک کا گھر پی آئی بی کالونی میں اور دوسرے کا نشتر پارک کے قریب......؟" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کمبی نیشن میری سمجھ میں نہیں آ رہا امین صاحب......؟"

"میں سمجھتا ہوں' میرے بھائی کو اس مصیبت میں پھنسانے کے لئے اس حرافہ سیما نے ایک سوچی سمجھی سازش سے کام لیا ہے۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں سیما...... سلمٰی کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔"

"یہ سلمٰی کون ہے؟" میں نے اس کے انکشاف کے جواب میں پوچھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وکیل صاحب! سلمٰی' سیما کی سوتیلی ماں ہے۔"

"سیما کی سوتیلی ماں کی آپ کے بھائی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے امین صاحب؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ ناصر کو پھنسانے کے لیے اپنی سوتیلی بیٹی کو کیوں استعمال کرے گی؟"

"اصل میں......" وہ ایک مرتبہ پھر اپنے گھونگریالے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ "سلمٰی کو ناصر سے نہیں بلکہ مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔"

میں چونک اٹھا اور پوچھا۔ "سلمٰی کا آپ سے کیا تعلق؟"

"ساڑھے تین سال پہلے تک وہ میری بیوی تھی۔" اس نے ایک اور انکشاف کیا۔ "ہمارے درمیان بن نہ سکی اور میں نے اسے طلاق دے دی۔ بعد میں اس نے ایک مال دار آدمی رمضانی بھائی سے شادی کر لی۔ یہ سیما' رمضانی کی پہلی بیوی سے ہے اور رمضانی بھائی کی اکلوتی اولاد بھی......"

اب معاملہ کچھ کھل کر سامنے آیا تھا۔ میں نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔ "امین صاحب! آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"جناب......" وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "میں تو اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے بھائی کو پولیس کے جھمیلے سے نکال لیں۔"

"ہوں......" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

میری نظر میں وہ معاملہ اتنا پیچیدہ یا سنگین نہیں تھا کہ اسے حل کرنے کے لیے کسی وکیل

کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ اگر امین چپ چپاتے پولیس والوں کی حسب منشا حرارت سے ان کی مٹھی گرم کر دیتا تو بآسانی ناصر کی گلوخلاصی ہو جاتی۔ میں نے اس حوالے سے امین کو بریفنگ دی اور کہا۔

"اس طرح آپ میری بھاری فیس اور عدالتی اخراجات سے بچ جائیں گے۔ علاوہ ازیں عدالت کے درجنوں چکر کاٹنے میں نہ تو وقت برباد ہوگا اور نہ ہی ذہنی کوفت برداشت کرنا پڑے گی۔"

اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تو گویا آپ مجھے پولیس کو رشوت دینے کا مشورہ دے رہے ہیں......؟"

"آپ اسے میرا مشورہ جان کر اپنے ذہن کو الجھانے کی کوشش نہ کریں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل یہ چلن عام ہے اور لوگ عدالتی بکھیڑوں میں ملوث ہونے کے بجائے پولیس سے مک مکا کر کے اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔"

"لوگ تو پتا نہیں' کیا کیا کرتے پھر رہے ہیں وکیل صاحب!" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "اور انہی لوگوں کی وجہ سے ہمارے ملک میں قانون بے توقیر ہوا ہے......تھانوں میں بھی اور عدالتوں میں بھی۔" وہ تھوڑی دیر کے لیے تھما' پھر بڑے عجیب سے انداز میں بولا۔

"اور معذرت کے ساتھ کہ......یہ خرابی پیدا کرنے میں پولیس اور وکیل دونوں کا ہاتھ ہے۔"

"ہنڈریڈ پرسنٹ ایگریڈ......" میں نے توصیفی نظر سے امین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے احساسات اور سوچ نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں خود بھی انہی خیالات کا حامل ہوں' اسی لیے میں نے کبھی ان وکلا کا حصہ بننے کی کوشش نہیں کی جو قانون کے ہاتھ مضبوط کرنے کے بجائے اس میں چور دروازے تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں اور......یہ بات عملاً اس وقت ثابت ہوگی جب آپ مجھے ناصر کے کیس کی پیروی کرتے ہوئے دیکھیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ نے ناصر کا کیس لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "اگر مجھے یقین ہو جائے گا کہ ناصر بے گناہ ہے تو میں

ضرور اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لوں گا' ورنہ میری طرف سے تو معذرت ہی سمجھیں۔ میں صرف اپنی جیب بھرنے کے لیے ہر قسم کے کیس نہیں لیا کرتا۔"

"مجھے آپ کے اصول نے بہت متاثر کیا ہے وکیل صاحب!" وہ تشکرانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے سو فیصد یقین ہے کہ آپ ناصر کا کیس ضرور لیں گے۔ اب بتا دیں کہ میں ناصر کی بے گناہی کے سلسلے میں آپ کو کیسے مطمئن کروں؟"

"میں آپ سے چند اہم سوال کروں گا۔ ان کا مجھے سچا اور کھرا جواب چاہیے۔" میں نے واضح کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے جوابات نے اگر مجھے مطمئن کر دیا تو سمجھ لیں کہ میں آپ کے بھائی کو باعزت بری کرانے میں اپنا تمام تر تجربہ لگا دوں گا۔"

"تھینک یو وکیل صاحب......!" وہ ممنونیت سے بولا۔ "پوچھیں، آپ کو مجھ سے کیا پوچھنا ہے......؟"

پولیس نے سیما اور ناصر کو دو دن پہلے سی ویو کے علاقے سے نازیبا حرکات کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' اب تک انہیں عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ حاصل کر لیا ہوگا۔"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "گزشتہ روز صبح یعنی دس فروری کو پولیس نے ان دونوں کو عدالت میں پیش کیا تھا۔ اب وہ عدالتی ریمانڈ میں پولیس کسٹڈی میں ہیں۔"

"وہ کون سے تھانے کی حوالات میں بند ہیں؟" میں نے پوچھا۔

اس نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

میں نے سوال کیا۔ "کیا آپ تھانے جا کر ناصر سے ملاقات کر چکے ہیں؟"

"جی ......جس دن انہیں گرفتا کیا گیا تھا، میں اسی رات ناصر سے ملنے تھانے گیا تھا۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ریمانڈ کے بعد بھی میں نے ناصر سے ملاقات کی کوشش کی' لیکن پولیس والوں نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔"

"جب نو فروری کی رات آپ ناصر سے ملنے گئے تھے تو اس وقت پولیس نے رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کی تھی؟" میں نے دریافت کیا۔

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔ "میں سمجھتا ہوں' پولیس کی اس در دلی کا ایک خاص سبب تھا۔"

"کیسا سب......؟" میں نے چونک کر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی......جو تھوڑی دیر پہلے آپ نے بھی بیان کیا تھا۔" وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

"اوہ......!" میں امین کی بات کی تہ میں پہنچ گیا۔ "مطلب......رشوت؟"

"جی ہاں' میرا یہی مطلب ہے......"

"بات کس طرح ہوئی تھی؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جب مجھے پتا چلا کہ میرے چھوٹے بھائی کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے تو میں بھاگا بھاگا سیدھا تھانے پہنچا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے قسمیں کھا کر پولیس والوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ ناصر ایک انتہائی شریف النفس اور سلجھا ہوا انسان ہے' لیکن وہ ناصر کی بے گناہی کے حوالے سے میری کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں ہوئے۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ جب کوئی پکڑا جاتا ہے۔ تو اس کے ورثا تھانے آ کر اس کی بے گناہی کے لیے ایسے ہی شور مچاتے ہیں اور ہم نے تو تمہارے بھائی کو رنگے ہاتھوں، رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑا ہے' لہٰذا ان کی بے گناہی اور گناہ گاری کا فیصلہ اب عدالت ہی میں ہوگا۔"

"پھر آپ نے کیا کہا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کیا کہنا تھا جناب!" وہ مایوسی سے بولا۔

"جب میں شور مچا کر تھک گیا تو ایک کانسٹیبل پکڑ کر مجھے سائیڈ میں لے گیا اور اس نے مجھ سے رشوت والی بات کی تھی......"

"اس کانسٹیبل نے آپ سے کیا کہا تھا......" میں نے استفسار کیا۔

"اس نے دوٹوک اور کھلے ڈلے الفاظ میں مجھ سے رشوت دینے کی بات کی تھی۔" امین نے بتایا۔ "بولا' اگر میں صبح ہونے سے قبل پچاس ہزار روپے کا بندوبست کر لوں تو وہ لوگ اس کیس کو کورٹ میں نہیں لے جائیں گے۔ معاملہ یہیں پر رفع دفع کر لیا جائے گا......" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"وکیل صاحب! پہلی بات تو یہ کہ میں کسی بھی قیمت پر رشوت کے حق میں نہیں ہوں۔ جب انسان بے گناہ ہو تو اسے اس قسم کے گندے راستے اختیار کرنے کے بجائے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ خدا خود ہی مدد کا کوئی دروازہ کھول دیتا ہے اور اگر بالفرض' میں ایسے

کٹر خیالات کا حامل نہ بھی ہوتا تو بھی میرے لیے ایک رات میں پچاس ہزار روپے جمع کرنا ممکن نہیں تھا۔ اگر میں اپنا میڈیکل سٹور فروخت کرنے کے بارے میں بھی سوچتا تو اس میں بھی دو چار دن لگ ہی جاتے اور یہ کوئی عقل مندانہ فیصلہ نہ ہوتا۔ انسان بے گناہ بھی ہو اور پھر بھی خود کو چھڑانے کے لیے وہ اپنا چلتا ہوا کاروبار بیچ دے' یہ سراسر حماقت کا سودا اور گناہ عظیم ہوگا۔"

آج سے پینتیس چالیس سال پہلے پچاس ہزار روپے کی بڑی قدر و قیمت ہوا کرتی تھی اس لیے مجھے بھی حیرت ہوئی کہ پولیس نے منہ پھاڑ کر اتنی زیادہ رقم کیسے مانگ لی تھی۔ میں نے اس کے جواب کے آخری جملے کو تھام کر سوال کیا۔

"امین صاحب! آپ نے جو گناہ عظیم کے الفاظ استعمال کئے ہیں' ذرا ان کی وضاحت کر دیں گے؟"

"جناب! سیدھی سی بات ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"جو گناہ یا قصور آپ نے کیا ہی نہیں اس میں خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے آپ کو رشوت دینا پڑے' یہ تو سیدھا سیدھا خدا کے وجود اور اس کے نظام انصاف سے انکار ہے۔"

"آپ کی دلیل بہت ٹھوس ہے۔" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "پولیس کی رشوت خوری کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں' لیکن میں سمجھتا ہوں' ناصر والے معاملے میں انہیں دس پندرہ ہزار سے کام چلا لینا چاہیے تھا۔ پچاس ہزار تو انہوں نے بہت زیادہ مانگ لیے تھے۔ آپ نے ان سے رقم کے زیادہ ہونے کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی؟"

"میں نے ان سے پوچھا تھا کہ اتنے زیادہ پیسے کس بات کے؟" امین نے بتایا۔

"پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟"

"انہوں نے کہا کہ اگر صبح ہونے سے پہلے رقم کا انتظام نہ ہوا تو وہ ناصر کو عدالت میں پیش کرنے کے بعد ایسا مضبوط چالان بنائیں گے کہ اگر اسے سنگسار نہ بھی کیا گیا تو اتنے کوڑوں کی سزا ضرور ہو جائے گی کہ اس کا زندہ رہنا ناممکن ہوگا۔" امین نے بتایا۔

"ایک دم بکواس بات ہے۔" میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اس نامراد کانسٹیبل نے آپ کے سامنے سزا کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ حدود آرڈیننس کے دائرے میں آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آج کل سنگسار یا کوڑوں والی سزا مروج بھی نہیں رہی۔ پہلی بات تو

یہ کہ ہمارے عدالتی نظام میں حدود آرڈیننس کے کیس کو ثابت کرنا ناممکن کی حد تک مشکل ہے اور ناصر کا معاملہ دور دور تک حدود آرڈیننس کو نہیں چھوتا۔ میں سمجھتا ہوں' بدبخت کانسٹیبل نے محض آپ کو خوف زدہ کرنے کے لیے یہ ایشو اٹھایا ہے تاکہ آپ گھبرا کر رقم کے بندوبست میں لگ جائیں۔"

"ہاں ...... میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔" امین نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔"اس کے علاوہ بھی مجھے ایک بات دکھائی دے رہی ہے......"

"کون سی بات امین صاحب؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سیما کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہے اس لیے انہوں نے کچھ زیادہ ہی منہ کھول لیا تھا۔" امین نے اکتاہٹ آمیز انداز میں کہا۔"لیکن یہی لگتا ہے کہ سیما کے باپ رمضانی بھائی کے ساتھ کوئی ڈیل ہو نہیں سکی' اسی لیے پولیس نے دونوں ملزموں کا ریمانڈ حاصل کر لیا ہے۔ اب تو یہ کیس عدالت ہی میں جائے گا۔"

"آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔"اب یہ کیس عدالت میں جائے یا تھانے میں رہے' میں ناصر کی وکالت ضرور کروں گا۔"

وہ خوش ہو گیا' پھر فرمائشی انداز میں بولا۔"میں چاہتا ہوں' آپ ایک بار تھانے جا کر ناصر سے بھی ملاقات کر لیں۔ ہو سکتا ہے اس کی زبانی آپ کو کوئی اہم بات پتا چل جائے۔"

"یہ تو بہت ضروری ہے امین صاحب!" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"صرف ناصر ہی سے نہیں میں باری باری دونوں سے ملاقات کرنا چاہوں گا......"

"دونوں ...... مطلب؟" اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

"دونوں مطلب ...... ناصر اور سیما!" میں نے جواب دیا۔

"سیما سے آپ کیوں ملیں گے؟" اس کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

"ایک بات بتائیں امین صاحب!......" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر کہا۔

وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔

"نازیبا حرکات کے الزام میں پولیس نے کیا صرف ناصر کو گرفتار کیا ہے؟"

"نہیں جناب!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔"ناصر کے ساتھ سیما کو بھی گرفتار کیا گیا ہے۔"

"کیا یہ مقدمہ صرف ناصر پر چلنے والا ہے؟"

"دونوں پر چلنے والا ہے جناب!"

"کیا صرف ناصر عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے؟"

"دونوں ہیں جی۔"

"جب ہر معاملے میں شروع سے اب تک وہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں تو اس کیس کے اختتام تک وہ ساتھ ساتھ ہی دکھائی دیں گے۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"جب دونوں پر ایک ساتھ مقدمہ چلے گا اور ہر پیشی پر انہیں ایک ساتھ عدالت لایا جائے گا تو میری ان دونوں سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ میں' ممکن ہے' کوئی اور ہی چکر چلا ڈالوں......"

"کیسا چکر وکیل صاحب!؟" وہ ہکا بکا ہو کر مجھے تکنے لگا۔

میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔"امین صاحب! کیا آپ کے علم میں ہے کہ پولیس نے سیما کے باپ رمضانی بھائی سے کتنی رقم کا مطالبہ کیا تھا؟"

"نہیں جناب! مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں......"

"پتا نہیں ہے تو پتا لگانے کی کوشش کریں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"اور کسی طرح رمضانی بھائی کو گھیر کر میرے دفتر لے آئیں۔"

"جناب! آپ تو ایک ناممکن کام کے لیے کہہ رہے ہیں۔" وہ عجیب سی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔"رمضانی بھائی کو سلمی کبھی بھی ادھر نہیں آنے دے گی۔"

"نہ آنے دے' مگر کوشش کرنے میں کیا حرج ہے......"

وہ گہرے تذبذب میں نظر آنے لگا۔

میں نے پوچھا۔"امین صاحب! کوئی پریشانی ہے؟"

"جناب! اس طرح تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔" وہ بدستور الجھن زدہ انداز میں بولا۔

"کیسی گڑبڑ امین صاحب؟" میری حیرت دوچند ہو گئی۔

"جناب! اگر آپ دونوں طرف کے معاملات میں ایک جیسی دلچسپی لینے لگیں گے تو ناصر کے ساتھ ساتھ سیما بھی چھوٹ جائے گی۔"

"تو اس میں کون سی قباحت ہے؟" میں نے متعجب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں اگر ناصر اور سیما کا وکیل کوئی ایک ہی شخص ہو تو استغاثہ کے غبارے کی ہوا ایک ہی پیشی میں نکل جائے گی۔"

"لیکن میں ایسا نہیں چاہتا......" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب امین صاحب......؟"

"میں چاہتا ہوں ......" وہ دل کی بات زبان تک لاتے ہوئے بولا۔ "ناصر چھوٹ جائے اور سیما کو رگڑا لگتا رہے......"

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟" میں نے قدرے برہمی سے کہا۔ "سیما سے آپ کو کیا دشمنی ہے۔ اگر وہ نادانستگی میں اپنی سوتیلی ماں سلمیٰ کے ہاتھوں کا کھلونا بن بھی گئی ہے تو اس میں اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"ایک بات ذہن نشین کر لیں امین صاحب! ناصر اور سیما کے فعل کی سنگینی ایک سی ہے۔ اگر سزا پائیں گے تو دونوں اور باعزت بری ہوں گے تو بھی دونوں بلکہ اس نوعیت کے معاملات میں لوگوں بلکہ عدالت کی ہمدردیاں بھی عورت کے ساتھ ہوتی ہیں اور عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ساری بدمعاشی لڑکے کی ہوگی۔ وہی لڑکی کو ورغلا کر کہیں ویرانے میں لے گیا ہوگا۔ آپ اپنی پوزیشن کی نزاکت اور معاملے کی سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔"

میری بات شاید اس کی عقل میں بیٹھ گئی۔ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب!"

"آپ کے اور آپ کی سابق بیوی سلمیٰ کے درمیان جو بھی رنجش اور چپقلش ہے اسے فی الحال ایک طرف رکھ دیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت آپ دونوں پارٹیوں کا دشمن پولیس یعنی استغاثہ ہے۔ اگر آپ دونوں فریق کندھے سے کندھا ملا کر استغاثہ سے فائٹ کریں گے تو جیت بھی آپ دونوں ہی کے حصے میں آئے گی' ورنہ یہ کیس چوں چوں کا مربہ بن کر رہ جائے گا۔"

"وکیل صاحب! میں آپ کے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں۔"

وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔ "ویسے مجھے امید نہیں کہ سلمیٰ اینڈ کمپنی میری بات ماننے کے لیے تیار ہو۔ میں اس عورت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کے دماغ کا ہر پیچ الٹا کسا ہوا ہے۔"

"آپ کو ان سے اپنی کوئی بھی بات منوانے کی کوشش نہیں کرنا امین صاحب!" میں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔ "آپ صرف کسی بھی طرح رمضانی بھائی کو میرے پاس لے آئیں۔ سلمیٰ سے تو بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سیما' رمضانی بھائی کی سگی بیٹی ہے لہٰذا بات بھی اسی سے ہوگی اور ...... جو بات بھی ہوگی' میں خود ہی کروں گا۔ آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا۔ میں نے اپنی فیس وصول کر کے اسے رسید بنا کر دے دی۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس معاملے پر غور کرنے لگا۔

◈◇◈

امین ویسے تو ہر لحاظ سے مجھے معقول انسان ہی لگا تھا' لیکن جہاں تک وہ سیما کو رگڑا لگانے کے حق میں تھا تو اس کا یہ رویہ نامعقولیت کی حدود میں داخل ہو جاتا تھا اور میں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا' جس پر اسے خاصی ندامت بھی ہوئی تھی۔

میری معلومات کے مطابق سلمیٰ امین کی سابق بیوی تھی۔ واضح رہے کہ میں نے اپنی جن معلومات کا حوالہ دیا ہے' وہ امین سے پہلی ملاقات پر تو نہ ہونے کے برابر تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا رہا تھا' لیکن چونکہ یہ کہانی مذکورہ واقعے کے بعد لکھی جا رہی ہے' لہٰذا آپ کی آسانی اور سہولت کے لیے میں بہت سی بعد کی باتیں پہلے بیان کر رہا ہوں۔

امین کے مطابق سلمیٰ ایک طرح دار' پرکشش اور خوب صورت عورت تھی' لیکن اس کا سب سے بڑا عیب حد سے بڑھی ہوئی خواہشات اور بدکلامی تھا۔ امین کی جو آمدنی تھی اس کے مطابق علاقے ہی میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی تھی' مگر سلمیٰ کو شہر کے کسی پوش علاقے میں وسیع و عریض بنگلے اور چمچاتی گاڑیوں کی خواہش تھی۔ قیمتی ملبوسات' بیش بہا جیولری' گھومنا پھرنا' پارٹیاں اٹینڈ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے دلی شوق تھے اور امین یہ سب کچھ مہیا نہیں کر سکتا

تھا۔ تین ہٹی کے قریب اس کا ایک چھوٹا سا میڈیکل سٹور تھا' جہاں سے محدود آمدنی ہوتی تھی اور اس محدود آمدنی میں وہ سلمیٰ کی خواہشات من وعن پوری نہیں کر سکتا تھا۔

جب طلب و رسد میں بہت بڑا تضاد یا فرق آ جائے تو جھگڑا لازمی قرار پاتا ہے' لہٰذا امین اور سلمیٰ میں صبح شام لڑائی ہونے لگی۔ امین' سلمیٰ کے نت نئے مطالبات یا فرمائشوں سے اتنا زیادہ پریشان نہیں ہوتا تھا' جتنا اس کی بدکلامی اور بدزبانی سے۔ سلمیٰ کی ساری خوب صورتی اس کے خاموش رہنے تک تھی۔ جیسے ہی وہ زبان کھولتی' اس کی اصلیت کھل جاتی تھی۔

بہرحال' اس کی گاڑی زیادہ عرصے تک چل نہ سکی اور زچ ہو کر امین نے ایک روز سلمیٰ کو طلاق دے دی۔ وہ جتنا عرصہ بھی ایک چھت کے نیچے رہے' ان کی اولاد وجود میں نہ آ سکی۔ طلاق کے فوراً بعد امین نے سائرہ نامی ایک خاتون سے شادی کر لی تھی' جس سے اس کی ایک دو سالہ بیٹی کومل تھی۔ امین کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ امین سے چھوٹی دو بہنیں اپنے اپنے گھروں میں خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی تھیں۔ چھوٹا بھائی ناصر' امین کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ وہ گریجویشن کر رہا تھا اور پڑھائی سے جتنا بھی وقت مل جاتا' وہ میڈیکل سٹور والے کام میں امین کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ عموماً شام پانچ بجے کے بعد میڈیکل سٹور پر آ جاتا تھا۔

دوسری طرف سلمیٰ نے امین سے طلاق پانے کے بعد کچھ عرصہ آرام کیا' پھر اس نے رمضانی بھائی سے شادی کر لی۔ رمضانی کی بیوی فوزیہ چھ سات سال پہلے انتقال کر گئی تھی اور سیما اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ رمضانی کا عالیشان بنگلا نشتر پارک کے قریب واقع تھا۔ رمضانی کا طارق روڈ پر آٹو سپیئر پارٹس کا بزنس تھا جو ٹھیک ٹھاک چلتا تھا۔ سلمیٰ اور رمضانی بھائی کی عمروں میں لگ بھگ پندرہ سال کا فرق تھا۔ رمضانی' سلمیٰ کے معیار کا سیٹھ تھا یا نہیں' بہرحال نے اپنی مرضی اور پسند سے رمضانی بھائی سے شادی کی تھی اور یقیناً خوش بھی ہو گی۔

میں نے اگلے روز تھانے جا کر حوالات میں ناصر اور سیما سے ایک بھرپور ملاقات کر لی۔ دونوں کو حوالات کے الگ الگ کمروں میں رکھا گیا تھا۔ اس امر کا بیان ضروری نہیں کہ میں نے حوالاتیوں تک رسائی کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا تھا۔ یہ کارروائی متعدد بار تفصیلاً بیان کی جا چکی ہے۔

میں چونکہ اپنے ذہن میں ایک مخصوص پلان لے کر گیا تھا' لہٰذا میں نے پہلے سیما سے

ملنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ ان دونوں کو الگ الگ حوالات میں رکھا گیا ہے۔

سیما کی عمر پچیس کے آس پاس رہی ہو گی۔ اس نے تازہ تازہ ماسٹرز کیا تھا۔ وہ ایک قد آور صحت مند لڑکی تھی۔ رنگت سانولی' آنکھیں موٹی اور ان موٹی آنکھوں پر نظر کا چشمہ بھی موجود تھا۔

وہ مجھے دیکھ کر چونکی اور سوالیہ انداز میں مجھے تکنے لگی۔ میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ "میرا نام مرزا امجد بیگ ہے اور میں ایک وکیل ہوں......"

"وکیل......" اس نے عجیب سے لہجے میں دہرایا۔ "کیا آپ کو پاپا نے یہاں بھیجا ہے......؟"

سیما کی آنکھوں میں ایک خاص نوعیت کی ہوشیاری پائی جاتی تھی۔ میں نے اسے چکر دینے کی غرض سے کہا۔

"کیا تمہارے پاپا نے ایسا کوئی ذکر کیا تھا؟"

"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "جبھی تو مجھے حیرت ہو رہی ہے۔"

"تم حیران ہونا چھوڑ دو۔" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "مجھے کسی نے یہاں نہیں بھیجا۔ بس' مجھے پتا چلا کہ پولیس نے تم دونوں بے گناہوں کو زبردستی ایک بے ہودہ الزام کے تحت حوالات میں بند کر رکھا ہے تو میں خبر لینے آ گیا۔"

"تو آپ کوئی خدائی فوجدار قسم کے وکیل ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

ایک بات سے مجھے شدید حیرت ہوئی تھی کہ سیما ذرا بھی گھبرائی ہوئی نظر نہیں آتی تھی' ورنہ اسے جس نوعیت کے سنگین الزام میں حوالات میں رکھا گیا تھا اس کی روشنی میں اسے بے حد ہراساں اور وحشت زدہ دکھائی دینا چاہیے تھا۔ اب یا تو وہ آہنی اعصاب کی مالک تھی' یا تو پھر اسے کسی اور بات سے بڑی بھرپور تسلی تھی کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں......تم مجھے کچھ اسی قسم کا وکیل سمجھ لو۔ میں تم دونوں کو قانونی تحفظ فراہم کر کے اس جھمیلے سے نکالنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ' یہ قصہ ہے کیا؟"

مجھے امید تو یہی تھی کہ "مدد" کا سن کر وہ فوراً مجھ سے تعاون کے لیے تیار ہو جائے گی' لیکن اس نے میری توقع کے برعکس جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔

"وکیل صاحب!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کو نہیں جانتی۔ میں کسی اجنبی شخص سے اپنا معاملہ ڈسکس نہیں کر سکتی۔ پہلے آپ اپنا مکمل تعارف کرائیں۔ پھر میں فیصلہ کروں گی کہ مجھے آپ سے کچھ شیئر کرنا چاہیے یا نہیں۔"

تعلیم یافتہ تو وہ تھی ہی' لیکن اپنی باتوں سے وہ ذہین بھی ثابت ہو رہی تھی' ورنہ میں نے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو بھی بڑی جہالت کی باتیں کرتے دیکھا ہے۔ میں نے زیادہ گھماؤ پھیراؤ مناسب نہ سمجھا اور معتدل انداز میں کہا۔

"میں ابھی تک تو ناصر کا وکیل ہوں۔ تم چاہو گی تو تمہارا وکیل بھی بن جاؤں گا۔"

"ناصر......" اس نے ناصر کا نام لیتے ہوئے ایسا منہ بنایا جیسے کسی غلیظ اور بدبودار چیز کا ذکر کر رہی ہو۔

"سوری وکیل صاحب! مجھے کسی قسم کی قانونی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ خود کو اپنے مؤکل تک ہی محدود رکھیں تو آپ کی نوازش ہو گی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہیں قانونی مدد کی ضرورت نہیں؟" میں نے ٹٹولنے والی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب کوئی انسان پولیس کی کسٹڈی میں آتا ہے اور عدالتی بکھیڑوں میں پھنستا ہے تو اسے لازماً کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنا پڑتی ہیں۔"

"آپ کو میرے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں وکیل صاحب!" وہ قدرے چڑ کر بولی۔ "میرے لیے میرے پاپا ہی کافی ہیں۔ وہ اگر مناسب سمجھیں گے تو میرے لیے کوئی چوٹی کا قابل وکیل کر لیں گے۔ آپ جا کر اپنے مؤکل کو سنبھالیں......"

اس کے اعتماد کو دیکھتے ہوئے تھوڑی دیر پہلے مجھے اس پر جو شک ہوا تھا وہ اس جواب سے یقین میں بدل گیا۔ "میرے لیے میرے پاپا ہی کافی ہیں۔" تو گویا سیما کے پاپا نے آسانی سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر لیا تھا۔

"لگتا ہے' تمہارے پاپا نے تمہاری رہائی کے لئے کوئی بندوبست کر رکھا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "مجھے اس بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟"

"سوری وکیل صاحب!" اس نے مجھے ٹکا سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "آپ ایک ایسے آدمی کے وکیل ہیں جس کی وجہ سے میں مصیبت میں پھنسی ہوں۔ میں اس کم بخت سے کوئی

تعلق واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔ پلیز......آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔"

"کمال ہے۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "ناصر کے بھائی امین کا یہ دعویٰ ہے کہ تمہاری سوتیلی ماں سلمٰی کی وجہ سے ناصر اس بکھیڑے میں پھنسا ہے اور تم ناصر ہی کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو۔"

"وہ دونوں بھائی اول درجے کے جھوٹے ہیں۔" سیما نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور جہاں تک سلمٰی کا تعلق ہے تو......سوتیلی ہی سہی' وہ میری ممی ہیں۔ میں ان کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتی۔"

سیما کے دوٹوک انداز نے بتا دیا کہ ناصر کی کہانی الٹ چکی ہے۔ سیما اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر کنارے پر پہنچنے کی کوشش میں دکھائی دیتی تھی' لیکن میں نے بھی ٹھان لی کہ اسے فرار کا موقع نہیں دوں گا' تاہم اس نے جس روکھے پھیکے انداز میں مجھے جواب دیا تھا' اس کا تقاضا یہی تھا کہ میں اس کے پاس سے ہٹ جاؤں۔

میں سیما کو چھوڑ کر ناصر کے پاس آ گیا۔

ناصر نے مجھے سوالیہ نظر سے دیکھا تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہے۔ تمہارے بھائی امین نے مجھے تمہارا وکیل مقرر کیا ہے۔ میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا' جس میں اس وقت تم گرفتار ہو' لیکن اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "کیسی شرط وکیل صاحب؟"

"یہ شرط کہ میں تم سے جو بھی سوال کروں تم اس کا سیدھا اور سچا جواب دو گے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"اگر مجھے تمہارے بیان پر کسی غلط بیانی کا گمان ہوا تو میں تمہاری وکالت سے ہاتھ کھینچ لوں گا۔"

"جناب! آپ تو میرے لیے نجات دہندہ ہونے والے ہیں۔" وہ عقیدت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں آپ سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ "باتیں بعد میں' پہلے ایک ضروری کام......"

بات ختم کرتے ہی میں نے اپنا بریف کیس کھول لیا۔ ناصر غیر یقینی نظر سے مجھے دیکھنے لگا' جیسے اسے تذبذب ہو کہ میں بریف کیس کے اندر سے پتا نہیں کون سی اہم چیز نکالنے والا ہوں۔ ناصر کی عمر بیس کے آس پاس تھی۔ وہ اپنے بھائی کا ریورس تھا' یعنی امین کے مقابلے میں وہ پستہ قامت اور انتہائی دبلا پتلا بلکہ مخنی سا تھا۔ اس کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ کسی لڑکی سے عشق پیچا لڑا رہا ہوگا۔

میں نے جلدی جلدی ناصر کی درخواست ضمانت' اپنے وکالت نامے اور چند دیگر کاغذات پر ناصر کے دستخط لیے پھر ان ضروری دستاویزات کو دوبارہ بریف کیس میں رکھنے کے بعد ناصر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''ہاں بھائی ناصر!'' میں نے بڑے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا سلسلہ ہے جوان ...... مرے تھے جن کے لیے' وہ رہے وضو کرتے ...... بلکہ جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے......؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور فوراً ہی بات کی تہ میں پہنچ گیا' جلدی سے بولا۔ ''وکیل صاحب! آپ کا اشارہ سیما کی طرف ہے نا......؟''

ویسے یہ ہے کہ مخدوش صحت پر میں نے اسے جو ''جوان'' کہہ دیا تھا اس سے وہ اچھا خاصا خوش ہو گیا تھا۔ وہ اس نوعیت کے خطابات سننے کو ترس گیا ہوگا۔ میں نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے ناصر۔ میں تمہارے پاس آنے سے پہلے سیما سے دو چار باتیں کر کے آیا ہوں۔ سمجھو پیار و محبت تو دور کی بات وہ تو تمہیں پہچاننے سے بھی انکاری ہے......''

''بس جناب! ایسی ہی بات ہے۔'' وہ افسردہ سے لہجے میں بولا۔ ''میں نے بھی اس کے رویے میں کچھ ایسی ہی بات محسوس کی ہے۔''

اس بات کا مجھے یقین تھا کہ تھوڑی دیر پہلے میں نے سیما سے جو گفتگو کی تھی وہ ناصر نے نہیں سنی ہوگی۔ اس کا سبب دونوں کے حوالاتی کمروں کے مابین پایا جانے والا فاصلہ اور زاویہ تھا۔ وہ نہ تو ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کی باتیں سن سکتے تھے۔ میں نے ناصر کی زبان کو رواں کرنے کے لیے ایک جذباتی وار کیا۔

''یار ناصر! مجھے تو لگتا ہے' تمہاری محبت میں زیادہ دم نہیں تھا ورنہ لڑکی نے اتنی آسانی سے کیسے پٹڑی بدل ڈالی؟''

''میری محبت میں کوئی کمی نہیں تھی وکیل صاحب!''

میرا تیر نشانے پر لگا تھا۔ ناصر جذبات میں آ گیا تھا۔ ''وہی کم ظرف اور بے وفا نکلی۔ تھانے پہنچنے تک سب ٹھیک تھا' یہاں آ کر اس نے نظر پھیر لی ہے۔''

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی ناصر!'' میں اسے دوستانہ انداز میں اس لیے مخاطب کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ سے زیادہ اعتماد کرنے لگے۔ ''تمہارے بھائی کا کہنا ہے کہ سیما کی سوتیلی ماں سلمٰی نے ایک گہری سازش کے تحت سیما کو تمہارے قریب کیا اور پھر پولیس کی مٹھی گرم کر کے تمہیں اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ تم کیا کہتے ہو؟''

''میں امین بھائی کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اور سیما کے حالیہ رویے نے یہ بات ثابت بھی کر دی ہے۔ ہم ایک جیسے الزام میں گرفتار ہو کر ایک ساتھ تھانے پہنچے تھے' پھر عدالت میں بھی ایک ساتھ پیش ہوئے' لیکن یہاں دوبارہ آنے کے بعد وہ بالکل ہی بدل گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں' اس میں سلمٰی ہی کی کوئی چال چھپی ہوئی ہے۔''

''اور سیما کا دعویٰ ہے کہ تمہارے بھائی امین نے کسی گہری سازش کے تحت اسے اس حال کو پہنچایا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں بھائی اول درجے کے جھوٹے اور دغا باز ہو۔''

''وہ بکواس کرتی ہے' جھوٹ بولتی ہے۔'' ناصر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''دھوکا تو میرے ساتھ ہوا ہے وکیل صاحب!''

''کیسا دھوکا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہی دھوکا......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''کہ میں سمجھ رہا تھا کہ میری محبت کے جواب میں سیما بھی مجھ سے محبت کرتی ہے' لیکن حالات اور وقت نے آج ثابت کر دیا ہے کہ اس کی محبت کھوکھلی' بلکہ ایک سوچے سمجھے ڈرامے سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ مجھے اس مصیبت میں ڈالنے کے لیے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ میں امین بھائی کی بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ یہ سارا ناٹک سلمٰی نامی اس عورت کے اشارے پر چلایا گیا ہے۔ وہ میری بھابی ہوا

کرتی تھی۔ میں جانتا ہوں' سلمٰی ایک فتنہ پرور اور مغلوب الغضب عورت ہے۔ وہ جب تک ہمارے گھر میں رہی' اس نے امین بھائی کی زندگی کو عذاب بنائے رکھا تھا۔"

میں نے بڑے تحمل سے اس کی دکھی دل کی فریاد سنی اور اس کے خاموش ہونے پر ایک نہایت ہی اہم اور سنجیدہ سوال کیا۔

"ناصر! یہ بتاؤ سیما کے ساتھ تمہارا یہ محبت کا معاملہ کب سے چل رہا تھا؟"

"جناب!" وہ کڑوے لہجے میں بولا۔ "یہ پوچھیں کہ سیما مجھے کب سے الو بنانے میں لگی ہوئی تھی؟"

"ایک ہی بات ہے...... یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تم میرے سوال کا جواب دو......"

"یہی کوئی چھ' سات ماہ ہوئے تھے ہمیں ملتے ہوئے۔" ناصر نے بتایا۔

"کیا تمہیں یہ بات پتا تھی کہ سیما اس شخص کی بیٹی ہے جس نے تمہاری سابق بھابی سلمٰی سے شادی کی ہے؟"

"جی نہیں' شروع میں مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "چند روز پہلے ہی مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا۔"

"اس انکشاف کا تم پر کیا ردعمل ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ابتدائی ردعمل کے طور پر میرے ذہن کو ایک جھٹکا تو لگا تھا۔" وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن پھر میں فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ میں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ میرے لیے اطمینان اور سکون کا پہلو یہ تھا کہ سیما مجھے دل و جان سے چاہتی تھی۔ مجھے اس کی محبت کے سامنے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔"

"یہ محبت ریت کی ایک دیوار سے زیادہ کچھ بھی ثابت نہ ہو سکی۔" میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری موجودہ دلی حالت اور ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں ناصر۔"

اس نے تشکر میز نظر سے میری طرف دیکھا' پھر شکستہ سے انداز میں بولا۔ "اب ان باتوں کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے وکیل صاحب......!"

"ایک بات سچ سچ بتاؤ ناصر!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم دونوں نو فروری کی سہ پہر سی ویو کے علاقے میں فحش حرکتیں کر رہے تھے؟"

"بالکل نہیں جناب!" وہ بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہم دونوں تو سمندر کے کنارے بیٹھے بس باتیں کر رہے تھے۔ میری بائیک بھی قریب ہی کھڑی تھی۔ ہم ایک دوسرے میں مگن تھے کہ اچانک دو پولیس والے ہمارے سر پر پہنچ گئے۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنی صفائی میں کچھ کہتے' انہوں نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ ہم پہلے بھی تین چار بار سی ویو آ چکے تھے' لیکن اس قسم کا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔"

"تم لوگ سی ویو کے علاوہ اور کہاں کہاں ملتے رہے ہو پچھلے چھ سات مہینوں میں؟" میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی ہم سی ویو کی طرف نکل جاتے تو کبھی قائداعظم کے مزار پر جا کر بیٹھ جاتے تھے۔" اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "کبھی کبھار صدر کے کسی ہوٹل میں بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ویسے زیادہ تر ہماری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی ایسی جگہ پر جائیں جہاں ہمارے دیکھ لیے جانے کا امکان نہ ہو۔ ویسے میرے پاس بائیک ہے لہٰذا آمدورفت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔"

"کیا تم دونوں کے بیچ یہ میل ملاقاتیں سوکھی ہی چل رہی تھیں یا......؟"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ بے ساختہ بولا۔ "کیا مطلب جناب؟"

"مطلب یہ کہ......" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ بھی کیا کرتے تھے؟"

"جی ہاں' یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "کبھی میں نے اسے پرفیوم یا کوئی میک اپ کا آئٹم دے دیا اور کبھی اس نے مجھے کوئی شرٹ دلا دی یا کوئی اچھا سا فاؤنٹین پین۔"

"اور کیا روایتی عاشقوں کی طرح خط و کتابت بھی ہوا کرتی تھی؟"

"جی ہاں...... ہوتی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"تم سیما کے خطوط تو بڑی محبت اور حفاظت سے سنبھال کر رکھتے ہو گے؟" میں نے پوچھا۔

"جی اس کا اپنا ہی ایک مزہ ہے مگر......" وہ کچھ بولتے بولتے رک گیا اور اس کے چہرے پر کوفت ابھر آئی۔

میں سمجھ گیا کہ ان لمحات میں وہ سیما کے حوالے سے کیا سوچ رہا ہوگا۔ میں نے اس کے دکھتے دل کے تاروں کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی اور ایک بہت ہی سود مند سوال کیا۔

"سیما کے چند خطوط تو اب بھی تمہارے پاس گھر میں محفوظ رکھے ہوں گے؟"

"جی ہاں' دو تین ہیں......" اس نے جواب دیا۔

میں نے اس سے پوچھ لیا کہ مذکورہ "لو لیٹرز" گھر میں کہاں رکھے تھے۔ اس نے مطلوبہ مقام کی درست نشاندہی کر دی۔ میں نے مزید دو چار اہم سوالات کے بعد اس کا انٹرویو ختم کر دیا اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"ناصر! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم بے گناہ ہو۔ سیما نے بڑی چالبازی سے تمہیں پولیس کے چکر میں پھنسایا ہے' لیکن تم بالکل فکر نہ کرو۔ میں بڑی توجہ سے تمہارا کیس لڑوں گا اور جلد از جلد تمہیں اس مصیبت سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

میرے ان حوصلہ افزا الفاظ سے اس کی ڈھارس بندھی۔ میں نے عدالتی معاملات کے حوالے سے اسے کچھ ہدایات دیں اور واپس آ گیا۔

◇◇◇

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ میں جس بات کی توقع کر رہا تھا وہ پوری ہو کر رہی۔ اب میری سمجھ میں آ گیا کہ حوالات میں سیما اتنی زیادہ پُراعتماد اور نڈر کیوں نظر آتی تھی۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس کے پاپا اس کی بچت کی کوئی محفوظ راہ ضرور ڈھونڈ نکالیں گے اور رمضانی بھائی نے اپنی اکلوتی دختر نیک اختر کے لیے ایک "سیف پیسج" تلاش کر لیا تھا جو استغاثہ کی رپورٹ یعنی چالان کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ رمضانی بھائی نے ایک تگڑی رقم خرچ کر کے پولیس کی مدد سے ایک ایسا چالان تیار کرایا تھا' جس میں سیما معصوم اور ناصر بدمعاش دکھائی دیتا تھا۔ اس نے بڑے شاطرانہ انداز میں سیما کو اس کیس میں سے اس طرح باہر نکال لیا تھا' جیسے مکھن میں سے بال کو کھینچ کر باہر نکالا جاتا ہے۔ پولیس نے سراسر سیما کی حمایت اور ناصر کی مخالفت میں چالان پیش کیا تھا۔

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے ناصر کی درخواست ضمانت کے ساتھ اپنا وکالت نامہ دائر کر دیا۔ میں نے عدالت میں قدم رکھنے سے پہلے اس کیس کے حوالے سے مکمل تیاری کر لی تھی۔ یہ کیس ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں لگا تھا اور چالان ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ سرکاری وکیل سیما کو بے گناہ اور ناصر کو قصوروار ٹھہرانے کے لیے زور مارے گا۔

مجسٹریٹ نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا تو میں نے اپنے مؤکل ناصر کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔

"یور آنر! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک امن پسند اور باکردار شہری ہے۔ اس بے چارے کو ایک گہری سازش کے ذریعے اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے' لہٰذا معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ ملزم کو ضمانت پر رہا کرنے کے احکام صادر کیے جائیں۔"

میرے خاموش ہونے پر وکیل استغاثہ نے طنزیہ نظر سے اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے مؤکل ناصر کی طرف دیکھا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔

"باکردار شہری......سبحان اللہ......ملزم اتنا امن پسند اور باکردار شہری ہے کہ یہ ایک لڑکی کو ورغلا کر سی ویو جیسے الگ تھلگ مقام پر لے گیا اور بڑی دیدہ دلیری سے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اس جیسے شریف شہریوں نے ہی تو معاشرے کو چار چاند لگا رکھے ہیں۔"

چالان کے اندر پولیس نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ملزم دھوکا دہی سے سیما کو ساحل سمندر پر لے گیا تھا اور وہاں پہنچ کر اس نے سیما سے دست درازی کی کوشش کی۔ تھوڑے فاصلے پر دو پولیس اہلکار موجود تھے۔ انہوں نے جب یہ منظر دیکھا تو بروقت کارروائی کر کے ان دونوں کو تھانے پہنچا دیا۔

میں نے وکیل استغاثہ کی چوٹ کے جواب میں کہا۔ "یور آنر! یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ سیما، ملزم کے ساتھ کہیں گئی ہو لہٰذا دھوکا دہی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"بیگ صاحب!" مجسٹریٹ نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں......؟"

"یور آنر......!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ملزم اور سیما ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے' لیکن اس واقعے کے بعد سیما کی محبت کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ ملزم یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی طرح سیما بھی محبت کے معاملے میں مخلص اور سنجیدہ

ہے۔وہ ہفتے دس دن میں سیما کو اپنی بائیک پر بٹھا کر کسی پرسکون مقام پر لے جاتا تھا' جہاں بیٹھ کر وہ ڈھیروں پیار بھری باتیں کرتے تھے۔میرے مؤکل کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ سیما اسے کسی مصیبت میں پھنسانے کے لیے یہ محبت والا ناٹک کر رہی تھی۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں کہا۔''سیما اور ملزم کے درمیان بھی کوئی سنجیدہ تعلق نہیں رہا۔وکیل صفائی خوامخواہ الٹی سیدھی باتیں کر کے سیما کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں بیگ صاحب؟'' مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا۔

''یور آنر! میں نے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور یہی حقیقت بھی ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں مجسٹریٹ کے استفسار کا جواب دیا۔''میں اپنے کہے کو ثابت بھی کر سکتا ہوں اور وقت آنے پر اس سازش کو بھی بے نقاب کر سکتا ہوں' جو ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت میرے مؤکل کو اس مصیبت میں پھنسانے کے لیے بنی گئی تھی۔دیٹس آل یور آنر۔''

''ہوں......'' مجسٹریٹ نے گہری نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور کہا۔''آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

''جناب عالی! سیما اور ملزم کے بیچ محبت والی کہانی ایک فرضی داستان ہے' جو میرے فاضل دوست کے ذہن کی اختراع ہو سکتی ہے۔'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ہاں' بس اتنا ہے کہ ان دونوں کے بیچ جان پہچان ضرور تھی اور سیما بھروسا کر کے اسی لئے ملزم کے ساتھ چلی بھی گئی تھی۔اسے کیا پتا تھا کہ وہاں پہنچ کر یہ شیطان بے ہودگی پر اتر آئے گا۔''

''یور آنر......!'' میں نے پراعتماد انداز میں کہا۔''میں اپنے موقف پر قائم ہوں کہ سیما اپنی مرضی سے میرے مؤکل کی بائیک پر بیٹھ سی ویو جیسے پرسکون مقام پر گئی تھی۔اگر وکیل استغاثہ اپنے دعوے میں راسخ ہیں تو پھر ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ وضاحت کریں' میرے مؤکل نے کس بہانے سیما کو اپنے ساتھ ایک الگ مقام تک جانے کے لیے راضی کر لیا تھا......؟'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور جہاں تک میرے مؤکل کے بے ہودگی پر اتر آنے یا سیما سے دست درازی کرنے کا تعلق ہے تو جب پولیس نے انہیں جائے وقوع سے گرفتار کیا تو پولیس کا موقف کچھ

اور تھا اور آج کچھ اور ہے......''

''اس کا کیا مطلب ہوا بیگ صاحب۔'' مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے بتایا۔''پولیس نے ابتدائی کارروائی کے نتیجے میں دونوں پر فحش اور نازیبا حرکات کا الزام لگایا تھا۔اس بات میں دو آراء نہیں ہو سکتیں کہ فحش اور نازیبا حرکات ہمیشہ دونوں فریقوں کی مرضی اور منشا سے ہوتی ہیں یعنی ''سی ویو'' پر اچھا برا جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ سیما اور میرے مؤکل کی رضامندی کا نتیجہ تھا' لیکن پھر نوٹوں کی جھلک نے معاملہ پلٹ کر رکھ دیا اور پولیس کا فوکس محض اس نقطے تک محدود ہو کر رہ گیا کہ ملزم سیما کو ورغلا کر سی ویو لے گیا اور وہاں پہنچتے ہی اس نے سیما کے ساتھ بدتمیزی اور دست درازی شروع کر دی۔''

''آپ نے نوٹوں کی جھلک کا تذکرہ کیا ہے۔'' مجسٹریٹ نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔''یہ کیا معاملہ ہے بیگ صاحب؟''

''بہت سیدھا سادا معاملہ ہے جناب عالی!'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''گرفتاری کے فوراً بعد پولیس نے میرے مؤکل کے بڑے بھائی امین کو یہ راہ سجھائی تھی کہ وہ اگر صبح ہونے تک پچاس ہزار روپے کا بندوبست کر دے تو اس کیس کو تھانے ہی میں رفع دفع کر دیا جائے گا۔امین نے پولیس کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ممکن ہے' سیما کے پاپا کی سمجھ میں پولیس والوں کی بات آگئی ہو' جبھی یہ کیس سراسر میرے مؤکل کی مخالفت میں چلا گیا ہے۔صاف نظر آ رہا ہے کہ استغاثہ سیما کو بچانے اور ملزم کو پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

پولیس کی رشوت ستانی کے معاملات کوئی نئی بات نہیں اور عدالت بھی ان ہتھکنڈوں سے بخوبی آگاہ ہے' لہٰذا مجسٹریٹ نے اس ایشو پر زیادہ توجہ نہیں دی اور وکیل استغاثہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''وکیل صاحب! آپ وکیل صفائی کے سوالات کے جواب میں کیا کہیں گے۔انہوں نے تھوڑی دیر پہلے آپ پر جو فرض عائد کیا ہے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے؟''

وکیل استغاثہ نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا۔''جناب عالی! ملزم نے سیما کو بتایا تھا کہ اس کے پاس سیما کی ذات کے حوالے سے چند ایسے دستاویزی ثبوت ہیں جو اگر منظر عام پر آگئے تو اس کی اور اس کے پاپا کی عزت پر حرف آ سکتا ہے' لہٰذا وہ ملزم کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گئی۔''

"ویری گڈ!" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "سیما اتنی ننھی بچی تھی کہ وہ چپ چاپ ملزم کی بائیک پر بیٹھ کر سی ویو پہنچ گئی۔ دستاویزی ثبوت حاصل کرنے کے لیے شہر کے آخری کنارے تک جانے کی کیا ضرورت تھی......؟"

اس موقع پر مجسٹریٹ نے بڑی حاضری دماغی کا ثبوت دیا اور ملزم ناصر سے پوچھا۔ "ایسے کون سے ثبوت تھے تمہارے پاس جو سی ویو جائے بغیر سیما کو فراہم نہیں کیے جا سکتے تھے؟"

اگرچہ یہ سوال میرے مؤکل سے کیا گیا تھا اور استغاثہ کی حمایت میں کیا گیا تھا' لیکن میرے نزدیک مجسٹریٹ کے اس اقدام سے مجھے ملزم کو ڈیفنڈ کرنے کا ایک اور راستہ مل گیا تھا۔

ناصر نے مجسٹریٹ کے استفسار کے جواب میں بتایا۔ "جناب عالی! سیما کا بیان جھوٹ کا پلندا ہے۔ میں نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"تم نے سیما سے دستاویزی ثبوت کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔" مجسٹریٹ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ "پھر تم کس مقصد کی خاطر اسے اپنے ساتھ سی ویو لے گئے تھے؟"

"محبت!" ناتواں ناصر نے بڑی توانائی سے جواب دیا۔ "ہمارے ایک ساتھ سی ویو جانے اور وہاں تنہائی میں بیٹھ کر راز و نیاز کرنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے...... کم از کم میں تو اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتا تھا' لیکن گرفتاری کے بعد سیما نے جس طرز عمل کا مظاہرہ کیا ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت میرے قریب آئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ محبت کا ناٹک رچایا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ میں اس کے دام میں گرفتار ہو چکا ہوں تو ایک سنسنی خیز ڈرامے کے بعد اس نے مجھے مصیبت میں دھکیل دیا اور خود معصوم بن کر ایک طرف کھڑی ہو گئی ہے۔"

مجسٹریٹ نے ملزم کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے وکیل صاحب نے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ تم اس سے پہلے بھی سیما کے ساتھ گھومنے پھرنے جاتے رہے ہو۔ اس بات میں کس حد تک صداقت ہے؟"

"جناب عالی! میرے وکیل صاحب نے عدالت میں جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ سب

میں نے ہی وکیل صاحب کو بتایا تھا۔" ناصر نے میری ہدایات کے مطابق جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بات سو فیصد سچی ہے کہ میرے اور سیما کے بیچ محبت کا معاملہ پچھلے سات ماہ سے چل رہا تھا اور اس دوران میں ہم آٹھ دس بار آپس میں ملے ہیں۔ کبھی سی ویو' کبھی قائداعظم کے مزار' کبھی میوزیم اور کبھی صدر کے ریسٹورنٹس میں۔ ہم دو بار پکچر ہاؤس میں فلم دیکھنے بھی گئے تھے......"

"یور آنر!" میں نے اس موقع پر مداخلت ضروری جانی۔ "سیما اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود ہے اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں سیما سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔"

اجازت نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ لہٰذا مجسٹریٹ نے فراخ دلی سے کہا۔ "بیگ صاحب! آپ سیما سے سوال کر سکتے ہیں۔"

میں سیما والے کٹہرے کے نزدیک پہنچ گیا۔ آج اس کیس کی پہلی پیشی تھی' لیکن یہ معاملہ کچھ اس انداز میں پھیلتا چلا جا رہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا' آج ہی اس کیس کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں ابھی کافی دیر تھی اور میری کوشش تھی کہ عدالت برخاست ہونے سے پہلے میں اس کیس کے دھارے کو ایسے موڑ پر لے آؤں کہ اگر کیس کا فیصلہ نہ بھی ہو تو کم از کم میرے مؤکل کی ضمانت ضرور ہو جائے۔

میں نے سیما کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "سیما جی! کیا یہ بات درست ہے کہ آپ کے اور ناصر کے درمیان پچھلے سات ماہ سے عشق و محبت کا معاملہ چل رہا تھا؟"

"بالکل غلط!" اس نے بڑے مضبوط انداز میں تردید کرتے ہوئے کہا۔ "اس بکواس کی کوئی حقیقت نہیں۔"

"اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ آپ ناصر کی بائیک پر بیٹھ کر دور دراز کے پرسکون مقامات پر ملاقاتیں کرتی رہی ہیں؟" میں نے آہستہ آہستہ اسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔" اس نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "یہ ساری جھوٹی کہانی ناصر نے مجھے بدنام کرنے کے لیے گھڑی ہے۔"

"تو گویا آپ دونوں کے بیچ پیار و محبت کا کوئی سلسلہ تھا ہی نہیں؟"

"جی ہاں ...... یہی حقیقت ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا سی ویو والے واقعے سے پہلے بھی آپ کی کبھی ناصر سے ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے اپنے نادیدہ جال کو آہستہ آہستہ سمیٹتے ہوئے کہا۔

"بس ایک آدھ بار......"

"مطلب' آپ ناصر کو جانتی تو تھیں نا......؟"

"جی ہاں' جانتی تھی۔"

"آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ ناصر کسی زمانے میں آپ کی سوتیلی ممی سلمٰی کا دیور رہا تھا؟" میں نے اسے پکا کرنے کی غرض سے سوال کیا۔

"جی ہاں' یہ بات میرے علم میں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "جبھی میں اس دغاباز کے ساتھ سی ویو تک چلی بھی گئی تھی' کیونکہ اس نے جن دستاویزی ثبوت کا ذکر کیا تھا وہ میری سوتیلی ممی سلمٰی کی پچھلی زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔"

"اچھا ہوا' آپ نے خود ہی ذکر کر دیا ورنہ میں آپ سے اگلا سوال یہی کرنے والا تھا۔" میں نے بڑی رسان سے کہا' پھر پوچھا۔ "کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گی کہ ناصر کے پاس آپ کی سوتیلی ممی کے حوالے سے کون سے دستاویزی ثبوت تھے جن کے منظر عام پر آجانے سے آپ کی اور آپ کے پاپا کی عزت پر حرف آسکتا تھا۔"

"میں ان کے بارے میں ضرور عدالت کو بتاتی اگر وہ مجھے حاصل ہو جاتے تو......" اس نے طنزیہ انداز میں ناصر کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بتایا۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ناصر نے آپ کو وہ دستاویزی ثبوت فراہم نہیں کیے تھے......؟"

"وہ تو اس کا ایک بہانہ تھا۔" سیما نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "سی ویو پہنچنے کے بعد جب میں نے اس سے وہ دستاویزی ثبوت مانگے تو اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھر آئی اور میری بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے مجھ سے بدتمیزی شروع کر دی ......وہ تو میری خوش قسمتی رہی کہ وہاں قریب ہی پولیس والے موجود تھے۔ انہوں نے اس کی بے ہودہ حرکات دیکھ لیں اور موقع پر پہنچ کر ہم دونوں کو گرفتار کر لیا۔"

"ویری بیڈ......" میں نے افسوسناک انداز میں گردن ہلائی۔ "اگر واقعی ایسا ہوا تھا تو

میں یہی کہوں گا کہ بہت برا ہوا......"

"میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں وکیل صاحب۔" وہ اصراری لہجے میں بولی۔ "میں نے جو بیان کیا ہے' بالکل ویسا ہی ہوا تھا۔"

"قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے آنکھیں بند کر کے آپ کی بات کا یقین کر لیا' آپ پر بھی لازم ہے کہ آنکھیں اور دماغ کھول کر میرے آخری چند سوالات کے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیں۔"

"جی پوچھیں' مزید کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

میں نے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ آپ نے حال ہی میں ماسٹرز کیا ہے؟"

"جی ہاں...... یہ بات درست ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"آپ نے کون سے سبجیکٹ میں ماسٹرز کیا ہے؟"

"ایجوکیشن میں!"

"گویا...... آپ اردو لکھنا پڑھنا بخوبی جانتی ہیں؟"

"یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" وہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔ "میں اردو لکھنا پڑھنا ہی نہیں بلکہ بولنا بھی جانتی ہوں......"

"بول تو ماشاء اللہ آپ ٹھیک ٹھاک رہی ہیں۔" میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن لکھنے پڑھنے کے بارے میں' میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا آپ اس سلسلے میں معزز عدالت کو کوئی مصدقہ ثبوت فراہم کر سکتی ہیں؟"

"یہ کیسا مذاق ہے جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ "جس شخص نے ماسٹرز کر رکھا ہو' وہ بھلا اردو لکھنا' پڑھنا اور بولنا کیسے نہیں جانتا ہوگا۔ میرے فاضل دوست فضول قسم کی باتوں میں پڑ کر عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں ایسے تاخیری حربوں سے روکا جائے۔"

واقعی' میں نے سیما سے جس نوعیت کا مطالبہ کیا تھا' جو بھی سنتا تو یہی کہتا کہ میں نے انتہائی بچگانہ بات کی تھی' لیکن اس کے پیچھے میرا ایک خاص مقصد چھپا ہوا تھا۔

وکیل استغاثہ کے اعتراض کے جواب میں مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا۔ "بیگ صاحب! کیا آپ واقعی سیما کا کوئی ٹیسٹ وغیرہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"یس یور آنر!" میں نے چٹانی لہجے میں کہا۔ "مجھے شک ہے کہ سیما صاحبہ اردو لکھنا پڑھنا نہیں جانتیں۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو یہ معزز عدالت کے روبرو ثابت کر کے دکھا دیں۔"

"سیما صاحبہ کو کاغذ اور قلم دیا جائے۔" وکیل استغاثہ نے کراری آواز میں کہا۔ "یہ ابھی ثابت کر کے دکھا دیں گی۔"

مجسٹریٹ کے حکم پر سیما کو ایک رف پیڈ اور قلم مہیا کر دیا گیا۔ عدالت میں موجود سامعین و ناظرین میں چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ میں نے بات ہی ایسی کر دی تھی کہ ہر شخص تفریحی انداز میں سوچ رہا تھا اور اس منظر کا منتظر تھا جب وہ میرے پیش کیے گئے کسی آئٹم سے محظوظ ہو۔

کٹہرے میں کھڑی سیما نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ "وکیل صاحب! آپ مجھے ڈکٹیٹ کرائیں گے یا میں اپنی مرضی سے کچھ لکھ دوں؟"

"میری کیا مجال کہ میں آپ کو ڈکٹیٹ کراؤں۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنی مرضی ہی سے دو سطریں گھسیٹ دیں۔ لکھائی اتنی صاف ضرور ہو کہ آپ آسانی سے اسے پڑھ کر خود کو لکھا پڑھا ثابت کر سکیں۔"

وہ گردن جھکا کر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ لگ بھگ ایک منٹ کے بعد اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "ڈن!"

"ویری گڈ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

"اب براہ مہربانی' اس مختصری تحریر کو معزز عدالت کے سامنے باآواز بلند پڑھ کر بھی سنا دیں۔"

سیما نے پڑھنا شروع کیا۔ "جانوروں سے وفا کی توقع کی جا سکتی ہے' مگر انسان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں......"

"واہ واہ...... سبحان اللہ!" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ "آپ نے تو موجودہ حقیقت کی ترجمانی کر دی ہے۔ کیا میں آپ کی اس تخلیق کو دیکھ سکتا ہوں۔"

بات ختم کرتے ہی میں نے ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا' سیما نے پیڈ اور قلم میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"لیں...... دیکھ کر تسلی کر لیں کہ میں نے کاغذ پر کچھ گھسیٹا بھی ہے یا محض ڈائیلاگ بولا ہے؟"

میں نے مذکورہ کاغذ کو لے کر بغور دیکھا اور پڑھ کر اس بات کی تسلی کرنا کہ اس نے جو کچھ پڑھ کر سنایا تھا' لکھا بھی وہی تھا اور...... یہ سیما ہی کا طرز تحریر تھا۔ میں نے مذکورہ پیڈ مجسٹریٹ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"یور آنر! سیما صاحبہ نے اس تحریر اور اس سے متعلقہ مختصری تقریر سے یہ تو ثابت کر دیا ہے کہ وہ اردو لکھنا پڑھنا بخوبی جانتی ہیں۔ اب ان کی تحریر کے معائنے کا ٹیسٹ باقی ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اس ٹیسٹ کے بعد یہ کیس روز روشن کے مانند کھل کر معزز عدالت کے سامنے آ جائے گا۔"

"بیگ صاحب! آپ کس قسم کے ٹیسٹ کی بات کر رہے ہیں؟" مجسٹریٹ نے حیرت بھری نظر سے مجھے گھورا۔

"کوئی نیا ناٹک شروع ہونے والا ہے۔" وکیل استغاثہ نے ناگوار نظر سے میری جانب دیکھا۔ "میرے فاضل دوست کو عدالت کا وقت برباد کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے......"

میں نے وکیل استغاثہ کے معاندانہ تبصرے پر توجہ نہیں دی اور مجسٹریٹ کے سوال کے جواب میں کہا۔

"جناب عالی! سیما صاحبہ کی تحریر یعنی "ہینڈ رائٹنگ" کا ایک تازہ ترین نمونہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔ ایسا ہی ایک سیمپل میرے پاس بھی ہے جو محترمہ نے چند ماہ پہلے تحریر فرمایا تھا۔ معزز عدالت سے میری پرزور اپیل ہے کہ وہ باریک بینی سے دونوں نمونوں کا موازنہ کر کے اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچائے کہ دونوں نمونہ جات ایک ہی شخصیت کی ہینڈ رائٹنگ ہے۔"

عدالت کے کمرے میں بڑی پراسرار خاموشی طاری تھی۔ وکیل استغاثہ سمیت وہاں موجود ہر شخص کی نگاہ مجھ پر لگی ہوئی تھی۔ وہ یہ دیکھنے کو مشتاق تھے کہ میں اپنی فائلوں میں سے کون سا سانپ برآمد کرنے والا ہوں۔ میں نے نہایت ہی سنسنی خیز انداز میں ایک فائل کے اندر سے ایک فل اسکیپ کا پرچہ نکالا اور اسے لے جا کر مجسٹریٹ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"یہ کیا ہے......؟" مجسٹریٹ نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ ایک "لو لیٹر" ہے یور آنر!" میں نے کھنک دار آواز میں کہا۔ "جو چند ماہ پہلے محترمہ سیما نے اپنے محبوب اور اس کیس کے ملزم ناصر کو لکھا تھا۔ ایسے ہی دو خطوط اور بھی میری فائل کے اندر موجود ہیں۔ اگر عدالت محسوس کرے گی تو میں ثبوت کے طور پر انہیں بھی پیش کر دوں گا۔"

میں نے بات ختم کرتے ہی فاتحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا' پھر میری چبھتی ہوئی نگاہ سیما کی جانب اٹھ گئی۔ وکیل استغاثہ تو مجھے سخت پریشانی میں نظر آیا اور سیما کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ میرے اس کاری وار نے استغاثہ کے غبارے سے ساری ہوا نکال دی تھی۔ اس لو لیٹرز کے بارے میں ناصر نے مجھے حوالات میں بتا دیا تھا اور میری نشاندہی پر امین نے مذکورہ خطوط ناصر کے کمرے سے نکال کر میرے حوالے کر دیئے تھے۔

مجسٹریٹ نے بڑی باریک بینی سے اس عشقیہ خط کا معائنہ کیا' پھر سیما کی حالیہ تحریر سے اس کا موازنہ کرنے کے بعد زیر لب بڑبڑایا۔ "تحریر تو ہوبہو ایک جیسی ہے۔" پھر اس نے نگاہ اٹھا کر سیما کی طرف دیکھا اور استفسار کیا۔

"کیا یہ خط تم نے ہی ملزم ناصر کو لکھا تھا؟"

"نن ...... نہیں ...... آں ...... ہاں ......" وہ بری طرح بوکھلا کر رہ گئی۔ "مم ...... مگر ...... اس نے تو مجھے بتایا تھا کہ میرے سارے خطوط ضائع کر دیئے ہیں ......" بات ختم کر کے سیما پریشان نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگی۔

"دی ڈرٹی گیم از اپ ......" میں نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "سیما کے اقرار نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے سیما معزز عدالت کے سامنے مسلسل جو غلط بیانی کر رہی ہے اس کا پول کھل گیا ہے۔ یور آنر! حقیقت یہ ہے کہ ......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔

"یور آنر ...... سیما کا یہ کہنا کہ "ناصر نے اسے تمام عشقیہ خطوط ضائع کر دینے کے بارے میں بتایا تھا۔" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ملزم کی محبت میں مبتلا تھی' بہ الفاظ دیگر سیما پچھلے چھ سات ماہ سے میرے مؤکل کے ساتھ محبت کا ناٹک کر رہی تھی۔ اسے یہ بات

اچھی طرح معلوم تھی کہ ملزم ماضی میں اس کی سوتیلی ماں سلمٰی کا دیور رہا تھا۔ یہ ان وجوہات سے بھی واقف تھی جو ملزم کے بھائی اور سیما کی سوتیلی ماں سلمٰی کی علیحدگی کا سبب بنی تھیں۔ اس تناظر میں بڑے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سیما ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ملزم کے قریب ہوئی۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس مذموم سازش کے پیچھے اس کی سوتیلی ماں سلمٰی کا ہاتھ تھا یا کسی اور کا' بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی کہ میرا مؤکل محبت کے معاملے میں سیما کے ساتھ انتہائی سنجیدہ تھا اور اسی سنجیدگی نے اسے آنکھیں بند کر کے سیما پر بھروسہ کرنے کے لیے مجبور کر دیا تھا تاہم سیما کے اختتامی رویے نے اس کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس کا محبت پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ بے گناہ و بے قصور ہے لہٰذا میں معزز عدالت سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ ملزم ناصر کو ضمانت پر رہا کرنے کے احکام صادر کیے جائیں۔ دیٹس آل یور آنر ......"

میری اس مدافعتی تقریر کے اختتام پر وکیل استغاثہ نے ملزم کی ضمانت رکوانے کے لیے زور مارنا چاہا تاہم وہ زور مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے دلائل میں دم خم نظر نہیں آتا تھا۔ مجسٹریٹ نے خفگی آمیز نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"وکیل صاحب! آپ اپنی پہلے کہی ہوئی باتوں کو دہرا رہے ہیں۔ ضمانت کو رکوانے کے لیے کوئی ٹھوس دلیل آپ کے پاس ہے تو پیش کریں؟"

وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ مجسٹریٹ نے ناگواری سے کہا۔

"وکیل صاحب! یہ عدالت آپ کو پندرہ دن کا ٹائم دیتی ہے۔ اس دوران میں آپ استغاثہ پر اچھی طرح غور و فکر کر لیں۔ اگر آپ ملزم کے مبینہ جرم کے ذیل میں ٹھوس ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آئندہ پیشی پر انہیں عدالت میں پیش کریں بصورت دیگر عدالت اگلی پیشی پر اس کیس کو خارج کرنے کا قانونی اختیار رکھتی ہے۔"

وکیل استغاثہ نے بڑے یتیمانہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

"مسٹر بیگ!" مجسٹریٹ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"عدالت آپ کے مؤکل کی عبوری ضمانت منظور کرتی ہے۔"

میں نے مؤدبانہ انداز میں گردن کو خم کر دیا اور کہا۔ "تھینک یو یور آنر!"

"اس کے ساتھ ہی آپ پر یہ ذمے داری بھی عائد کی جاتی ہے کہ ......" مجسٹریٹ اضافہ کرتے ہوئے بدستور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "آئندہ پیشی پر آپ اپنے مؤکل کو عدالت

میں حاضر کرنے کے پابند ہوں گے۔"

"میں اپنے فرائض اور ذمے داری کا پورا خیال رکھوں گا جناب عالی!" میں نے فرماں برداری سے کہا۔ "انشاء اللہ اس سلسلے میں، میں معزز عدالت کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

مجسٹریٹ نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!"

◈◇◈

مجسٹریٹ نے آئندہ پیشی کے لیے پندرہ دن بعد کی تاریخ دی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اتمام حجت تھا' ورنہ اصولی طور پر تو پہلی ہی پیشی پر اس کیس کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ میں نے جس ڈرامائی انداز میں سیما کے جھوٹ کا پول کھولا تھا اس سے اس کی اصلیت عدالت کی نظر میں واضح ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی تھی کہ سیما نے کسی خاص مقصد کی خاطر ناصر کے ساتھ پیار محبت کا کھیل کھیلا تھا اور اس سازشانہ کھیل کے اختتام پر وہ "مقصد" بھی واضح ہو گیا تھا۔ ناصر اگر سیما کو "سی ویو" لے گیا تھا یا اس سے پہلے وہ اسے قائداعظم کے مزار' عجائب گھر یا دیگر مقامات پر گھمانے لے جاتا رہا تھا تو وہ اس میں حق بجانب تھا۔ اس کی نیت میں کوئی فتور یا کھوٹ نہیں تھا' کیونکہ وہ یہی سمجھتا تھا کہ سیما اس سے محبت کرتی ہے۔

عدالت نے پچھلی پیشی پر ناصر کے علاوہ سیما کو بھی ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ عدالت کا منشا یہی تھا کہ آئندہ پیشی سے پہلے فریقین باہمی افہام وتفہیم سے اس مسئلے کو کورٹ کے باہر ہی حل کر لیں' جسے سادہ زبان میں "راضی نامہ" کہا جاتا ہے۔

مجھے اس کیس کے سلسلے میں مزید کسی نوعیت کی کوئی تیاری نہیں کرنا تھی۔ میں اپنی دانست میں یہ کیس جیت چکا تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ آئندہ پیشی پر استغاثہ میرے مؤکل کے خلاف کسی قسم کا کوئی مواد مہیا نہیں کر سکے گا لہٰذا پندرہ روز کے بعد تو اس کیس کو لامحالہ خارج ہونا ہی تھا' تاہم پھر بھی میں نے امین کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر مخالف پارٹی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ اسے گھیر کر میرے پاس لے آئے۔ جب دو روز گزرنے کے بعد بھی امین میرے پاس نہیں آیا تو میں یہی سمجھا کہ رمضانی بھائی اینڈ کمپنی نے اس سے رابطے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہوگی۔ میں بھی اپنے معمول کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

یہ تیسرے روز کا واقعہ ہے۔ میری سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ کوئی مسز نرگس مجھ سے ملنے آئی ہیں۔ میں نے پوچھا۔ "کیا مسز نرگس کا اپائنٹمنٹ تھا؟"

"نو سر......!" سیکرٹری نے جواب دیا۔

"وزیٹرز کی کیا پوزیشن ہے؟"

"ابھی آخری کلائنٹ آپ سے مل کر گیا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "مسز نرگس کو میرے پاس بھیج دیں۔"

تھوڑی ہی دیر کے بعد نرگس نامی وہ عورت میرے سامنے بیٹھی تھی۔

نرگس کی عمر کا اندازہ میں پینتیس اور چالیس کے درمیان قائم کیا۔ وہ خوب صورت بدن کی مالک ایک جاذب نظر اور پرکشش عورت تھی' جس نے بوائے کٹ بال رکھے ہوئے تھے۔ اپنے پہناوے اور زیورات سے وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کی خاتون نظر آتی تھی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے کہا۔ "جی نرگس صاحبہ! فرمائیں' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"بات چیت کے آغاز سے قبل میں دو اہم کام کرنا چاہوں گی۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی۔

"کون سے دو اہم کام......؟" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نمبر ایک' میں آپ کی تعریف کرنا چاہوں گی۔" وہ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ "اور نمبر دو' مجھے آپ سے ایک معذرت کرنا ہے......"

"میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھ پایا ہوں مسز نرگس۔" میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ "کیسی تعریف اور کون سی معذرت......؟"

"آپ بڑے زبردست وکیل ہیں۔" وہ میری تعریف کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے آپ کا کام دیکھا ہے۔ آپ سونے میں تولے جانے کے قابل ہیں۔"

"یہ تو ہو گئی میری تعریف۔" میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ بھی بتا دیں' آپ مجھ سے کس بات کے لیے معذرت کرنے آئی ہیں؟"

"اس بات کی معذرت کہ......" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔ "میں نے آپ تک رسائی

کے لیے ایک جھوٹ بولا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میری حیرت دو چند ہو گئی۔ "کیسا جھوٹ......؟"

وہ بدستور معنی خیز انداز میں بولی۔ "میں مسز نرگس نہیں ہوں......"

مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ "پھر......؟"

"میرا نام سلمیٰ ہے۔" وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔ "مسز رمضانی!"

"اوہ......!" میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"اگر آپ کی سیکرٹری سے اپنا درست تعارف کرا دیتی تو مجھے خدشہ تھا' آپ مجھ سے ملنے سے انکار کر دیں گے۔" اس نے وضاحت کی۔

"ایسی بات نہیں ہے مسز سلمیٰ!" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں لوگوں سے ملنے کے لیے ہی بیٹھا ہوں۔ کوئی اپنی پارٹی کا ہو یا فریق مخالف' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"آپ دل کے بھی بہت صاف اور کھلے ڈلے ہیں۔" وہ ایک بار پھر بڑے والہانہ انداز میں میری تعریف کرتے ہوئے بولی' پھر اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے بے ساختہ اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے میری جانب بڑھا دیا۔

مجھے اس کا یہ عمل عجیب سا تو لگا' لیکن یہ سوچتے ہوئے کہ اسے اپنی انسلٹ کا احساس نہ ہو' میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ چند لمحے پہلے مجھے کھلے ڈلے دل کا مالک قرار دے چکی تھی اور اب اس مقابلے میں مجھ پر بڑی بھاری سبقت لے گئی تھی۔ میں نے ابھی تک سلمیٰ کا صرف ذکر ہی سنا تھا۔ بالمشافہ بلکہ آج پہلی مرتبہ ملاقات ہو رہی تھی۔ پچھلی پیشی پر وہ عدالت میں موجود نہیں تھی' ورنہ میں اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بڑی نمایاں اور پرکشش شخصیت کی مالک تھی۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بیگ صاحب!" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"سیم ٹو یو......" میں نے بھی خوش اخلاقی کے تقاضے نبھاتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ "تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ آپ نے میرا کام دیکھا ہے جبھی آپ مجھ سے اتنی متاثر ہیں۔ میں پوچھنا چاہوں گا کہ آپ نے کہاں میرا کام دیکھا ہے؟"

"پچھلی پیشی پر آپ نے مجسٹریٹ صاحب کے سامنے جو کام دکھایا ہے میں اس کی

بات کر رہی ہوں۔" وہ دلچسپ نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی' پھر اچانک اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔ "بیگ صاحب! آپ کے آفس میں چائے کافی وغیرہ نہیں ملتی۔"

وہ زبردستی سوار ہو جانے کی ملاحیت سے مالا مال تھی۔ اس کے انداز میں ایک خاص قسم کی بے باکی پائی جاتی تھی۔ میں نے فوری طور پر اس کے لیے چائے کا آرڈر دیا' پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن گزشتہ پیشی پر تو آپ عدالت کے کمرے میں موجود نہیں تھیں' پھر آپ نے میرا کام کیسے دیکھ لیا؟"

"رمضانی صاحب کی آنکھ سے۔" وہ بڑے ناز سے بولی۔ "انہوں نے مجھے آپ کی کارکردگی کی مکمل رپورٹ دے دی تھی۔"

"اوہ......" میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور پوچھا۔ "رمضانی صاحب خود کہاں ہیں؟"

"باہر گاڑی میں بیٹھے ہیں۔" سلمیٰ نے بتایا۔

"باہر کیوں؟" اس کی بات سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ "وہ آپ کے ساتھ اندر کیوں نہیں آئے؟"

"انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "کہہ رہے تھے' میں زیادہ اچھے انداز میں آپ کو ہینڈل کر لوں گی۔"

"تو آپ مجھے ہینڈل کرنے آئی ہیں۔" میں نے مذاق کے رنگ میں کہا۔ "کیا آپ نے مجھے کوئی مشین وغیرہ سمجھ لیا ہے۔"

"ہاں......ایک اہم مشین۔" وہ بڑے سٹائل سے بولی۔ "میں کچھ سمجھا نہیں مسز رمضانی۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی بات میرے اوپر سے گزر گئی ہے۔"

"میں سمجھاتی ہوں......" وہ کسی استانی کے مانند بولی' پھر ایک ماہر نرس کی طرح مجھے سمجھانے لگی۔ "اس دنیا میں صرف دو مشینیں اہمیت کی حامل ہیں۔"

"کون سی دو مشینیں؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"نمبر ایک کامیابی دلانے والی مشین۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "نمبر دو' نوٹ

چھاپنے والی مشین اور دلچسپ بات یہ ہے کہ......" لمحاتی توقف کر کے وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی۔

"کامیابی دلانے والی مشین کا ایندھن دوسری مشین تیار کرتی ہے' یعنی نوٹ چھاپنے والی مشین۔ آپ میری بات کا مطلب تو سمجھ رہے ہیں نا؟"

"بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ "آپ مجھے ان دونوں میں سے کون سی مشین سمجھ رہی ہیں؟"

"کامیابی دلانے والی مشین!" وہ نظر کے راستے میری آنکھوں میں گھستے ہوئے بولی۔

"نوٹ چھاپنے والی مشین تو باہر گاڑی میں بیٹھی ہے۔"

اس کا اشارہ رمضانی بھائی کی طرف تھا۔ اصولی طور پر مجھے سلمٰی سے اتنا زیادہ کھل مل کر باتیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس کیس میں مخالف پارٹی کی حیثیت رکھتی تھی' لیکن اس نے جس ڈرامائی انداز میں انٹری دی تھی اور اس کے بعد جیسی سنسنی خیز باتیں وہ کر رہی تھی اس کا تقاضا یہی تھا کہ میں اس کی بات پوری توجہ سے سنوں تاکہ اس کے مقاصد کی تہہ تک رسائی حاصل کر سکوں۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ رمضانی صاحب کی دولت میری جیب میں بھر کر اپنے لیے کوئی کامیابی خریدنے آئی ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ مجھے خریدنے آئی ہیں۔"

"خریدنے اور بیچنے کے الفاظ بڑے چیپ اور عامیانہ سے ہیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "بیگ صاحب! میں تو آپ سے ایک ڈیل کرنے آئی ہوں۔"

"کیسی ڈیل؟" میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

وہ اب کھلنے ہی والی تھی۔ میں اس سے تعارف حاصل کرنے کے بعد جو اندازہ قائم کیا تھا وہ سو فیصد اس پر پورا اترتی نظر آتی تھی۔ اس نے میرے سوال کے جواب میں بڑی گہری نظر سے میرے چیمبر کا جائزہ لیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بیگ صاحب! آپ کا آفس کسی بھی عدالت کے کمرے سے زیادہ پرسکون اور آرام دہ ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اس چھوٹے موٹے کیس کا فیصلہ ہم یہاں بیٹھ کر نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتے؟" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "میں نے ابتدا میں یہ بات امین سے کہی بھی تھی کہ رمضانی بھائی کو اپنے ساتھ لے کر میرے پاس آ جائے' لیکن شاید آپ لوگوں کے بیچ رابطہ نہیں ہو سکا۔"

"وہ گدھے کا بچہ ہے۔" سلمٰی برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "اس میں اتنی عقل کہاں؟"

امین کے لیے اس نے "گدھے کا بچہ" کے الفاظ استعمال کیے تھے' جس سے اس کی نفرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کے خیالات پر کوئی تبصرہ کرنا ضروری نہ سمجھا اور بڑی رسان سے کہا۔

"اچھا ہوا آپ میرے پاس آ گئیں۔ آئندہ پیشی سے پہلے ہم یہیں پر ایک جوائنٹ میٹنگ رکھ لیتے ہیں۔ میں امین کو بھی بلوا لیتا ہوں۔ انشاء اللہ اگلی پیشی پر یہ کیس خارج ہو جائے گا۔ اللہ اللہ' خیر سلا۔"

"آپ نے جس شخص کو بلوانے کی بات کی ہے نا مجھے اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں۔" وہ قدرے برہمی سے بولی۔ "اور آئندہ میٹنگ کی کیا ضرورت ہے۔ میں آپ کے پاس آ گئی ہوں جو بات بھی طے کرنا ہے' ہم آپس میں مل کر طے کر لیتے ہیں۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے مسز رمضانی!" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

"کسی بھی قسم کی مصالحت کے لئے دونوں پارٹیوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔"

"مصالحت کا لفظ آپ نے بہت اچھا استعمال کیا ہے بیگ صاحب!" وہ اپنے ہینڈ بیگ کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس کے لیے امین کی موجودگی ضروری نہیں۔ یہ مصالحت ہم دونوں کے بیچ بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ آپ اس کیس کو میری مرضی کے مطابق ٹوئسٹ دیں......" وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "اور میں آپ کی مرضی کے مطابق چیک لکھ دیتی ہوں۔"

بات ختم کرتے ہی مسز سلمٰی نے اپنے قیمتی ہینڈ بیگ میں سے چیک بک اور پین برآمد کر لیا۔ مجھے اس کا یہ انداز سخت ناگوار گزرا۔ وہ سیدھا سیدھا اپنی دولت کے بل پر مجھے خریدنے

ارادہ رکھتی تھی۔ امین کے لیے اس کے دل و دماغ میں موجود نفرت مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ یقیناً وہ مجھے کوئی تگڑی رقم آفر کر کے امین کو کسی چکر میں پھنسانے کا ارادہ رکھتی تھی' لیکن ظاہر ہے' میں کوئی بکاؤ مال نہیں تھا' تاہم میں نے اس کھیل میں ڈراپ سین تک اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ چیک بک تو بیگ میں سے باہر آ ہی گئی تھی' یہ دیکھنا بھی ضروری تھا کہ بلی تھیلے میں سے کب باہر آتی ہے۔

''میں سمجھا نہیں......'' اس کی بات کے جواب میں' میں نے کہا۔ ''آپ کون سے ٹوئسٹ کی بات کر رہی ہیں؟''

وہ میز پر تھوڑا سا آگے کو جھک آئی پھر رازدارانہ لہجے میں بولی۔ ''کیس کی موجودہ صورت حال تو یہی ظاہر کرتی ہے کہ اگلی پیشی پر عدالت اس کیس کو خارج کر دے گی' لیکن میں ایسا نہیں چاہتی......'' وہ لمحے بھر کو سانس درست کرنے کے لیے رکی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کیس کے اندر کوئی ایسا ٹوئسٹ ڈالیں کہ مزید پانچ دس پیشیوں تک یہ کیس چلتا رہے اور ان دونوں بھائیوں کو رگڑا لگتا رہے۔''

سیما کو رگڑا لگانے کی بات ابتدا میں امین نے بھی کی تھی' لیکن اس کی خواہش میں وقتی غصے کا عکس تھا' جبکہ سلمیٰ جس خواہش کا اظہار کر رہی تھی اس میں بڑی معاندانہ شدت پائی جاتی تھی۔

میں نے چوہے بلی کا کھیل جاری رکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اگرچہ آپ کی مخالف پارٹی کا وکیل ہوں' اصولی طور پر مجھے آپ کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا چاہیے' لیکن آپ کی پیشکش کو نظرانداز کرنا بھی عقل مندی نہیں ہوگی۔''

''اور آپ ایک عقل مند وکیل ہیں۔'' وہ توصیفی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وکیل جس پارٹی سے فیس لیتا ہے اسی کی وکالت کرتا ہے۔ آپ نے امین سے فیس پکڑی' اس کے بھائی کی وکالت کی اور اسے بے قصور ثابت کر کے دکھا دیا۔ سمجھیں کہ آپ کا کام ختم ہو گیا' گویا آپ نے فیس حلال کر دی۔ اب آپ یوں سمجھیں کہ ناصر سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں رہا اور......''

''میں ایسا کیسے سمجھ سکتا ہوں۔'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''جب تک یہ کیس

عدالت میں ہے' میں ناصر کا وکیل ہوں اور اس کے حق کا تحفظ کرنا میری ذمے داری ہے۔''

''آپ نے اپنی ذمے داری پوری کر دی ہے بیگ صاحب!'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''آپ کا مؤکل ضمانت پر رہا ہو کر آزاد گھوم رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں آج کے بعد آپ میرے وکیل کا کردار ادا کریں۔ میں آپ کو اس سے دوگنی فیس ادا کروں گی جو امین نے آپ کو دی تھی۔''

''آپ کے وکیل کا کردار......'' میں نے اپنے چہرے پر مصنوعی الجھن طاری کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اپنے کیس کے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں......''

''کیس وہی ہے سیما والا......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے عرض کیا ہے نا' آپ نے اس کیس میں کوئی ایسا پیچ ڈالنا ہے کہ دو تین ماہ تک مزید امین عدالت کے چکر کاٹتا رہے۔ مجھے ناصر سے کوئی عداوت نہیں ہے بیگ صاحب...... میں بس' امین کو ذلیل و خوار ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔''

اس کے دل کی بات من و عن زبان تک آ گئی تھی۔ اس کے بارے میں میرے تمام تر اندازے درست ثابت ہوئے تھے۔ اس کمبخت منتقم المزاج عورت نے اپنے دلی جذبات کی تسکین کے لیے سیما کو بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ اس کا اصل ٹارگٹ' اس کا سابق شوہر امین تھا۔ یہ سچ ہے کہ انتقام کا جذبہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ امین نے سلمیٰ کی بدزبانی سے تنگ آ کر اسے طلاق دے دی تھی۔ وہ اپنی اسی انسلٹ کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ پہلے اس نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت سیما کو اس خطرناک کھیل میں کسی مہرے کے مانند آگے بڑھایا اور جیسے ہی دیکھا کہ میری وکالت نے اس کا مہرہ پیٹ ڈالا ہے تو وہ مجھے خریدنے کے لیے پوری آب و تاب کے ساتھ خود میدان میں اتر آئی تھی۔ یہ تو کسی بھی قیمت پر ممکن نہیں تھا کہ میں اس نامعقول عورت کا ہاتھ کا کھلونا بن جاتا۔ البتہ اسے اندھیرے میں رکھ کر اپنا کام نکالنے کی ضرورت تھی' تاکہ جب تک عدالت اس کیس کو خارج نہیں کر دیتی' سلمیٰ کی مزید ان دیکھی فتنہ پردازیوں سے محفوظ رہا جا سکے۔

میں نے مصنوعی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیس کے اندر میں ٹوئسٹ تو ڈال دوں گا مگر......''

''مگر کیا......؟''

وہ اضطراری انداز میں بولی۔

"ڈبل فیس والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"اگر یہ کم ہے تو میں زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں نہیں جانتی آپ کی فیس کتنی ہے میں آپ کو ایک بلینک چیک دے دیتی ہوں۔ میرے اس اکاؤنٹ میں کم از کم دو لاکھ روپے موجود ہیں۔ چیک کے اندر رقم آپ اپنی مرضی سے بھر لیجئے گا' لیکن کام میرے حسب منشا ہونا چاہیے......" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر نفرت بھرے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"آپ نے کیس کے مختلف حصوں میں ایسا مرچ مسالا بھرنا ہے کہ کیس ختم ہونے کے بعد کئی سال تک امین اپنے جسم کے ریشے ریشے میں جلن محسوس کرتا رہے......"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مرچ مسالے کے سلسلے میں آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"انشاء اللہ! میں بھی زندگی بھر آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" وہ بلینک چیک میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میں نے دونوں طرف دستخط کر دیئے ہیں۔ آپ اپنی مرضی کی رقم بھر کر یہ چیک کیش کرا لیجئے گا اور......اکاؤنٹ کی لسٹ تو میں نے آپ کو بتا ہی دی ہے۔"

"وہ لسٹ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں' میں آپ کی دی ہوئی لسٹ کو کراس نہیں کروں گا......"

اس نے بڑے جوش و خروش سے میرا شکریہ ادا کیا' پھر ایک دل آویز مسکراہٹ میری جانب اچھال کر وہ دفتر سے رخصت ہو گئی۔

یہ میری مسز رمضانی یعنی سلمٰی سے پہلی ملاقات تھی۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ اس عورت کے پاس دولت حسن تھی اور دولت دنیا بھی اور......اس نے مجھے اپنا ہمنوا بنانے کے لیے دونوں دولتیں خرچ کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

◈◇◈

منظر اسی عدالت کا تھا اور مجسٹریٹ کرسی انصاف پر پورے طمطراق کے ساتھ براجمان تھا۔ جب تمام متعلقہ افراد حاضر ہو چکے تو عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ مجسٹریٹ نے حاضرین

پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی' پھر وکیل استغاثہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وکیل صاحب! آپ پچھلے پندرہ دن میں ملزم ناصر کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے تو اسے عدالت میں پیش کیا جائے۔"

میں جانتا تھا پندرہ دن کیا' اگر اس کام کے لیے استغاثہ کو پندرہ ماہ کا وقت بھی دیا جاتا تو وہ ناکام ہی رہتا۔ وکیل استغاثہ نے بڑے بھونڈے انداز میں گزری ہوئی باتوں کو دہرانے کی کوشش شروع کی ہوئی تھی کہ مجسٹریٹ نے اسے ابتدائی مرحلے پر ہی روک دیا اور قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"اگر آپ نے پچھلی باتوں کو دہرا کر عدالت کا وقت ہی خراب کرنا ہے تو پھر عدالت اس کیس کو خارج کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "اگر معزز عدالت مزید دس دن کی مہلت دے تو ملزم کے خلاف ٹھوس شواہد حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"گزشتہ پندرہ دن میں آپ کی کارگزاری کیا رہی؟" مجسٹریٹ نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"اس سے پہلے ریمانڈ کے سلسلے میں بھی عدالت نے ایک ہفتے کی مہلت دی تھی۔ جب ان پچیس دنوں میں ملزم کے خلاف ایسی کوئی بھی جاندار بات سامنے نہیں لائی جا سکی جس پر عدالت کی کارروائی کو آگے بڑھایا جا سکے تو مزید دس دن میں کیا ہو جائے گا؟"

"جناب عالی!" وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو بعض معاملات کی چھان بین کے لیے مناسب وقت درکار ہوتا ہے۔ میری معزز عدالت سے التماس ہے کہ اس کیس کو ڈس کرنے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔"

"عجلت......!"

مجسٹریٹ نے حیرت بھری نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ "آپ اسے عجلت کا نام دے رہے ہیں۔ معزز عدالت نے پچھلی پیشی پر آپ کو پندرہ دن کی مہلت محض اس لیے دی تھی کہ انصاف کے تقاضے پورے ہونے میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے' لیکن آپ اپن کوشش میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔"

مجسٹریٹ کی ان سچی اور کھری باتوں کے جواب میں وکیل استغاثہ کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا اور وہ خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

مجسٹریٹ نے میری جانب دیکھا اور استفسار کیا۔ ”بیگ صاحب! آپ کو اس سلسلے میں کچھ کہنا ہے؟“

اس روز مسز سلمیٰ بھی عدالت کے کمرے میں موجود تھی اور اس کی نظر مجھی پر لگی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ اپنے بلینک چیک کی تاثیر دیکھنے کی منتظر تھی۔ جب میں عدالت کی طرف آ رہا تھا تو باہر راہ داری میں میرا اس سے سامنا ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ”بیگ صاحب! آپ نے چیک کیش نہیں کرایا؟“ سلمیٰ کے اس سوال کا واضح مطلب یہی تھا کہ اس نے عدالت آنے سے پہلے بینک جا کر اپنے اکاؤنٹ کا احوال معلوم کر لیا تھا‘ جبھی اس کے استفسار میں حیرت کی آمیزش تھی۔ وہ تو توقع کر رہی ہو گی کہ میں اس کے دیے ہوئے بلینک چیک سے پہلی فرصت میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ جب میں نے ایسی کوشش نہیں کی تو اسے اچنبھا ہونا ہی تھا۔ میں اس کے سوال کا جواب دیے بغیر عدالت کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا اور عدالت کے اندر بھی میں نے ایک مرتبہ بھی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ میرا یہ رویہ اس کی ذہنی کیفیت میں ہیجان برپا کرنے کے لیے کافی تھا۔

مجسٹریٹ کے استفسار کے جواب میں‘ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”یور آنر! سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے ...... حقیقت جو بھی ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔ اگر موجودہ حالات و واقعات کی روشنی میں دیانت داری کی نگاہ سے دیکھا جائے تو میرا مؤکل سراسر بے قصور اور بے گناہ دکھائی دیتا ہے۔ استغاثہ کے جھوٹ کی قلعی کھل چکی ہے۔ اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ملزم کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔“ میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی‘ پھر دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یور آنر! یہ بات ہر انداز سے کھل چکی ہے کہ استغاثہ کی پشت پر جس پولیس کا ہاتھ ہے وہ بھی اس سازش میں پوری طرح ملوث ہے۔ پولیس اور استغاثہ کے تمام تر دعوے عدالت میں ریت کی دیوار ثابت ہو چکے ہیں۔ میرے مؤکل کو اس دوران میں جس کوفت اور ذہنی

اذیت سے گزرنا پڑا اس کا مداوا بھی ضروری ہے۔ اس کیس میں الجھنے کے باعث ملزم کی نیک نامی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اس کے ورثا کو جو مالی اور جذباتی نقصان اٹھانا پڑا وہ الگ ہے۔ میں اپنے مؤکل کے لیے معزز عدالت سے پرزور ہمدردی کی اپیل کرتا ہوں ......“

بات ختم کر کے میں نے کن انکھیوں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ کینہ توز نظر سے مجھے گھور رہی تھی۔ اس کا اگر بس چلتا تو مجھے کچا ہی چبا ڈالتی۔ وہ مجھے بلینک چیک تھما کر مطمئن ہو گئی تھی اور اس یقین کے ساتھ آج عدالتی کارروائی دیکھنے آئی تھی کہ میں ملزم کے بھائی امین کی راہ میں بارودی سرنگیں بچھا ڈالوں گا‘ لیکن جب میری جانب سے اس نے کیس کے اندر کوئی ٹوئسٹ پیدا ہوتے نہیں دیکھا تو پہلے وہ حیران ہوئی پھر اس کی حیرانی پریشانی میں بدل گئی اور اب تو مجھے اس کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے عدالت کے کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ اپنے خطرناک ناخنوں سے میرا چہرہ ادھیڑ ڈالے گی۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ عدالت کے کمرے کے اندر میرے خلاف کسی بھی حوالے سے زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ وہ کہتی بھی تو کیا کہتی ...... یہ کہ اس نے کیس کا پانسہ پلٹنے کے لیے مجھے رشوت میں ایک بلینک چیک دیا تھا۔ اگر وہ اس حوالے سے منہ سے ایک لفظ بھی نکالتی تو اگلے ہی لمحے وہ اکیوزڈ باکس میں کھڑی نظر آتی۔

میری پرزور اور ہمدردانہ اپیل کے جواب میں مجسٹریٹ نے کہا۔ ”عدالت کو ملزم ناصر کی پوزیشن اور حیثیت کا پوری طرح خیال ہے لہٰذا وہ اسے اس کیس سے باعزت بری کرتے ہوئے کیس کو خارج کرتی ہے۔“

”تھینک یو یور آنر!“ میں نے گردن کو ہلکا سا خم دے کر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ”میں عدالت کے اس مبنی برانصاف و عدل کے فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں‘ لیکن اس کے ساتھ ہی معزز عدالت سے میری ایک چھوٹی سے استدعا ہے۔“

مجسٹریٹ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ”بیگ صاحب! آپ مزید کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”یور آنر!“

میں نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے باآواز بلند کہا۔ ”میرے مؤکل نے گرفتاری سے لے کر اب تک جس ذہنی اذیت اور معاشرتی خفت کا سامنا کیا ہے اس کا بروزن ازالہ تو

ممکن نہیں، مگر میں چاہوں گا کہ استغاثہ کی جانب سے ملزم کو معقول ہرجانہ ادا کیا جائے تاکہ اس کے زخموں پر مرہم لگایا جا سکے...... دیٹس آل یور آنر......!"

مجسٹریٹ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کسی بھی شخص کو قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کی عزت کو اچھالے اور کسی جھوٹے مقدمے میں کسی کو عدالت میں گھسیٹے لہٰذا یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ اس کیس نے ناصر کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی ہے، عدالت استغاثہ کے توسط سے سیما کے والدین کو اس بات کا پابند کرتی ہے کہ وہ ہتک عزت کے زمرے میں ناصر کو مبلغ بیس ہزار روپے سکہ رائج الوقت پاکستان بطور ہرجانہ ادا کریں۔ عدالت کے اس حکم پر فوری عملدرآمد کیا جائے۔"

مجسٹریٹ کے اس دوٹوک اور حتمی فیصلے کے بعد استغاثہ اور سیما کے والدین میں سے کسی کو کوئی اعتراض اٹھانے یا کوئی جواز پیش کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس حکم عدالت کو سن کر استغاثہ پارٹی کے تمام ارکان کے چہرے پھس ہونے والے غبارے کے مانند لٹک گئے تھے۔ بالفاظ دیگر انہیں اس کیس میں ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ سلمیٰ کی حالت دیدنی تھی۔ میں نے ان آخری مراحل پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا ضروری سمجھا۔

سلمیٰ اور رمضانی وکیل استغاثہ کی درخواست پر فوراً ہرجانے کی ادائیگی کے پردسیس میں لگ گئے۔ اس کا ایک باقاعدہ قانونی طریق کار ہوتا ہے۔ کچھ ضروری قسم کی کاغذی کارروائی کرنا ہوتی ہے۔ بہرحال، آدھے گھنٹے میں یہ مرحلہ مکمل ہو گیا۔

میں نے کوشش کی تھی کہ عدالت کے کمرے سے باہر نکلتے وقت امین کے ساتھ رہوں تاکہ سلمیٰ کے کسی جذباتی اٹیک سے محفوظ رہ سکوں۔ وہ مجھ پر بہت زیادہ ادھار کھائے بیٹھی تھی۔

پارکنگ تک میں امین اور ناصر سے باتیں کرتے ہوئے پہنچ گیا۔ جب میں انہیں رخصت کر کے اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تو پتا نہیں کہاں سے مسز سلمیٰ آندھی کے مانند نکل کر میرے سامنے آ گئی۔ میں اسے اچانک اپنے روبرو دیکھ کر چونک اٹھا۔

وہ طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "بیگ صاحب! اب یہ بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ آپ نے اتنے دن میں میرا دیا ہوا وہ چیک کیش کیوں نہیں کرایا تھا۔ آپ کی نیت میں پہلے سے فتور تھا یا میں نے آپ کی قیمت کم لگائی تھی۔ آپ مجھے

بتا دیتے، میں آپ کو خریدنے کے لیے دو لاکھ سے زیادہ بھی دے سکتی تھی۔"

میں نے اس کی ترش کلامی کے جواب میں صرف اتنا کہا۔ "مسز سلمیٰ! آپ شدید نوعیت کی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ہر انسان کو خریدنا ممکن نہیں ہوتا۔"

میں نے کوشش کر کے اپنے لہجے کو نارمل اور مہذب رکھا تاکہ وہاں کوئی نیا تماشا نہ لگ جائے۔ سلمیٰ چوٹ کھائی ہوئی ایک زخمی ناگن تھی، وہ بپھر جاتی تو کوئی نیا ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی اس کی بدکلامی و بدزبانی کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی۔

وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ آپ کی نیت میں شروع ہی سے فتور تھا۔ آپ نے مجھے بے وقوف بنانے کے لیے وہ چیک لے کر اپنے پاس رکھ لیا تھا؟"

"آپ بار بار چیک کا ذکر کر رہی ہیں تو اتنا بتا دوں......" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "آپ کا دیا ہوا وہ بلینک چیک جوں کا توں میری میز کی دراز میں رکھا ہے۔ کبھی سٹی کورٹ آنا ہو تو میرے آفس کا ایک چکر لگا لیجئے گا۔ آپ کا چیک میں واپس کر دوں گا۔ آج تشریف لانا چاہیں تو چار بجے کے بعد میں آپ کو آفس ہی میں ملوں گا۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے آفس آنے یا آپ سے ملنے کا۔" وہ شپٹائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میرے پاس ایسے کاموں کے لیے فالتو ٹائم نہیں ہے۔"

"لیکن وہ بلینک چیک......؟" میں نے چٹکی لینے والے انداز میں کہا۔

"اب وہ ردی کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" وہ حقارت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں نے بینک جا کر اس چیک کو کینسل کرا دیا ہے۔"

"میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور پاؤں پٹخ کر جانے لگی۔ میں نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔ "مسز سلمیٰ! آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ میں نے آپ کی فرمائش پوری کر دی ہے۔"

وہ رکی اور گردن گھما کر عجیب سے لہجے میں مستفسر ہوئی۔ "کون سی فرمائش......؟"

"مرچ مسالا لگانے والی فرمائش......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کی خوشی کی خاطر اس کیس میں مرچ مسالا بھرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، لیکن مجھ سے ایک غلطی ہو گئی......"

"کیسی غلطی؟"

اس کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی۔

"یہ غلطی کہ میں نے اس مرچ کاری کا کام آپ کے ہاتھوں سے کرا ڈالا۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"اور نادانستگی میں آپ سے چوک یہ ہو گئی کہ مرچ والا ہاتھ آپ نے اپنی آنکھوں میں لگا لیا...... یہ ساری جلن اسی وجہ سے ہے۔"

"اونہہ......" اس نے مجھ پر ایک غصیلی نگاہ ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک طرف بڑھ گئی۔

میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔